BAHAUDDIN ZAKARIYA UNIVERSITY

خطباتِ ملتان

خواجہ شمس الدین عظیمی

خطباتِ ملتان

خواجہ شمس الدّین عظیمی

نام کتاب	خطباتِ ملتان
خطبات	خواجہ شمس الدین عظیمی
ترتیب وتدوین واشاعت	بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان۔
ٹرانسکرپشن	محمد معظم
کمپوزنگ	حماد احمد، محمد کامران
پروف ریڈنگ	شہباز احمد
ٹائٹل	محمد اشرف
تعداد اشاعت دوئم	2000
سن اشاعت	جنوری 2008ء
قیمت فی جلد	300/- روپے

انتساب

مادرِ علمی

بہاء الدین زکریا یونیورسٹی

ملتان

کے نام

بسمه الله الرحمن الرحیم

مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو علم Gift ہوا ہے اور رب کریم نے جو اخلاق و اوصاف عطا فرمائے ہیں۔ان کا تذکرہ چھوٹا منہ بڑی بات کے مترادف ہے۔

علوم کی دو قسمیں ہیں۔

1- علم دنیا

2- علم دین و آخرت

علم دنیا کے کتنے شعبے ہیں اس کا صحیح اندازہ مشکل ہے اسی طرح علم دین و آخرت کتنے شعبوں پر محیط ہے۔اس کے بارے میں بھی انسانی ذہن کچھ بیان کرنے سے قاصر ہے۔

علم دنیا مخلوق کی موشگافیوں، منطق اور فلسفوں پر پھیلا ہوا ہے۔ یہ علم اور اس کی تمام شاخیں مفروضہ (Fiction) ہیں۔کوئی بڑی سے بڑی دلیل ان مفروضات کو حقیقت میں تبدیل نہیں کر سکی۔

ہم جب بچے کو اسکول میں داخل کرتے ہیں اور محترم استاد بچے کو الف، ب، ج، د پڑھاتا ہے تو اس کے پاس ہرگز اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے۔الف، الف کیوں اور ب، الف کیوں نہیں ہے۔یہی صورتحال ہماری گنتی اور شماریات کی ہے۔0 گنتی کی ابتدا ہے۔عجیب بات ہے کہ صفر کی کوئی Value نہیں لیکن جب یہ صفر کسی ھندسے کے آگے پیچھے لگ جاتا ہے اسکی بڑی سے بڑی قیمت کا تعین کر دیا جاتا ہے۔

ایک کے آگے جتنے بھی صفر لگا دیئے جائیں اتنی ہی ایک کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ایک اور صفر (10) دس، ایک اور دو صفر (100) سو، ایک اور تین صفر (1000) ہزار، ایک اور چار صفر (10000) دس ہزار، ایک اور پانچ صفر (100000) ایک لاکھ لیکن اگر ایک کو حذف کر دیا جائے تو پانچ صفر کی کوئی قیمت نہیں لگائی جاتی۔ یہ علم دنیا کا مختصر تعارف ہے۔

کروڑوں سال سے ہر انسان کے ساتھ ایک اور مفروضہ لپٹا اور چپکا ہوا ہے۔

ولادت کے بعد میرا نام کنور طارق عظیمی رکھا گیا۔ سمجھ میں آج تک یہ بات نہیں آتی کہ نقوش اور شکل و صورت، قد و قامت، سوچ بچار، حرکات و سکنات، مزاج اور عقل و شعور جب تبدیل ہو گئے ہیں تو نام تبدیل کیوں نہیں ہوا۔ دانشور اور بڑے بزرگ فرماتے ہیں۔

نام اس لیے تبدیل نہیں ہوتا کہ نام دراصل فرد کی شناخت اور Identity ہے۔ لیکن میں سوچتا ہوں یہ کیسی Identity ہے کہ مجھے اگر دو سال، دس سال، بارہ سال کی عمر کا فوٹو (Photo) دکھایا جائے جو میرا اپنا فوٹو (Photo) ہے، میں اسے نہیں پہچانتا۔ اسی طرح اگر میں دنیا کے کسی خطے میں یا دنیا کے کسی ملک میں بچپن میں نقل مکانی کر لوں اور بڑھاپے میں اپنے وطن واپس آؤں تو اپنے پرانے دوست، احباب، قریبی رشتہ دار اور والدین بھی تعارف کرائے بغیر مجھے نہیں پہچانتے۔ یہ بات مفروضات کی ہے جن میں ہم سب چھوٹے بڑے، پڑھے لکھے، اعلیٰ تعلیم یافتہ اور نہایت زی احترام اساتذہ شامل ہیں۔

دوسرا علم جو دین و آخرت کا علم ہے مفروضہ نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے اس کا نام علم لدنی ارشاد کیا ہے۔

علم لدنی حقیقت پر مبنی ہے اس میں مفروضات کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم لدنی سکھایا جاتا ہے اور یہ علم اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسّلام کے امتیوں کو بھی عطا فرمایا ہے۔ قرآن پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے قصے میں اس کا تفصیلی تذکرہ موجود ہے۔

مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کی لکھی ہوئی ایک کتاب ''احسان وتصوف'' بہاء الدین زکریا یونیورسٹی شعبہ علوم اسلامیہ M.A کے نصاب میں داخل ہے۔ خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب Faculity شعبہ علوم اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان کے لیکچرار ہیں۔ احسان وتصوف کے حوالے سے ڈاکٹر چوہدری غلام مصطفیٰ، V.C صاحب نے عظیمی صاحب کو تصوف اور سیرت طیبہ پر

لیکچرز دینے کے لیے یونیورسٹی میں مدعو کیا۔ محترم عظیمی صاحب نے ہمیں عزت و احترام سے نوازا اور کراچی سے ملتان تشریف لائے اور لیکچر Deliver کیے۔ 'احسان وتصوف' کے پیش لفظ میں محترم استاد، باپ کی طرح مشفق، مخلص اور دوست چوہدری غلام مصطفیٰ صاحب نے لکھا ہے۔

''خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کی تصنیف 'احسان وتصوف' کا مسودہ مجھے کنور طارق عظیمی نے مطالعہ کے لیے دیا اور میں نے اسے تاریخ کے ایک طالب علم کی حیثیت سے پڑھا۔ خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کا نام موضوع کے حوالہ سے باعث احترام ہے۔ نوع انسانی کے اندر بے چینی اور بے سکونی ختم کرنے، انہیں سکون اور تحمل کی دولت سے بہرہ ور کرنے اور روحانی قدروں کے فروغ اور ترویج کے لیے ان کی کاوشیں ناقابل فراموش ہیں۔ ایک دنیا ہے جسے آپ نے راہ خدا کا مسافر بنا دیا ہے۔ وہ سکون کی دولت گھر گھر بانٹنے کا عزم کئے ہوئے ہیں۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ زیر نظر کتاب تصوف پر لکھی گئی کتابوں میں ایک منفرد مستند کتاب ہے۔ جس خوبصورت اور عام فہم انداز میں تصوف کی تعریف کی گئی ہے اور عالمین اور زمان و مکان کے سربستہ رازوں سے پردہ ہٹایا گیا ہے یہ صرف عظیمی صاحب ہی کا منفرد انداز اور جداگانہ اسلوب بیان ہے۔ عظیمی صاحب نے موجودہ دور کے شعوری ارتقا کو سامنے رکھتے ہوئے تصوف کو جدید سائنٹفک انداز میں بیان کیا ہے۔ مصنف نے کوشش کی ہے کہ عبادات مثلاً نماز، روزہ اور حج کا تصوف سے تعلق، ظاہری اور باطنی علوم میں فرق، ذکر و فکر کی اہمیت، انسانی دماغ کی وسعت اور عالم اعراف کا ادراک جیسے ہمہ گیر اور پر اسرار موضوعات کو سادہ اسلوب میں اور بڑے دل نشیں پیرائے میں بیان کیا جائے تاکہ قاری کے ذہن پر بار نہ ہو اور اس کوشش میں وہ کامیاب بھی رہے۔

میرے لیے یہ امر باعث اطمینان ہے کہ یہ کتاب بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان کے شعبہ علوم اسلامیہ کے توسط سے شائع ہو رہی ہے۔ میں عظیمی صاحب کی اس کاوش کو سراہتا ہوں کہ انہوں نے طلبہ کی ہدایت اور راہنمائی اور علمی تشنگی کو بجھانے کیلئے یہ کتاب تحریر فرمائی۔ میں عظیمی صاحب کو مبارکباد دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ خدا کرے یہ کتاب عامۃ المسلمین اور اعلیٰ تعلیم کے حصول کے

خواہشمند افراد سب کیلئے یکساں مفید ثابت ہو، معاشرہ میں تصوف کا صحیح عکس اجاگر ہوا اور الٰہی تعلیمات کو اپنا کر ہم سب دنیا اور آخرت میں سرخرو ہو سکیں۔ (آمین)''

جب سے میں حضرت عظیمی صاحب کے دامن سے وابستہ ہوا ہوں، میری دنیا بدل گئی ہے۔ جب میں سیرت طیبہ کا مطالعہ کرتا ہوں، میرے اندر کا انسان شرمندہ ہوتا ہے کہ وہ کتنا کمزور اور خود غرض ہے۔ جب میں اللہ کی بنائی ہوئی کائنات پر تفکر کرتا ہوں تو خود کو بہت چھوٹا دیکھتا ہوں۔ اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔

چوہدری غلام مصطفیٰ صاحب اور میں نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے میرے دل کی آواز اور جذبات واحسات کی عکاسی ہے۔

اللہ کرے کتاب ''خطباتِ ملتان'' اُمت، عوام وخواص اور اعلیٰ تعلیم کے حصول کے خواہشمند افراد کے لیے مفید ہو۔ (آمین)

کنور طارق عظیمی

نگران مراقبہ ہال، ملتان

خراجِ تحسین

اللہ تعالیٰ نے انسان کو روح اور جسم کے دو مختلف عناصر کا مجموعہ بنا کر اس کی شریعت میں فطری طور پر دونوں قسم کی ضروریات کا داعیہ رکھ دیا ہے۔ جس طرح جسم کی بقا وسلامتی کے لیے مادی ضروریات کا حصول ضروری ہے۔ اسی طرح روح بھی ایک مخصوص خوراک اور ماحول کا تقاضا کرتی ہے۔ انسان کے لیے اس دنیا میں دونوں اقسام کی ضروریات کی تکمیل کا قدرتی نظام موجود ہے۔ جسم کی خوراک، عبدیت خورد ونوش، لباس، رہائش اور دیگر ضروریات زندگی کے لیے قدرتی وسائل موجود ہیں اور روح کی عبدیت کے تقاضوں کی تکمیل ہے۔ جس کے لیے انبیاء علیہم السلام تشریف لائے اور قرآن حکیم کی صورت میں انسانیت کو ایک واضح نصب العین عطا فرمایا۔

اسلام نے روح اور جسم دونوں کے تقاضوں میں مضمر خصوصیات کو بھی واضح کیا اور پھر انسان کو عقل، تدبر اور تفکر کی نعمت سے نواز کر اسے پورا پورا اختیار دیا کہ روحانی اور جسمانی ضروریات اور تقاضوں کی تکمیل میں جسے چاہے اوّلیت دے۔

اب چاہیئے تو یہ تھا کہ انسان عقل سلیم کو استعمال میں لاتے ہوئے روح اور جسم کے مطالبات میں توازن برقرار رکھتا اور دونوں کو مطلوبہ خوراک اور ماحول فراہم کرنے میں انصاف کرتا مگر چونکہ جسمانی مفادات اور نفسانی خواہشات وداعیات انسانی طبیعت کے لیے بظاہر زیادہ مرعوب اور باعث لذت وسکون ہیں، اس لیے وہ مادی ضروریات کے لیے نسبتاً زیادہ مائل رہتا ہے۔

انسان کی مادیت پرستی کا دوسرا سبب شیطان کا جمالیاتی فریب ہے۔ جو ازلی دشمنی کے باعث مستقل محرک کی حیثیت سے اس کے رگ وریشے میں موجود رہتا ہے۔ لیکن روح ہر حال میں ایک جمالیاتی قوت ہے، ایک میلانی اور نورانی جذبہ ہے۔ جو انسان کو وقتاً فوقتاً نیکی کی طرف کھینچتی ہے۔ مذہب اگر معاشرتی اقدار کا محرک ہو تو انسان کو روحانی غذا ملتی رہتی ہے اور اگر پورا معاشرہ ہی مادیت کے طوفان کی بھینٹ چڑھ جائے تو روحانیت دبتی چلی جاتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان

کے لیے خیر وشر، نیکی اور بدی کے سارے فرق ختم ہو جاتے ہیں۔

آج انسانیت اس موڑ پر کھڑی ہے کہ اس وقت انفرادی، قومی اور بین الاقوامی سطح پر مادیت پرستی نے انسان سے خیر وشر کے تمام امتیازات چھین لیے ہیں۔ جدید ترقی یافتہ مغربی اقوام نے جس قدر سائنسی ترقی کی، اپنی اخلاقی قدریں بے راہ روی کی مرتکب ہو کر کھودیں۔ یہاں تک کہ آج کا پڑھا لکھا نام نہاد مہذب انسان حیوانات سے بدتر اخلاقی معیار پر پہنچ چکا ہے۔ سامانِ تعیش کی فراوانی اور عیش وعشرت کے باوجود لوگ پریشان ہیں، انہیں ذہنی سکون میسر نہیں۔

عصر حاضر کو درپیش مسئلہ ذہنی سکون واطمینان قلب کی کمی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے، ''آگاہ رہو، اللہ کا ذکر ہی دلوں کو سکون وطمانیت بخشتا ہے''۔ چنانچہ سکون کا حصول اہل اللہ سے تعلق کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا لہٰذا ان اہل اللہ کی محبت ناگزیر ہے۔

ان اہل اللہ میں سے ایک شخصیت خواجہ شمس الدین عظیمی کی بھی ہے جو روحانیت کی دنیا میں ایک بین الاقوامی شخصیت ہیں۔ روحانیت کی دنیا میں عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ جن کی خدمات قابلِ ستائش ہیں۔ جن کا مقصد انسانیت کی خدمت اور انہیں سکون کی دولت سے آشنا کرنا ہے۔ محترم عظیمی صاحب اس وقت صرف پاکستان میں نہیں بلکہ مغربی دنیا میں بھی پریشان حال انسانوں کی رہنمائی کی ایک علامت بن چکے ہیں۔

میں شکر گزار ہوں سابق وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ چوہدری کا جنہوں نے اس عظیم روحانی شخصیت کا مجھ سے تعارف کروایا۔ اس وقت میں چیئرمین شعبہ علومِ اسلامیہ تھا۔ وائس چانسلر صاحب نے فرمائش کی کہ اس عظیم روحانی شخصیت کا تعارف اور ان کے لیکچر کا شعبہ علومِ اسلامیہ میں اہتمام ہونا چاہیئے۔ چنانچہ شعبہ علومِ اسلامیہ نے مختلف اوقات میں تصوف کے حوالے سے مختلف سیمینارز کا اہتمام کیا۔ جن میں خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب نے لیکچرز Deliver کئے۔ ان لیکچرز کی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں شعبہ علوم اسلامیہ کے اساتذہ اور طلبا وطالبات کے علاوہ دیگر شعبوں کے اساتذہ اور طلبہ نے بھی شرکت کی۔ لیکچرز کے بعد سوالات وجوابات کی نشست بھی ہوتی تھی۔ جس میں

عظیمی صاحب نہایت مدلل جوابات سے سامعین کو نوازتے تھے۔

ان لیکچرز کی سیریز کے پہلے سیمینار میں جناب وائس چانسلر صاحب نے خواجہ صاحب کی خدمات کو سراہا اور اعلان کیا کہ عظیمی صاحب اس شعبہ کے فیکلٹی ممبر ہیں اور ہم ان سے علمی اور روحانی استفادہ کرتے رہیں گے۔

عظیمی صاحب نے بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان اور مضافات ملتان میں جو علمی وروحانی لیکچرز دیئے انہیں خطباتِ ملتان کی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے۔ خطباتِ ملتان کا مسودہ مجھے محترم کنور طارق عظیمی (انچارج مراقبہ ہال ملتان) نے مطالعہ کے لیے دیا، جس کا میں نے بانظر عمیق مطالعہ کیا۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ عصر حاضر کے تمام اہم مسائل کا حل روحانیت میں ہے۔

محترم عظیمی صاحب نے اپنے خطبات میں روحانیت اور تصوف کو مترادفات کے طور پر استعمال کیا ہے۔ ان خطبات میں تصوف کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ محترم عظیمی صاحب کے نزدیک روحانیت یا تصوف روح انسانی سے واصل ہونے کا نام ہے۔ تصوف اپنی انا کا کھوج لگانے کا علم ہے۔ تصوف من کی دنیا میں ڈوب کر سراغ زندگی پا جانے کا نام ہے۔ یہ ایک ایسا علم ہے جو روح میں بالیدگی پیدا کرتا ہے اور مخلوق کو خالق کائنات سے قریب کرتا ہے۔ روحانیت اور تصوف کے راستے کا مسافر باطنی کیفیات اور مشاہدات سے اللہ کو دیکھ لیتا ہے اور اسے اللہ سے ہم کلامی کا شرف نصیب ہو جاتا ہے۔

عظیمی صاحب نے اپنے ان خطبات کی بنیاد قرآن وسنت کو قرار دیا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے سورۃ کہف کی آیت نمبر 110 میں واضح کیا ہے ''پس جو شخص اپنے رب سے ملاقات کا آرزومند ہو اسے لازم ہے کہ وہ اعمال صالحہ کرے اور اپنے رب کی اطاعت میں کسی کو شریک نہ کرے''۔

خطباتِ ملتان میں عظیمی صاحب کے لیکچرز کو انیس عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے۔ محترم عظیمی صاحب نے اپنے ان خطبات میں توحید، تقویٰ، تزکیۂ نفس، محبت، آشتی اور تصوف کو عصر حاضر کے درپیش مسائل کا حل قرار دیا ہے۔ امید واثق ہے کہ محترم خواجہ شمس الدین عظیمی کے یہ خطبات

نوعِ انسانی میں پیدا شدہ بے چینی اور اضطراب کو ختم کرنے کا موجب بنیں گے۔ یہ خطبات مسلمانوں میں اتفاق واتحاد اور یک جہتی کا پیغام ہوں گے اور تصوف کے میدان میں ایک مستند، منفرد اور مؤثر اضافہ ہوں گے۔

میں آخر میں دل کی اتھاہ گہرائیوں سے عظیمی صاحب کی اس کوشش وکاوش کو سراہتا ہوں اور خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس سعی جمیلہ کو اپنی بارگاہ میں مقبول ومنظور فرمائے اور مسلم امّہ کو ان خطبات کے ذریعے صراطِ مستقیم پر گامزن فرمائے۔ (آمین)

پروفیسر ڈاکٹر نور الدین جامی
شعبہ علومِ اسلامیہ،
بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

بسمہ اللہ الرحمن الرحیم

تصوف وروحانیت کی حقیقت اور ماہیت اور صوفیاء کرام کی تعلیمات وخدمات کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا اور ایسی تحریریں کو اکثر وبیشتر تنقید کا بھی سامنا کرنا پڑا ہے۔ خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ ان کا تعلق دورِ حاضر کے ایک ایسے روحانی سلسلے سے ہے جس نے روحانی علوم کو آج کے دور کے مطابق پیش کیا ہے۔ عظیمی صاحب نے تصوف کا گہرا مطالعہ اور مشاہدہ کیا ہے۔ آپ کی تحریریں اور خطبات نوعِ انسانی کے مسائل کا حل پیش کرتے ہیں۔ آپ کی کتاب احسان وتصوف اور روحانی علاج کو زبردست مقبولیت حاصل ہے۔ سیرتِ طیبہ کے حوالے سے آپ نے تین جلدوں پر مشتمل جو کاوش کی ہے اسے دنیا بھر میں سراہا جا رہا ہے۔

عظیمی صاحب نے علمِ دنیا اور علمِ دین کو جس محنت اور توازن سے حاصل کیا ہے وہ نہ صرف یہ کہ منفرد حیثیت کا حامل ہے بلکہ اس کی بدولت وہ اس مکتب کے ایسے استاد بن گئے ہیں جنہیں تحریر، اظہار اور تاثر پر پوری قدرت حاصل ہے۔ آپ کی تحریروں کی پختگی، تاریخی حوالے اور حقیقی تجزیے کسی بھی قاری کو تشنگی کا احساس نہیں ہونے دیتے۔ عظیمی صاحب کی چاشنیٔ گفتار ایک ایسی خصوصیت ہے جو آج کے دور میں آسانی سے نہیں ملتی۔

جنوبی پنجاب کی اس عظیم درسگاہ جس کا مجھے وائس چانسلر ہونے کا اعزاز ہے اس کا نام بھی ایک عظیم روحانی شخصیت حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے نام پر ان کی دینی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لئے رکھا گیا ہے۔ عظیمی صاحب نے اپنی مصروفیات کے باوجود بہاء الدین زکریا یونیورسٹی میں کئی بار تشریف لا کر اساتذہ اور طلباء کو تصوف کے موضوع پر بصیرت

افروز لیکچر دیئے۔ ان کی یہاں آمد ہمارے لئے ہمیشہ باعث افتخار اور رہنمائی کا سبب بنی ہے۔ خطباتِ ملتان کے انہی لیکچرز کی کتابی شکل میں اشاعت سے یہ عظیم خزانہ آئندہ نسلوں کے لئے محفوظ ہو گیا ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد ظفر اللہ

وائس چانسلر،

بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

اظہار تشکر

ہر آدمی اس دنیا میں آنے کے بعد چھ ادوار میں زندگی گذارتا ہے۔

1- پیدائش

2- بچپن

3- لڑکپن

4- جوانی

5- بڑھاپا

6- انتقال مکان

زمین سے منتقل ہونے کے بعد وہ چھ ادوار میں زندگی گذارتا ہے۔

1- اعراف (آخرت)

2- نفخ صور (قیامت)

3- عالم حشر و نشر

4- یوم حساب

5- جنت و دوزخ

6- ابد

ہر آدمی یہاں آنے سے پہلے بھی چھ زمانوں سے گذر کر عالم ناسوت میں آتا ہے۔

1- مقام محمود

2- یوم ازل

3- عالم نور

4- عالم ارواح

5- لوح محفوظ

6- عالم برزخ (عالم تمثال)

ہر آدمی میں چھ ایجنسیاں کام کرتی ہیں۔

1- آدمی بذات خود

2- سماعت

3- بصارت

4- شامہ

5- لمس

6- ذائقہ

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بڑی وضاحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ ہم نے مخلوق کو جوڑے جوڑے پیدا کیا ہے۔

1- مذکر

2- مؤنث

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ہم نے جوڑے دہرے پیدا کئے یعنی مرد کے دو رخ اور عورت کے دو رخ۔ ان دو رخوں کا دارومدار زمان و مکان (Time & Space) پر ہے۔

جغرافیائی حدود بھی چھ ہیں۔

1- مشرق

2- مغرب

3- شمال

4- جنوب

5- سطح اسفل (زمین)

6- سطح ارفع (آسمان)

سارے انسان ایک طرح پیدا ہوتے ہیں۔

سارے انسان بچپن، لڑکپن اور بڑھاپا گذارتے ہیں اور سارے انسان رخت سفر باندھ کر اس دنیا سے کوچ کر جاتے ہیں۔ انسانوں کی بے شمار قسمیں ہیں اور ان قسموں کا بنیادی مسالا سوچ اور طرز فکر ہے۔ سوچ اور طرز فکر کا بہترین نمونہ اور تمام مخلوقات کے لیے مثال اللہ کے برگزیدہ بندے اور ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر ہیں۔ ان ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں میں ممتاز ہستی آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ ہیں۔

ہر بالغ باشعور آدمی زندگی کی بارہ سیڑھیاں چڑھ کر یہ سوچتا ہے کہ میں کون ہوں؟ کہاں سے آیا ہوں اور میری زندگی کا مقصد کیا ہے؟

اس سوچ کے حامل لوگ اس دنیا میں بہت کم ہیں کثیر افراد عارضی دنیا کی شب و روز میں گم رہتے ہیں۔ انہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ وہ سوچیں کہ ہماری پیدائش کا مقصد کیا ہے۔ چونکہ نبوت ختم ہو چکی ہے اور دین کی تکمیل ہو گئی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے توحید اور رسالت کا پیغام پھیلانے کے لیے اولیاء اللہ کا سلسلہ قائم کیا ہے۔ اولیاء اللہ کی طرز فکر اللہ کے قانون کے مطابق انبیاء علیہم السلام اور اللہ کے محبوب سیدنا حضور ﷺ کی طرز فکر کے مطابق ہوتی ہے تاکہ توحید کے پیغام کا تسلسل جاری رہے۔

الحمد للہ میں عاجز و مسکین بندہ اس ہی مشن کا علم بردار اور گروہ کا غلام اور خادم ہوں۔ میلاد النبی ﷺ کی تقریب سعید کے موقع پر مجھے عزیز محترم کنور طارق عظیمی نے مدعو کیا۔ پرشکوہ، پروقار اور پرنور تقریب آرٹس کونسل ملتان میں ہوئی تھی۔ مہمان خصوصی کی حیثیت سے میرے برابر استاد محترم جناب چوہدری غلام مصطفیٰ صاحب وائس چانسلر بہاء الدین زکریا یونیورسٹی تشریف فرما تھے۔

جناب وائس چانسلر صاحب نے تقریب سن کر مجھے یونیورسٹی آنے کی دعوت دی۔ یونیورسٹی کے ایگزیکٹو ہال میں سیرت النبی ﷺ پر مقالے پڑھے گئے۔

یونیورسٹی کا ہال رسول اللہ ﷺ کے عشاق اور پروانوں سے بھرا ہوا تھا۔ جب میری تقریر ختم ہوئی تو چوہدری غلام مصطفیٰ صاحب نے انتہائی عزت و احترام کے ساتھ مجھے مبارک باد دی اور بہاء الدین زکریا یونیورسٹی میں لیکچر Deliver کرنے کے لیے مدعو کیا۔

پروفیسر جامی صاحب کی ڈیوٹی لگی۔ قدرت جب فیاض ہوتی ہے تو ایک راستے میں دس راستے اور بن جاتے ہیں۔ محترم جامی صاحب کی نگرانی میں M.A کے لیے احسان و تصوف کتاب کی تیاری شروع ہوئی اور بلا آخر بہاء الدین زکریا یونیورسٹی نے اپنے پریس میں یہ کتاب چھاپ دی۔ جو اس وقت M.A کے

نصاب میں داخل ہے۔

میں اپنی کیفیات کیا بیان کروں جب پہلی مرتبہ یونیورسٹی کے بڑے دروازے سے داخل ہوا تو میں نے محسوس نہیں کیا........... بلکہ دیکھا........... کہ دماغ میں اسپارک ہوا اور وہ روشنی میرے دماغ میں سے گذر کر پیروں کے ذریعہ ارتھ ہوگئی۔ ذہن میں یہ بات وارد ہوئی کہ مادرِ علمی نے ساری کمزوریوں اور لاعلمی کے باوجود مجھے قبول کرلیا۔ میں نے محسوس کیا کہ میرا دماغ بڑا ہوگیا ہے۔ میرے اندر علمی کلیاں شگوفے بن گئے۔

مجھے وائس چانسلر صاحب کے کمرے میں بٹھا دیا گیا وہاں اور اساتذہ بھی تشریف فرما تھے۔ وہاں ڈاکٹر نورالدین جامی صاحب، ڈاکٹر ظفر اللہ صاحب، ڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب کے علاوہ دیگر اساتذہ بھی تشریف لائے۔

سب سے میرا تعارف ہوا میں نے انہیں جانا ان سب نے مجھے پہچانا۔ علم کے امین اساتذہ سے تعارف کے ساتھ ملاقات ہوئی اور پھر اللہ کے کرم، سیدنا حضور ﷺ کی نسبت اور مرشدِ کریم حضور قلندر بابا اولیاءؒ کے فیض سے روحانی درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

جناب وائس چانسلر، اساتذہ کرام اور منتظمین کا شکر گذار ہوں کہ ان کی کاوش ان کے خلوص اور ان کے ایثار سے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کرم فرمایا اور مجھے بہاء الدین زکریا یونیورسٹی میں لیکچرز Deliver کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

خواجہ شمس الدین عظیمی

خانوادہ سلسلہ عظیمیہ

مرکزی مراقبہ ہال، کراچی

فہرست

تصوف مکمل علم ھے

اعوذ باالله من الشیطن الرجیم

بسم الله الرحمٰن الرحیم

عزیز طالبات اور طلبا!

تصوف ایک علم ہے، بالکل اسی طرح جس طرح دنیا کے اور دوسرے علوم ہیں۔ جیسے طبیعات، ما بعد طبیعات، سائیکا لو جی، پیر اسا ئیکا لو جی، انجینیر نگ اور میڈیکل سائنس۔ دنیا کے اور بے شمار علوم کی طرح تصوف بھی ایک مکمل علم ہے۔ علوم میں کچھ ایسے علوم بھی ہیں جو کتابوں میں نہیں ملتے یا اگر ملتے ہیں تو الہامی کتابوں میں موجود ہیں۔ وید، تورات، انجیل اور آخری کتاب قرآن کریم میں ان علوم کا تذکرہ ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ قرآن کریم اللہ کا کلام ہے اور حضرت جبرائیلؑ کے ذریعے اللہ کے محبوب بندے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر وحی کے ذریعے نازل ہوا۔

ہمیں معلوم ہے کہ فرشتے ہیں، جنات ہیں، انسان ہیں۔ جس طرح ہم انسان کی تعریف بیان کرتے ہیں، انسان کی زندگی کا تجزیہ کرتے ہیں یا انسان کے جسم کے اندر جو مشینری اللہ تعالیٰ نے فٹ کی ہے اس کو کھول کر دیکھ سکتے ہیں، دل گردے، پھیپھڑے وغیرہ یا انسانوں کی عمروں کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اس طرح ہم فرشتوں اور جنات کے بارے میں تفصیلی بات نہیں جانتے۔ ہم فرشتوں اور جنات کے بارے میں تفصیلات اس لیے نہیں جانتے کہ اس علم پر ہمیں عبور حاصل نہیں ہے۔

یہ ایسی بات ہے کہ ایک آدمی Scientist ہے اس نے فزکس پڑھی ہے لیکن تجربات

میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ یہ آدمی کوئی چیز ایجاد نہیں کر سکتا تو اسے آپ Scientist نہیں کہتے۔

تصوف ان علوم کی پردہ کشائی کرتا ہے جو غیب سے متعلق ہیں۔ ایک صوفی اس بات کو جانتا ہے کہ انسان کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی کون کون سی صفات کام کر رہی ہیں یا انسان کی تخلیق کا مقصد کیا ہے۔ انسان جب پیدا نہیں ہوا تھا وہ کہاں تھا اور اس دنیا کی زندگی گذارنے کے بعد جب وہ مر جاتا ہے تو کس عالم میں چلا جاتا ہے۔

آدمی جب تک پیدا نہیں ہوتا تو عالم ارواح میں رہتا ہے۔ جہاں روحیں قیام کرتی ہیں اور آدمی جب مر جاتا ہے تو آخرت کی دنیا میں چلا جاتا ہے۔ لیکن یہ جاننا، اس لئے نہیں ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ مرنے کے بعد کی زندگی کے شب و روز کیا ہیں۔ مرنے کے بعد کی زندگی یا مرنے کے بعد کی دنیا کیا ہے؟ کیا وہاں سورج نکلتا ہے؟ وہاں چاند نکلتا ہے؟ کیا وہاں بھی زمین ہے جس پر مکانات بنتے ہیں؟ اس کے بارے میں ہمارا علم لاعلمی ہے۔ پیدا ہونے سے پہلے ہم کہاں تھے؟ اس کا بھی ہمیں پتہ نہیں ہے۔ ہم سب کہتے ہیں کہ سات آسمان ہیں، عرش و کرسی ہے لیکن ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم آسمان کی حقیقت کو جانتے ہیں کہ پہلا آسمان کیا ہے، دوسرا آسمان کیا ہے، ساتواں آسمان کیا ہے، عرش کیا ہے؟

جب کوئی آدمی تصوف کے اسکول میں داخل ہو کر تعلیم حاصل کرتا ہے تو وہ اس بات سے آگاہ ہو جاتا ہے کہ زمین کیا ہے، سات آسمان کیا ہیں، عرش کیا ہے، فرشتے کیا ہیں، جنات کی دنیا کیسی دنیا ہے۔ انسان کو جس طرح انسان کے بارے میں معلومات ہوتی ہیں اسی طرح فرشتوں اور جنات کے بارے میں معلومات حاصل ہو جاتی ہیں۔

کوئی انسان جو تھوڑا سا بھی باشعور ہے اس بات سے واقف ہے کہ اس کا اس دنیا میں آنا اس کا ذاتی اختیار یا ذاتی وصف نہیں ہے۔ کوئی آدمی یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے اس بات کا علم تھا کہ

میں خان صاحب کے یہاں پیدا ہوں گا یا چوہدری صاحب کے گھر پیدا ہوں گا یا چمار میرا باپ ہوگا یا بادشاہ کے یہاں میری ولادت ہوگی۔

تصوف میں پڑھایا جاتا ہے کہ پیدائش سے پہلے بچہ کے دماغ میں کمپیوٹر نصب کر دیا جاتا ہے اور اس میں ایسے Chips ڈال دیئے جاتے ہیں کہ اگر اس کی عمر 80 سال کی ہے تو اسے ادراک ہو سکتا ہے کہ بچے نے اس 80 سال کی زندگی میں کیا کچھ کرنا ہے۔ تصوف میں مہارت حاصل ہو جائے تو اسے غیب کی دنیا اور مستقبل کے بارے میں معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔ جیسے پیغمبروں نے مستقبل کے بارے میں پیشن گوئیاں کیں اور وہ پوری ہوئیں۔ اولیاء اللہ سے بھی بہت سی کرامات سرزد ہوئیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کا خواب سن کر ۱۴ سال کے غیب کا انکشاف فرمایا۔

عام آدمی پیغمبر نہیں ہو سکتا لیکن پیغمبرانہ طرز فکر حاصل کر کے ان کے علوم کا امین ضرور بن جاتا ہے اور پیغمبروں کی نسبت سے اس کے اوپر بہت سی باتیں روشن ہو جاتی ہیں۔ تصوف انسان کی زندگی کے اس حصے کو روشن کرتا ہے جو زندگی کا باطن ہے۔

ہر انسان کی زندگی کے دو رخ ہیں۔ ایک رخ ظاہر ہے اور ایک رخ باطن ہے۔ ظاہر رخ یہ ہے کہ ہم بیٹھے ہوئے ہیں، چھوٹے سے بڑے ہو رہے ہیں، اسکول و کالج جا رہے ہیں، علوم حاصل کر رہے ہیں، ملازمت کر رہے ہیں، کاروبار کر رہے ہیں۔

باطنی زندگی میں سب سے پہلے کا عالم، عالمِ ارواح ہے یعنی جہاں سے ہماری روحیں چل کر اس دنیا میں مادی وجود میں ظاہر ہوئیں، پھر ہم نے اچھے یا برے اعمال کئے۔ اعمال کی بھی دو قسمیں ہیں۔ آدمی نیکی کرتا ہے یا برائی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق نیکی کی جزا اور برائی کی سزا ہے۔ اگر اس نے اچھے کام کئے تو اللہ کی طرف سے جزا ملتی ہے اور اگر برائی سرزد ہوئی ہے تو اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق اس کی سزا مقرر ہے۔

ہرانسان جواس دنیا میں موجود ہے،اس کی دو حیثیتیں ہیں ۔ایک حیثیت اس کا مادی وجود ہے،ایک حیثیت اس کا روحانی وجود ہے۔یعنی انسان دو وجود سے مرکب ہے۔کوئی انسان دو وجود کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔اس کی مثال یہ ہے، میں آپ کے سامنے لیکچر دے رہا ہوں آپ میرے وجود کو دیکھ رہے ہیں،جس میں سے آواز نکل رہی ہے۔میرا ایک مادی دماغ ہے جو سوچ رہا ہے کہ میں نے آپ کو کیا لیکچر Deliver کرنا ہے۔میری طرح آپ کا بھی ایک مادی دماغ ہے۔آپ اس دماغ سے میری بات کو سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔لیکن ایک بات بہت زیادہ غور طلب ہے کہ یہ مادی وجود جو بول رہا ہے یا وہ مادی وجود جو سن رہے ہیں،ان کی حیثیت ثانوی ہے،ان کو اولیت حاصل نہیں ہے۔

اس کی مثال یوں ہے کہ میں بیٹھے بیٹھے ابھی مرجاتا ہوں، ہارٹ اٹیک ہو جائے یا میں Coma میں چلا جاؤں تو میں بول نہیں سکتا۔آپ کہیں گے، یہ بندہ مر گیا ہے۔سوال یہ ہے کہ میرے اندر دماغ ہے،میرے ہاتھ پیر ہیں، میں بیٹھا ہوا بھی ہوں پھر میرا بولنا یا میرا کچھ کہنا کیوں منقطع ہو گیا؟ یہی صورت سامعین کی ہے۔آپ لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔اچانک آپ کے اوپر موت وارد ہو جائے۔۔۔۔(اللہ سب کی عمر دراز کرے) یہ کوئی ڈرنے کی بات نہیں ہے میں سمجھانے کے لئے کہہ رہا ہوں۔ میں کتنا بھی بولتا رہوں آپ کی سمجھ میں کچھ نہیں آئے گا،آپ سنیں گے۔سوال یہ ہے کہ جب آپ کے کان ہیں، دماغ ہے،آپ میری بات کیوں نہیں سن سکتے؟

اس کا ایک ہی جواب ہے کہ روح جسم میں سے نکل گئی،روح نے جسم سے رشتہ توڑ لیا ہے۔پس ثابت ہوا کہ انسان کی زندگی دو رخوں سے مرکب ہے۔اگر جسم نہ ہو تو روح کی آواز سننا ممکن نہیں ہے اور اگر روح نہ ہو تو جسم آواز نہیں سنتا۔جسمانی وجود کی اہمیت کم ہے اور نہ ہونے کے برابر ہے۔روح کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔اس لیے کہ روح کے بغیر کوئی انسان نہ سوچ سکتا

ہے، نہ سن سکتا ہے، نہ چل سکتا ہے، نہ پھر سکتا ہے، نہ کھا سکتا ہے، نہ پی سکتا ہے اور نہ حرکت کر سکتا ہے۔

سمجھ میں یہ بات آئی کہ انسان ایک وجود نہیں دو وجود ہیں ۔ایک مادی وجود (Physical Body) اور ایک روحانی وجود۔ یہ دونوں جب اکٹھے ہوتے ہیں تب انسانی وجود میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔ اگر یہ دونوں اکٹھے نہ ہوں، الگ الگ ہو جائیں تو روح کی حرکت تو رہتی ہے لیکن جسمانی وجود Dead Body بن جاتا ہے۔ اس کی حیثیت ایک مردے یا ایک لاش کی بن جاتی ہے۔میڈیکل سائنس میں علم الابدان پڑھایا جاتا ہے۔جیسے علم الابدان ہے اسی طرح علم الروح بھی ہے۔جب ہم دو وجود تسلیم کر رہے ہیں تو ہمیں دو علوم بھی تسلیم کرنا ہوں گے۔روح کا علم الگ ہے اور جسمانی وجود کا علم الگ ہے۔

دنیا میں جتنے بھی علوم رائج ہیں وہ سب کے سب جسمانی وجود کے تابع ہیں اور روحانی علوم جتنے ہیں وہ روح کے تابع ہیں۔یہ علوم ہمیں پیغمبروں کے ذریعے حاصل ہوئے ہیں۔

ماہرین نے جب تحقیق کی تو نتیجے میں نئے نئے علوم ہمارے سامنے آگئے۔علم کوئی بھی ہو اس کا فائدہ ہوتا ہے۔

تصوف ان علوم پر بحث کرتا ہے جو روح کے وجود سے متعلق ہیں۔اگر روح کے وجود سے ہم انکار کرتے ہیں تو یہ بات عقل کے خلاف ہے۔اس لیے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب تک روح ہمارے جسم سے اپنا رشتہ قائم رکھتی ہے ہم چلتے پھرتے ہیں، تمام حرکات وسکنات کرتے ہیں،ہم علم بھی سیکھتے ہیں اور جب روح مادی وجود سے رشتہ توڑ لیتی ہے تو حرکت ختم ہو جاتی ہے۔

تصوف کے بارے میں بہت سارے لوگوں کے خدشات بھی ہیں، بہت سارے لوگ تصوف کو اچھا نہیں سمجھتے۔اس کی وجہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں، یہ ہے کہ ابھی تک تصوف کی جانب صحیح توجہ نہیں دی گئی۔

تصوف کی صحیح تعریف یہ ہے کہ تصوف ایک علم ہے اور سیکھنے سکھانے کا علم ہے۔ دانشور کہتے ہیں کہ ہر آدمی روحانی نہیں ہوسکتا۔ کیوں نہیں ہوسکتا بھئی؟ روح کے بغیر تو کوئی آدمی زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔ جب روح کے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتا تو میں روح کا علم کیوں نہیں سیکھ سکتا۔ دیکھئے! آپ تھیوری پڑھتے ہیں پھر پریکٹیکل کرتے ہیں۔ اسی طرح روح کے علم کی بھی تھیوری ہے اور پریکٹیکل بھی ہے۔ روح کی تھیوری کے بارے میں روحانی اساتذہ بتاتے ہیں کہ روح امر ربّی ہے۔ امر ربّی سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ ''کُن''۔ ساری روحیں وجود میں آگئیں۔ پھر روحیں عالم دنیا میں آگئیں، اس کو عالم ناسوت بھی کہتے ہیں۔ پھر روحیں ناسوت سے آخرت میں چلی گئیں یعنی عالم اعراف میں چلی گئیں۔

امر ربّی سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک مخصوص علم ہے ''کُن'' (ہوجا) یہ بات غور طلب ہے کہ ''کُن'' یعنی ہوجا...... کیا ہوجا؟ سیدھی سی بات ہے اللہ تعالیٰ کے ذہن میں کوئی پروگرام تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے کہا ''ہوجا'' وہ ہوگیا۔ لیکن کیا ہوجا؟ اللہ کے ذہن میں ایک مکمل پروگرام تھا اللہ تعالیٰ نے جب کہا ہوجا تو انسان کے اندر سماعت پیدا ہوئی، بصارت پیدا ہوئی، سوچنے سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہوئی، جذبات پیدا ہوئے، محبت اور غضب دونوں کا اسے ادراک ہوا، بھوک کے احساسات اس کے اندر پیدا ہوئے، خواہشات پیدا ہوئیں، پانچ حواس پیدا ہوئے۔ ''کُن'' کا مطلب ہے کہ انسانی حواس اور جذبات سے متعلق مکمل علم انسان کے اندر منتقل ہوگیا۔ اس میں سننا بھی ہے، دیکھنا بھی ہے، سوچنا سمجھنا بھی ہے، پکڑنا بھی ہے، چھونا بھی ہے، رونا بھی ہے، خوش ہونا بھی ہے، نفرت اور محبت بھی ہے، طاقت کا استعمال بھی ہے اور عفو و درگزر بھی ہے۔

''ہوجا'' کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ بس ''ہوجا''...... ''ہوجا'' کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذہن میں کائنات کے بارے میں جو پروگرام تھا اس کو اللہ تعالیٰ نے وجود بخش دیا

اور جیسے ہی اللہ تعالیٰ نے ''کُن'' کہا جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہتے تھے اس کا مظاہرہ ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے انسان کو اپنی صفات پر پیدا کیا۔ صفات سے مراد اللہ تعالیٰ کا علم ہے۔ یعنی انسان کے لئے یا کائنات کی تخلیق کے لئے اللہ تعالیٰ کے علم کا مظاہرہ ہوا۔ جب ہم سورج کی طرف دیکھتے ہیں تو یہ بھی علم ہے۔ سورج کے بارے میں یہ کہہ کر ہم مطمئن نہیں ہوسکتے کہ سورج سورج ہے۔ سورج اتنا بڑا علم ہے کہ اگر کوئی انسان کئی صدیوں تک زندہ رہے تب بھی سورج کے بارے میں اس کا علم محدود رہے گا۔ ایسے ہی چاند ہے۔ چاند جب چڑھتا ہے تو پانی میں جوار بھاٹا آجاتا ہے اور سمندر اچھلنے لگتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ چاند اور سمندر کا آپس میں ایک تعلق ہے جس کی بنیاد پر سمندر میں تلاطم پیدا ہوجاتا ہے۔ اس ربط کو ہم کیسے ڈھونڈیں گے؟ یہ ایک علم ہے...... علم حاصل ہوجائے گا تو ہمیں پتہ چل جائے گا کہ چاند کیا ہے۔ یہی حال زمین، آسمان اور کائنات کا ہے۔ جتنا آپ اس علم کو پڑھ لیں گے اسی مناسبت سے کائنات کے گوشے آپ پر کھل جائیں گے۔

سائنسدانوں نے ستاروں سیاروں کے بارے میں معلومات حاصل کی ہیں۔ پہاڑوں کے بارے میں تحقیق کی ہے۔ آدمی کسی شئے کی کنہ کے بارے میں سوچتا ہے کائنات کے گوشوں کا سراغ لگاتا ہے۔ کوئی انسان آگ تلاش کرلیتا ہے اور کسی نے بجلی دریافت کی ہے۔ یہ سب دراصل لاشعور میں چھپی ہوئی صلاحیتوں کی تلاش ہے اور شعور سے لاشعور میں اتر جانا اس کے اندر سے ایجادات کے علوم کو ڈھونڈ نکالنا اللہ کی نشانیاں ہیں۔ اس لیے یہ ساری تلاش، تحقیق اور تفکر تصوف کے دائرہ کار میں آتی ہیں۔ تصوف کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک مخصوص لباس پہن لیا جائے، گیرو رنگ کی چادر اوڑھ لی جائے، گدڑی پوش بن جائیں یا دنیا بیزار ہوکر جنگل میں جاکر بیٹھ جائیں۔ اگر آپ کسی درخت کے اوپر ریسرچ کرتے ہیں کسی درخت کی جڑوں سے کوئی دوا ایجاد کرلیتے ہیں تو یہ بھی تصوف کا ایک حصہ ہے۔ تصوف ایک حکمت ہے جو اللہ تعالیٰ بندے کو

روح کی معرفت سکھاتا ہے۔ جو لوگ تصوف کے بارے میں سوچ بچار کرتے ہیں وہ کائنات
سے واقف ہو جاتے ہیں اور انہیں اللہ کے فضل و کرم سے اللہ کا عرفان حاصل ہو جاتا ہے۔

اولیاء اللہ کی تعلیمات کے بارے میں جب ہم سوچتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ یہ کتنے
بڑے عالم تھے۔ دوسو سال پہلے شاہ ولی اللہؒ دہلی میں پیدا ہوئے۔ شاہ ولی اللہؒ کی تعلیمات کا
لوگوں نے مذاق اڑایا۔ انہیں طرح طرح کی اذیتیں دی گئیں۔ ان کے دونوں ہاتھ توڑ دیئے
گئے۔ ان کے قتل کے منصوبے بنائے۔ تقریباً دوسو سال پہلے انھوں نے یہ بتا دیا تھا کہ ہر انسان
کے مادی وجود کے اوپر ایک اور انسان ہے اور وہ روشنیوں کا بنا ہوا ہے۔ انہوں نے اس کا نام
''نسمہ'' رکھا۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ نے بھی اس روشنیوں کے انسان کا تذکرہ کیا ہے۔
انہوں نے اس کا نام ''جسم مثالی'' رکھا ہے۔ شاہ ولی اللہؒ کا دوسرا گناہ یہ بتایا گیا ہے کہ انہوں نے
قرآن پاک کا فارسی میں ترجمہ کر دیا تھا۔ ان کے اوپر کفر کا فتویٰ لگایا۔ جبکہ آج ہر مدرسے اور
اسکول میں قرآن کا ترجمہ پڑھایا جا رہا ہے۔

شاہ ولی اللہؒ نے بتایا کہ ہر انسان کے اوپر ایک اور انسان ہوتا ہے۔ جبکہ آج کے
سائنٹسٹ نے اب ریسرچ کی کہ انسان کے اوپر ایک روشنیوں کا بنا ہوا انسان ہے۔ روشنیوں
کے انسان کے ری فیلکشن Re-flection کا نام انہوں نے Aura رکھا۔

ہم نے اپنے اسلاف کا جنہوں نے تصوف کو، روحانیت کو ایک علم بنا کر ہمیں سکھانا چاہا
قدر نہیں کی اور ان سے بیزاری کا اظہار کیا۔ اب بھی یہی ہو رہا ہے۔ ہوشیار لوگوں نے پیری
مریدی کو ذریعہ معاش بنا لیا ہے...... تصوف کاروبار نہیں ہے۔ تصوف ایک علم ہے۔ جس کو پڑھ کر
انسان اللہ کی کتاب قرآن کریم کی حکمت سے واقف ہو جاتا ہے اور ٹائم اینڈ اسپیس کی حقیقت
سے واقف ہو جاتا ہے۔

تصوف پڑھ کر آدمی کے اندر کی آنکھ کھل جاتی ہے۔ جس طرح انسان کی جسمانی آنکھ

ہے اسی طرح انسان کے اندر روحانی آنکھ بھی ہے۔ جب انسان مادی آنکھوں سے دیکھتا ہے تو
محدود دیکھتا ہے اور جب انسان روحانی آنکھ سے دیکھتا ہے تو لامحدود دیکھتا ہے۔

سوال:- محترم عظیمی صاحب! سوال یہ ہے کہ روح جب وجود میں آئی تو کچھ روحیں مرد بن
گئیں اور کچھ روحیں عورتیں بن گئیں۔ عورت کی روح Differently کام کرتی ہے اور مرد کی
روح Differently کام کرتی ہے۔ تو کیا عالم ارواح میں تخصیص ہو چکی تھی یا مردانہ جسم اور
زنانہ کا جسم بعد میں بنا؟

جواب:- اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے ''ہم نے ہر چیز کو جوڑے جوڑے
بنایا ہے''۔ ایک اور جگہ فرمایا ''ہم نے ہر چیز کو جوڑے جوڑے بنایا اور جوڑے دوہرے بنائے''۔
ایک مذکر ایک مؤنث۔ یہ مؤنث اور مذکر بھی جوڑے جوڑے ہیں۔

جوڑے جوڑے کا مطلب یہ ہوا کہ ہر مرد کے بھی دو وجود ہیں اور ہر عورت کے بھی دو
وجود ہیں۔ مرد کے اندر غالب رخ مرد کا ہے اور مغلوب رخ عورت کا ہے۔ عورت کے اندر
غالب رخ عورت کا ہے اور مغلوب رخ مرد کا ہے۔ جنسی کشش کا قانون یہ ہے کہ مرد عورت کی
طرف کھنچتا ہے، عورت مرد کی طرف کھنچتی ہے۔ مرد کے اندر کیونکہ ایک اور رخ عورت کا ہے جو
مغلوب ہے اور عورت کے اندر مرد کا رخ ہے جو مغلوب ہے۔ مغلوب رخ غالب رخ سے مل کر
اپنی تکمیل چاہتا ہے۔ اس کو آپ جنسی کشش کا قانون کہہ سکتے ہیں۔ تو جب اللہ تعالیٰ نے ''کُن''
کہا تو اس وقت سب پیدا ہوئے لیکن جوڑے جوڑے پیدا ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے ایک تخلیقی نظام قائم کیا ہے کہ مرد کے اندر عورت کا رخ مغلوب ہے اور
عورت کے اندر مرد کا رخ مغلوب ہے۔ اب رہ گئی صلاحیت کی بات کہ عورت کی صلاحیت الگ

اور مرد کی صلاحیت الگ الگ ہے۔ اس کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ دونوں کے کام الگ الگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

''مرد عورتوں پر قوام ہیں اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس بنا پر کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔''

اس کے برعکس عورت کی یہ ڈیوٹی ہے وہ گھر کو سنبھالے، پیدائش کے عمل سے گذرے، بچوں کی تربیت کرے۔ دونوں کی ڈیوٹی الگ ہوگئیں تو دونوں میں امتیاز ہوگیا۔ لیکن ایسی بات نہیں ہے کہ اگر کوئی عورت مردوں کا کام کرنا چاہے اور وہ نہ کرسکتی ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، ایمان والے مرد اور ایمان والیاں، فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں، سچے مرد، سچی عورتیں، صبر کرنے والے مرد، صبر کرنے والی عورتیں اور عاجزی کرنے والے مرد، عاجزی کرنے والی عورتیں، خیرات کرنے والے مرد، خیرات کرنے والی عورتیں، روزے رکھنے والے مرد، روزے رکھنے والی عورتیں، اپنی عصمتوں کی حفاظت کرنے والے مرد، اپنی عصمتوں کی حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کو بہت یاد کرنے والے مرد اور اللہ کو بہت یاد کرنے والی عورتیں ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ نے بخشش اور بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔''

سوال:۔ سر ''قوام'' کے حوالے سے قرآن کریم نے یہ وجہ بتائی ہے کہ مرد قوام اس لئے ہے کہ وہ نان نفقہ ادا کرتا ہے اگر عورت معاش کا کام کرنے لگے اور کمائی میں مرد سے سبقت لے جائے تو کیا عورت قوام بن سکتی ہے؟

جواب:۔ میری بیٹی! اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا کہ اگر کوئی عورت کمائی کرتی ہو تو اس میں مرد کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ مرد اس سے پیسے نہیں لے سکتا۔ اگر عورت بچے کو دودھ پلائے اور

اپنے شوہر سے کہے مجھے اس کے پیسے چاہئیں تو شوہر کے اوپر لازم ہے کہ بچے کو دودھ پلانے کے پیسے دے۔ نان نفقہ پورا کرے۔ آج کل Position بڑی عجیب ہے، اس میں علماء حق کو اجتہاد کرنا چاہیئے کہ میاں کی تنخواہ تین ہزار ہے اور بیگم کی تنخواہ آٹھ ہزار ہے۔ زمانے کے تغیر کے حساب سے ہمارے دانشوروں اور علماء کو مل جل کر ان مسائل کو حل کرنا چاہیئے۔ خدا کرے ایسا وقت آجائے، ہمارے مذہبی دانشور متحد ہو کر اللہ کی مخلوق اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو مایوسیوں سے باہر لے آئیں۔ مسلمان قوم کو ایک پلیٹ فارم مہیا کریں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

''اور اللہ کی رسی کو متحد ہو کر مضبوط پکڑ لو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔''

آج امت مسلمہ کی جو ابتر زندگی ہے اس کی وجہ آپس میں اتحاد نہ ہونا ہے۔ لندن میں میرے پاس ایک انگریز آیا اس نے کہا میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔ آپ مجھے کون سا مسلمان کریں گے۔ دیوبندی، بریلوی، شیعہ یا سنی۔ ظاہر ہے اس نے بات طنزیہ کہی تھی۔ لیکن میرے پاس خاموشی کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں تھا۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے لفظ کن فرمایا اور کائنات تخلیق ہوگئی یہ اللہ تعالیٰ نے کیسے فرمایا؟ کیونکہ جب ہم کوئی لفظ ادا کرتے ہیں تو اس کے لیے منہ کا ہونا ضروری ہوتا ہے، زبان ہلتی ہے، میں پوچھنا چاہ رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے لفظ ''کن'' کیسے فرمایا؟

جواب:۔ آپ کو مختلف خیالات آتے ہیں ناں! خدانخواستہ Accident کے بارے میں خیال آگیا، آپ ڈر جاتی ہیں، آپ کو پسینہ آجاتا ہے، دل کی دھڑکن تیز ہوجاتی ہے۔ بتایئے آواز کہاں سے آئی...... میں یہاں یونیورسٹی کے ہال میں بیٹھا ہوں مجھے خیال آیا کہ میں باہر نکلوں گا تو میری ٹانگ ٹوٹ جائے گی۔ خیالات کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ آدمی ڈر جاتا

ہے۔

آپ کے کان میں گونجار پیدا ہوئی، یہ کس منہ کی آواز ہے؟ آواز کا تعلق منہ سے نہیں ہے، دیکھنے کا تعلق مادی آنکھ سے نہیں ہے۔ اگر دیکھنے کا تعلق مادی آنکھ سے ہوتا تو مرنے کے بعد بھی آدمی دیکھتا۔ اگر سننے کا تعلق مادی کانوں سے ہوتا تو مرنے کے بعد بھی آدمی سنتا۔ اگر بولنے کا تعلق مادی ہونٹوں اور زبان سے ہوتا تو مرنے کے بعد بھی آدمی بولتا۔ وہ کہتا مجھے کیوں قبر میں اتار رہے ہو؟ اجاڑ جگہ میں کیوں دبا رہے ہو؟ ہمارا شعور محدود ہے۔ ہم چونکہ واقفیت نہیں رکھتے، اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ منہ ہوگا تو بولیں گے۔ ایسا نہیں ہے۔ ہوا چلتی ہے، ہوا کی بھی آواز ہوتی ہے۔ ہوا کا منہ ہوتا ہے یا نہیں ہوتا، ہمیں نہیں معلوم۔ پانی کی آواز ہوتی ہے۔ آپ کہیں گی کہ پانی ایک دوسرے سے ٹکرا رہا ہے۔ ٹھیک ہے لیکن سمندر کا منہ تو نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ مخلوق کی صفات سے ماوراء ہیں۔ لیکن وہ سنتے بھی ہیں اور دیکھتے بھی ہیں۔

سوال:- روح پاکیزہ کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب:- لیکچر میں آپ سن چکے ہیں کہ دو چیزوں کے بغیر ہمارے وجود کا قیام نہیں ہے۔ ایک روح ہے اور دوسرا جسم ہے۔ میرے خیال میں آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ روح کا علم حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے۔ روح کا علم سیکھنے کے لیے سب سے پہلے ضروری ہے کہ ہمارے اندر یہ یقین ہو کہ ہمارے جسم کی کوئی حرکت روح کے بغیر نہیں ہوتی ہے۔ روح چاہے گی تو ہمارا جسم حرکت کرے گا۔ روح نہیں چاہے گی تو ہمارا جسم حرکت نہیں کرے گا۔ جب آپ کو اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ ہماری کوئی حرکت روح کے بغیر نہیں ہے یا ہر حرکت روح کے تابع ہے تو آپ کا ذہن روح کی طرف متوجہ ہوگا کہ روح کیا ہے...... جیسے جیسے آپ کا ذہن روح کی طرف متوجہ ہو گا آپ روح سے واقف ہوتے چلے جائیں گے اور اس کا بہترین طریقہ جو اولیاء اللہ اور

انبیاء علیہم السلام نے بتایا ہے وہ مذہبی فرائض پورے کر کے مراقبہ کرنا ہے۔ مراقبہ میں جتنا انہماک ہو جائے گا اسی مناسبت سے انسان اپنی روح کا علم حاصل کر لے گا۔

سوال:- صوفی کا علم غیب سے قریب تر ہے اور صوفی تمام غیر مرئی علوم سیکھ سکتا ہے۔ کیا صوفی حضور ﷺ سے بڑھ کر عالم ہو سکتا ہے؟

جواب:- یہ سوال بالکل غلط ہے...... استغفار پڑھیں..... نعوذ باللہ! کوئی بندہ جو رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین نہیں سمجھتا اور حضور پاک ﷺ کو سب سے بڑا معلم نہیں سمجھتا وہ ہرگز صوفی نہیں ہے۔ صوفی اسے کہتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ پر، ان کی رسالت پر ایمان رکھتا ہو، مشرک نہ ہو اور حضور پاک ﷺ کے بتائے ہوئے احکامات پر صدق دل اور یقین کے ساتھ عمل کرتا ہو۔

سوال کنندہ:- کیا حضور پاک ﷺ کو علم غیب تھا؟

عظیمی صاحب:- آپ بتائیے! حضرت جبرائیلؑ غیب ہیں یا ظاہر ہیں؟

سوال کنندہ:- غیب ہیں۔

عظیمی صاحب:- حضرت جبرائیلؑ حضور ﷺ سے باتیں کرتے تھے۔

سوال کنندہ:- جی ہاں۔

سوال کنندہ:- قرآن کیا کہتا ہے اس بارے میں؟

عظیمی صاحب:- دیکھئے! واقعہ معراج کو قرآن نے بیان کیا ہے۔ سورۃ نجم میں ہے..... دو کمانوں کے برابر فاصلہ رہ گیا یا اس سے بھی کم اور ہم نے اپنے بندے سے جو دل چاہا باتیں کیں۔ دل نے جو دیکھا جھوٹ نہیں دیکھا۔

استغفر اللہ! ایسا نہیں ہے کہ حضور ﷺ نے کوئی خواب دیکھ لیا ہو یا خیال آ گیا ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں.......

ہم نے (پیغمبر ﷺ) تمہیں عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اگر حضور پاک ﷺ کو عالمین کا علم نہیں ہوگا تو رحمت کیسے ہوں گے؟ یعنی رسول اللہ ﷺ
تمام عالمین کے لیے رحمت ہیں۔ اس بات سے پتا چلتا ہے کہ ہماری دنیا کی طرح کروڑوں
اربوں دنیائیں ہیں۔ جس طرح حضور ﷺ اِس دنیا کے آخری پیغمبر ہیں، اسی طرح تمام عالمین
کے لیے آخری پیغمبر ہیں۔

سوال کنندہ:- کیا حضور پاک ﷺ عالم الغیب ہیں؟

عظیمی صاحب:- میرے دوست! یہ آپ کس قسم کے سوال کررہے ہیں؟ بہرحال میں عرض
کرتا ہوں۔ عالم الغیب تو اللہ ہے لیکن اللہ نے جس کو جو علم دے دیا وہ اس علم کا عالم الغیب ہے۔
حضرت آدم علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ نے علم سکھایا تو وہاں فرشتے بھی تھے، انہوں نے کہا کہ
.....یہ تو خون خرابہ کرے گا، فساد برپا کردے گا۔

اللہ نے فرشتوں سے کہا کہ ہم جو جانتے ہیں وہ تم نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ نے
آدم علیہ السلام سے کہا کہ جو میں نے تجھے علم سکھایا ہے، وہ فرشتوں کے سامنے بیان کر۔
آدم علیہ السلام نے وہ علم بیان کردیا۔ جب آدم علیہ السلام نے علم بیان کردیا تو فرشتوں نے کہا
کہ ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا آپ نے ہمیں سکھادیا ہے۔

میرے عزیز! آپ غیب سے یہ مراد کیوں لیتے ہیں کہ غیب کا علم سیکھنے کے بعد کوئی
انسان نعوذ باللہ! اللہ تعالیٰ بن جائے گا۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے غیب کے علوم سکھا سکتا ہے، جو
علوم نوع انسانی کے لئے غیب ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے حضرت محمد ﷺ کے لئے غیب
اس لئے نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو وہ علوم سکھادیئے ہیں۔

یہ تو ہوگئی حضور پاک ﷺ کی بات، اب حضرت مریمؑ کے بارے میں غور فرمائیے،
فرشتہ آیا، اس نے کہا، ''اللہ کہتا ہے، تمہارے بیٹا ہوگا اور وہ ہمارا برگزیدہ بندہ ہوگا''۔ انھوں نے
کہا، ''یہ کیسے ہوسکتا ہے''؟ فرشتے نے کہا اللہ جو چاہتا ہے وہ ہوجاتا ہے۔

کیوں بھائی بتائیے! حضرت مریمؑ نے فرشتہ دیکھا یا نہیں دیکھا..... فرشتے کی بات
سنی، حضرت مریمؑ نے کہا میں تو کنواری ہوں یہ تم کیسی انہونی بات کررہے ہو، مجھے تو کسی نے ہاتھ
ہی نہیں لگایا۔ فرشتے نے کہا جو اللہ چاہتا ہے وہ ہوتا ہے۔ اللہ نے پیغام دیا ہے کہ تیرے بچہ
ہوگا..... کیسے ہوگا؟ اب یہ اس کی قدرت ہے۔ حضرت مریمؑ نے فرشتے کو دیکھا اور اس سے
باتیں کیں۔ فرشتے نے انہیں اطمینان دلایا۔

سوال کنندہ:- فرشتے کی آواز بھی تو آسکتی ہے۔

عظیمی صاحب:- نہیں نہیں! آپ قرآن پڑھیں، فرشتہ کا سراپا حضرت مریمؑ کے سامنے آ
گیا تھا۔

عزیز دوست! آپ کا شکریہ لیکن میں آپ کا بزرگ اور آپ کا استاد ہونے کے رشتے سے کہتا
ہوں جہاں اللہ کے محبوب ﷺ۔ اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور کتابوں کا تذکرہ ہورہا ہو، وہاں
بے ادبی اور گستاخی کبھی بھی نہ کرنا۔ قلندر بابا اولیاءؒ نے مجھے پہلا سبق یہ دیا تھا۔

باادب، بانصیب .... بے ادب، بے نصیب



بسم اللہ الرحمن الرحیم

کل کے لیکچر میں یہ بات سمجھنے کی کوشش کی گئی تھی کہ تصوف کیا ہے اور اس بات پر مختلف مثالوں اور دلیلوں سے بتایا گیا تھا کہ تصوف ایک علم ہے۔ جس طرح دنیا میں اور بہت سارے علوم ہیں۔ اس میں انجینیئرنگ ہے، میڈیسن ہے، فزکس ہے وغیرہ وغیرہ۔ ان علوم کو پڑھ کر ایک حد تک آدمی شعوری طور پر بالغ ہوتا ہے اور انہی علوم کی بنیاد پر اپنی معیشت اور معاشرت کو درست کرتا ہے۔

اگر یونیورسٹی کی تعلیمات کے نتیجے میں ملازمت کا حصول ممکن نہ ہو یا آدمی یونیورسٹی سے فارغ ہوکر کاروبار کرنے کے قابل نہ ہو تو یونیورسٹی میں کوئی بندہ پڑھنے نہیں آئے گا اور جتنے لوگ پڑھنے آئیں گے ان کی تعداد اتنی کم ہوگی کہ پھر ہم یونیورسٹی کو یونیورسٹی نہیں کہیں گے۔ ہم یہاں جو دنیاوی علوم پڑھ رہے ہیں اس کے پیچھے..... (بات تلخ ہے، بری لگتی ہے) ہماری دنیاوی آسائشیں زیادہ ہے اور خالصتاً علم کا حصول کم ہے۔

ہم دنیا کے علوم سیکھتے ہیں تو ہماری یہ کوشش ہوتی ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ پڑھیں اور سیکھیں۔ ان کو پڑھنے کے بعد ہمیں اچھی ملازمت ملے اور کاروبار کے مواقع فراہم ہوں۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ

پچھلے سالوں میں کمپیوٹر نظام آیا۔ اس نظام میں سب سے بڑی کشش یہ تھی کہ لوگوں کو ملازمت کے مواقع فراہم ہو رہے تھے تو لوگ کمپیوٹر سیکھنے میں لگ گئے۔ اس سے پہلے انجینیئرنگ میں Scope تھا تو ہر بچہ انجینیئر ہی بننا چاہ رہا تھا۔ ڈاکٹری، M.B.B.S میں اسکوپ زیادہ نظر آیا تو لوگ ڈاکٹری سیکھنے میں لگ گئے۔

ہم دنیاوی علوم اس لئے سیکھتے ہیں کہ دنیاوی آسائش و آرام کی اہمیت زیادہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب دنیاوی علوم پڑھ کر ہم دنیاوی آسائش حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہم سوچتے ہیں کہ تصوف پڑھنے کے بعد ہمیں کیا حاصل ہوگا، ہمیں کیا دنیاوی آسائش حاصل ہوں گی؟ تصوف کی ڈگری اگر ہمیں مل بھی گئی تو ہم کون سا اچھا کاروبار کرلیں گے یا تصوف پڑھنے کے بعد ہمیں کہاں ملازمت مل جائے گی؟...... بات ٹھیک ہے، ہمیں کہیں ملازمت نہیں ملے گی۔ لیکن تصوف پڑھنے کے بعد اگر ان لوگوں کا تجزیہ کیا جائے جو روحانی انسان گزر چکے ہیں یا موجود ہیں تو یہ بات بہت روشن نظر آتی ہے کہ اس علم کو سیکھنے والے لوگوں کے اندر سکون ہوتا ہے۔ اس علم کو سیکھنے والے بندوں کے اندر ڈر اور خوف نہیں ہوتا۔ اس علم کے ماہر جتنے بھی ہوئے ہیں ان کی عمریں زیادہ ہوتی ہیں۔ ان کی گفتگو میں شیرینی ہوتی ہے۔ بڑے بڑے بادشاہ ان کے سامنے جھکتے ہیں۔ ان کی خانقاہوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق کی ریل پیل ہوتی ہے۔ ہزاروں انسان ان کے دسترخوان سے کھانا کھاتے ہیں۔

لوگ ترستے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی آئے اور ہم سے کوئی بات کرے۔ یورپ میں یہ بہت زیادہ ہے۔ وہاں تو باقاعدہ ملازمتیں ملتی ہیں کہ جو بے کار لوگ ہیں ان کے پاس جا کر وقت گزاری کرو ان کا دل بہلاؤ۔ لیکن جب کسی روحانی بندے کے بارے میں آپ سوچتے ہیں یا دیکھتے ہیں تو مخلوق کا اتنا رجوع ہوتا ہے کہ وہ تنگ آجاتا ہے۔ اس کے اندر آسودگی ہوتی ہے۔ مثلاً ایک کروڑ پتی آدمی کے ہاں لنگر کا کوئی تصور نہیں ہے۔ ایک روحانی آدمی کے ہاں لنگر کا تصور یہ ہے کہ وہ روحانی آدمی سمجھا ہی نہیں جاتا جس کے ہاں لنگر نہ ہو۔ لاہور میں دو مثالیں آپ کے سامنے ہیں۔ جہانگیر کا مقبرہ بھی ہے اور داتا صاحب کا مزار بھی ہے۔ جہانگیر کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ ہندوستان کا بادشاہ تھا۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کے دربار کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ ان کے لنگر سے روزانہ ہزاروں آدمی کھانا کھاتے ہیں۔ جس کا دل چاہے لاہور

جا کر دیکھ سکتا ہے۔

روحانی انسان دنیاوی اعتبار سے آسودہ حال ہوتا ہے اور اس کو قلبی سکون نصیب ہوتا ہے۔ اتنا سکون ہوتا ہے کہ اس کے پاس بیٹھنے والے لوگوں کو بھی سکون ملتا ہے۔ روحانی آدمی اپنی زندگی کے مقصد کو حاصل کر لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں کیوں پیدا کیا ہے؟ ایک کروڑ پتی آدمی کی زندگی کا مقصد اس کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا کہ زیادہ سے زیادہ پیسہ کما لیا جائے۔ زیادہ پیسہ کمانے اور دولت جمع کرنے میں اسے جو مسائل پیش آتے ہیں، اس سے عام آدمی واقف ہی نہیں ہے۔ مجھے مالدار لوگوں کو دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ ان کی زندگی میں چین، سکون اور راحت کا کوئی تصور نہیں ہے۔ بظاہر نظر آتا ہے کہ ان کے پاس بڑی بڑی گاڑیاں ہیں، کوٹھیاں ہیں، ملیں ہیں، فیکٹریاں ہیں۔ لیکن یہ لوگ اندر سے کھوکھلے ہوتے ہیں جیسے کسی درخت کو دیمک لگ جاتی ہے۔ بنگلہ، کار، کاروبار، بینک بیلنس ان کے پاس ہوتے ہیں۔ رات کو ڈرتے ہیں اور دن کو بے آرام رہتے ہیں۔ گولیاں کھا کر کھانا کھاتے ہیں گولیاں کھا کر کھانا ہضم کرتے ہیں اور گولیاں کھا کر سوتے ہیں اور بیدار ہو کر کاہلی دور کرنے کے لیے گولیاں کھاتے ہیں۔

علم روحانیت سے انسان کے اندر ایسی صلاحیتیں بیدار اور متحرک ہو جاتی ہیں جن صلاحیتوں کو استعمال کر کے انسان بہترین زندگی گذارتا ہے۔ آخرت کی زندگی کے بارے میں بھی اس کے تصورات واضح اور روشن ہوتے ہیں۔ یہاں خوش رہتا ہے، آخرت میں بھی خوش رہتا ہے۔ جبکہ دنیا کی زندگی میں آدمی جتنا اپنے آپ کو مصروف کر لیتا ہے، اسی مناسبت سے اس کے اندر سے خوشی کم ہو جاتی ہے۔ یہ ایسی بات ہے جو تجربہ سے آدمی سیکھتا ہے یا مایا جال میں پھنس کر اسے دیکھتا ہے۔

ہر انسان کو یہاں سے جانا ہے۔ پیدا ہونے کے بعد یہاں سے جانے تک کی زندگی کا اگر تجزیہ کیا جائے تو مشکل سے 80 سال میں 10 فیصد وقت ایسا گذرتا ہوگا جس کو وہ صحیح معنوں

میں خوشی کا نام دے سکے۔ باقی ساری زندگی مسائل میں گذر جاتی ہے۔ ملازم پیشہ آدمی کتنا ہی بڑا ملازم ہو وہ اس پریشانی میں ہے کہ Boss ناراض ہو گیا تو نوکری کا کیا بنے گا۔ کاروباری آدمی نفع نقصان کے چکر میں مبتلا رہتا ہے۔ حفاظت کے لئے گارڈ رکھتا ہے۔ گارڈ سے بھی ڈرتا ہے کہ کہیں اس کی نیت خراب نہ ہو جائے۔

جس طرح ہم دنیاوی علوم سیکھنے کے بعد ملازمت اور کاروبار کے حصول میں آسانی محسوس کرتے ہیں اور اس کاروبار کو اچھی طرح کر لیتے ہیں، اسی طرح تصوف سیکھنے کے بعد انسان اس دنیا اور آخرت کی زندگی کا راز پا لیتا ہے۔ اسے اس بات کا علم ہو جاتا ہے کہ میں اچھی دنیا سے اس بری دنیا میں کیوں آیا؟ عالم ارواح کی زندگی اس دنیا سے اچھی ہے اور اس بری زندگی کو گذارنے کے بعد میں جس دنیا میں جاؤں گا وہاں میرے پاس آسائش و آرام کے لئے کیا سامان ہے؟

یہ بات بھی سمجھ میں آجاتی ہے کہ دنیا میں کتنے بھی دن آدمی زندہ رہے، اس کی ایک حد ہے۔ 60 سال، 70 سال، 80 سال۔ لیکن مرنے کے بعد کی زندگی کی کوئی حد متعین نہیں کہ آدمی وہاں 100 سال رہے گا یا 200 سال رہے گا۔ ہابیل قابیل کا واقعہ ہم سب کو معلوم ہے۔ کروڑوں سال ہو گئے ہیں، ایک بھائی جزا کے مزے لوٹ رہا ہے۔ ایک بھائی سزا بھگت رہا ہے۔ ہمیں یہ بھی سوچنا ہے..... آسمانی صحائف، آسمانی کتابیں، قرآن کریم کی تعلیمات کی روشنی میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ یہ دنیا عارضی جگہ ہے۔ بہرحال یہاں سے جانا ہے۔ ہر چیز فانی ہے اور فنائیت سے گذر کر ایک ایسی دنیا میں جانا ہے جہاں ماہ و سال کا کوئی حساب ہمیں معلوم نہیں۔

روحانیت سیکھنے کے بعد انسان اچھی زندگی گذارتا ہے اس کے اندر قناعت آجاتی ہے توکل پیدا ہو جاتا ہے۔ اس بات کا یقین کامل ہو جاتا ہے کہ رازق اللہ ہے۔ جو کچھ اللہ دیتا ہے

بندہ وہی خرچ کرتا ہے۔ اس کو بتایا جاتا ہے کہ جب تم پیدا ہوئے غذا کے حصول کے لئے، زندگی گذارنے کے سامان کے لیے، تم نے کچھ بھی نہیں کیا تھا۔ تم پیدا ہوئے تو پہلے سے تمہارے لیے کپڑے موجود تھے۔ پہلے سے تمہارے لیے اللہ تعالیٰ نے ماں کے سینے کو دودھ سے بھر دیا تھا۔ ماں باپ کے دلوں میں تمہارے لیے شفقت ڈال دی تھی۔ تم بیس 20 سال تک بغیر محنت مزدوری کیئے اچھے سے اچھا کھانا کھاتے رہے، اچھے سے اچھا لباس پہنتے رہے۔ اللہ نے ماں کے دل میں مامتا اور باپ کے دل میں شفقت ڈال دی۔

یہاں جتنے اسٹوڈنٹ ہیں انھیں معاش کی کوئی فکر نہیں ہے جو کچھ کر رہے ہیں، سب ماں باپ کر رہے ہیں۔ جب کوئی آدمی تصوف کو سیکھتا ہے اور سیڑھی بہ سیڑھی آگے بڑھتا ہے تو اس کے اوپر یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ رزق دینے والا اللہ ہے اور رزق کا سارا پروگرام انسان کی پیدائش سے پہلے بن چکا ہے۔ کوئی نہیں جانتا اسے بڑے ہو کر کیا کرنا ہے؟ اب سے 76 سال پہلے، میرے بارے میں کس کو پتا تھا کہ میں بہاء الدین زکریا یونیورسٹی میں لیکچر Deliver کروں گا۔ اس وقت تو پاکستان بھی نہیں بنا تھا۔ ہندوستان میں پیدا ہوا۔ قدرت کی طرف سے میری پیدائش سے پہلے ہی سارا پروگرام مرتب ہو چکا تھا۔ آپ نے اپنے بزرگوں سے سنا ہوگا کہ ہر چیز جو یہاں ہو رہی ہے، پہلے ہو چکی ہے، سب لوح محفوظ پر موجود ہے۔ جب لوح محفوظ پر موجود ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میرا ایک جھپکنا، انگلی ہلانا بھی.....لوح محفوظ [illegible]کارڈ ہے۔ جو کچھ یہاں ہو رہا ہے اور جو کچھ ہم کر رہے ہیں، جو کچھ ہمیں نظر آ رہا ہے، وہ ایک فلم کی طرح ہے۔

میرے دوستو!

یہ دنیا ایک اسکرین ہے اور اس اسکرین پر وہی فلم Display ہو رہی ہے جو لوح محفوظ پر پہلے سے بنی ہوئی ہے۔ اب رہ گئی یہ بات کہ انسان کا اختیار کیا ہے۔ یہ الگ ایک موضوع ہے۔

میں بتانا یہ چاہ رہا تھا کہ جب ہم روحانیت پڑھتے ہیں تو ہمارے اوپر زندگی کے بارے میں، زمین کے جغرافیے کے بارے میں، آسمانوں کے بارے میں، عرش کے بارے میں، جنات کے بارے میں، فرشتوں کے بارے میں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے، وہ ہمارے سامنے ایک روشن کتاب ہے۔ ہم یہ بات تو جانتے ہیں کہ فرشتہ ہے اور اس بات کا ہمیں یقین بھی ہے۔ لیکن ہم یہ نہیں جانتے کہ فرشتہ کیسا ہوتا ہے؟ ہم یہ بات جانتے ہیں کہ سات آسمان ہیں لیکن ہم یہ نہیں جانتے کہ سات آسمانوں کا کیا مطلب ہے؟ کیا سماوات کوئی سات چھتیں ہیں، سات منزلیں ہیں، سات بلڈنگیں ہیں، سات زون ہیں، اس کے بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے۔ لیکن جب روحانیت آپ پڑھیں گے آپ کے اوپر آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ کے رموز کھلتے چلے جائیں گے اور یہ بات واضح ہو جائے گی کہ فرشتہ کیا ہوتا ہے؟ جنات کی مخلوق کیسی ہوتی ہے؟ تقدیر کیا ہے؟ تدبیر کیا ہے؟ عقل کیا ہے؟ فہم کیا ہے؟ بصارت اور بصیرت کسے کہتے ہیں؟ تزکیۂ نفس کیا ہے اور دیدار الٰہی سے ہم کس طرح لطف اندوز ہوتے ہیں؟

دنیاوی علوم پڑھنے کے بعد اس کا تھوڑا سا اندازہ تو ہو جاتا ہے لیکن پوری طرح اس کا ادراک نہیں ہوتا۔ مثلاً آپ پوچھیں کہ عقل کیا چیز ہے؟ میرا خیال ہے کوئی بھی آدمی عقل کی تشریح نہیں کر سکتا۔ عقل کوئی چڑیا ہے، عقل اکسیر کی پڑیا ہے، عقل میں کوئی وزن ہے، کیا چیز ہے عقل؟ لیکن ایک روحانی آدمی عقل کی تشریح کر دیتا ہے۔ اگر اس کے اوپر اللہ کا انعام ہو اور اس نے کچھ سیکھ لیا ہو۔

بتایا جاتا ہے کہ عقل ایک اضافی حس ہے۔ اضافی حس کے کیا معنی ہیں۔ حسیات اضافی نہیں ہوتیں۔ پانچ حسوں یا پانچ حواس کو ہم کسی بھی طرح اضافی نہیں کہہ سکتے۔ شہد کی مکھی، چڑیا، چیونٹی سے لے کر ہاتھی تک ہر فرد میں عقل موجود ہے اور اس عقل کا اظہار بھی ہوتا رہتا ہے۔ عقل میں کمی بیشی کو اور جسم کے بغیر عقل کی موجودگی کو ہم اضافی نہیں کہہ سکتے۔ ایک

ہاتھی کے پیر کے نیچے ایک لاکھ چیونٹیاں آجاتی ہیں لیکن جس طرح ہاتھی میں عقل ہے اس طرح ایک لاکھ چیونٹیوں میں عقل ہے۔ اگر عقل کا تعلق دماغ سے ہے تو ہر متحرک شئے میں دماغ ہے۔ بہت بڑا دماغ، چھوٹا دماغ اور بہت چھوٹا دماغ۔

تصوف پڑھا ہوا آدمی دنیا کو بہترین طریقہ پر برتتا ہے اور دنیا میں رہتے ہوئے اسے پرسکون زندگی نصیب ہو جاتی ہے۔ اگر انسان کے پاس کروڑوں روپیہ ہے اور اسے سکون نہیں ہے تو ان کروڑوں روپوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اگر انسان کے پاس کم سرمایہ ہے اور اسکی ساری ضرورتیں پوری ہو جاتی ہیں اور اسے سکون ہے تو وہ کروڑ پتی انسان سے بہتر ہے۔ جب انسان کو سکون نہیں ملتا، تو اس کی نیند بھی اڑ جاتی ہے۔ اس کا معدہ خراب ہو جاتا ہے، اعصابی نظام خراب ہو جاتا ہے۔ بیمار ہو جاتا ہے، نفسیاتی مریض بن جاتا ہے۔ ایک پرسکون آدمی اس آدمی سے بہت زیادہ اچھا ہے جو بے سکون ہے۔

آج کی دنیا میں سب سے بڑا مسئلہ، سب سے بڑی پریشانی بنی نوع انسانی کے لیے یہ ہے کہ آسائش و آرام کے وسائل کے باوجود سکون نہیں ہے۔ جس آدمی سے بات کی جائے وہ کہتا ہے مجھے سکون نہیں ہے، پریشانی ہے، نیند نہیں آتی۔ السر ہو گیا ہے، گردے فیل ہو گئے ہیں، کینسر چمٹ گیا ہے، دل کا عارضہ لاحق ہو گیا ہے۔

رونا رویا جاتا ہے کہ والدین اور بچوں کے درمیان Generation Gap آ گیا ہے۔ ایک عجیب افراتفری اور پریشانی ہے۔ اچھا لباس ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کھانے کے لئے اچھی غذا ہے، اچھا گھر ہے، دوست ہیں، احباب ہیں، دنیا کی ساری نعمتیں ہمیں میسر ہیں۔ پھر بے سکون ہونے کا کیا مطلب ہے؟

بے سکون ہونے کی وجوہات روحانی مکتبہ فکر سے معلوم ہوتی ہیں کہ انسان کی زندگی میں یقین ہے تو وہ پرسکون ہے اور اگر انسان کی زندگی میں شک ہے تو وہ کتنا ہی بڑا عالم فاضل، علامہ، کروڑ پتی، جاگیردار، Land Lord بن جائے اسے سکون نہیں ملے گا۔ یقین سے مراد یہ ہے کہ ذہن میں یہ بات راسخ ہو جائے کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں وہ صحیح کر رہا ہوں۔ اگر انسان کے اندر یقین نہیں ہوگا تو وہ غیب کی دنیا کو نہیں سمجھ سکتا۔ اللہ تعالیٰ سورہ بقرہ میں فرماتے ہیں ”یہ کتاب ایسی کتاب ہے کہ جس میں شک نہیں ہے“۔

انسان کے اندر اگر شک ہوگا تو وہ قرآن سے استفادہ نہیں کر سکتا۔ اللہ کی کتاب سے جب کوئی بندہ استفادہ نہیں کر سکتا تو وہ اللہ تک کیسے پہنچے گا؟ مخلوق کا خالق سے رشتہ کس طرح استوار ہوگا؟

روحانی علوم انسان کو اس پلیٹ فارم پر کھڑا کر دیتے ہیں جہاں یقین ہے، خوشی ہے، راحت و آرام ہے، پیار و محبت ہے، نفرت و حسد نہیں ہے، خود غرضی نہیں ہے، چھوٹوں پر شفقت ہے، والدین کا احترام ہے، لوگوں سے والہانہ تعلق خاطر ہے۔ یہ بڑی اہم بات ہے اور آپ سب لوگوں کو یاد رکھنی چاہیئے کہ قرآن پاک کی رو سے جنت میں صرف اور صرف وہ بندہ جائیگا جو خوش رہتا ہے۔ جو بندہ اللہ پر یقین رکھتا ہے۔ اللہ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احکامات پر عمل کرتا ہے۔ اگر بندہ ناخوش ہے قرآنی تعلیمات کے مطابق عمل نہیں کرتا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ”اللہ کے دوستوں کو خوف اور غم نہیں ہوتا“ ظاہر ہے جنت کے مستحق وہی لوگ ہیں جو اللہ کے دوست ہیں۔

ظاھر اور باطنی زندگی

اعوذ با اللہ من الشیطٰن الرجیم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جوتمام کائنات کا رب ہے۔نہایت مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔روز جزا کا مالک ہے۔ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ ہمیں سیدھا راستہ دکھا ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا۔ جو معتوب نہیں ہوئے، جو بھٹکے ہوئے نہیں ہیں۔ (آمین)

معزز مہمانان گرامی، اساتذہ کرام، طالبات اور طلبہ! السلام علیکم۔

ڈاکٹر سعید صاحب نے فرمایا ہے کہ میں تصوف کے موضوع پر لیکچر Deliver کروں۔ جہاں تک لفظ ''تصوف'' کا تعلق ہے، اس سے ہر پڑھا لکھا آدمی واقف ہے۔تصوف ایک علم ہے۔اس علم کی تشریحات زمانے کے حساب سے لوگوں نے جسطرح کیں وہ بڑی عجیب ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ تصوف ایسا علم ہے جس کے ذریعے جن بھوت وغیرہ اتار دیئے جاتے ہیں، جادو ٹونہ بھی کیا جاتا ہے، اس علم سے جادو، سفلی، کالے علم کی کاٹ بھی کی جاتی ہے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ تصوف دنیا بیزاری کا نام ہے۔ جب انسان کو کوئی کام نہ ہو اور اس کے اندر حالات سے مقابلہ کرنے کی سکت نہ ہو تو ایک طرف کونے میں بیٹھ کر یاد الٰہی میں مشغول ہو جاتا ہے یا جنگل میں جھونپڑی ڈال لیتا ہے، روکھی سوکھی کھا کر گزارا کرتا ہے اور کاہل الوجود بن جاتا ہے۔یعنی وہ راہب بن جاتا ہے۔

یوگا تصوف، عیسائی تصوف، یہودی تصوف، ہندو تصوف۔ اتنی زیادہ اس کی

Branches کھول دی گئیں ہیں کہ تصوف کا لفظ معمہ بن گیا ہے۔اگر ہم کیمسٹری پڑھیں تو کیمسٹری کے بارے میں ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہندو کیمسٹری ہے، یہودی کیمسٹری یا عیسائی کیمسٹری ہے۔اسی طرح ڈاکٹری ہندو نہیں ہوتی، ڈاکٹری یہودی یا عیسائی نہیں ہوتی ہے۔

میڈیکل سائنس جو بھی پڑھے گا ڈاکٹر بن جائے گا۔انجینیرنگ کے علوم پڑھ کر آدمی انجینیر بن جاتا ہے۔کوئی سائنس پڑھے گا تو سائنٹسٹ بن جائے گا۔اس طرح کوئی صاحب ایمان آدمی تصوف پڑھتا ہے تو صوفی بن جاتا ہے۔

عزیز دوستو!

تصوف ایک علم ہے اور اس کے بہت سارے شعبے ہیں ان شعبوں کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔تصوف کا مطلب ہے ''تزکیۂ نفس''۔تزکیۂ نفس سے مراد ہے اپنے نفس کی اصلاح اس طرح کی جائے کہ معاشرہ اس کو اچھی نظر سے دیکھے، ادب کی نظر سے دیکھے اور شریعت کے مطابق آدمی عزت وتوقیر کے ساتھ زندگی گزارے۔

تصوف ایسا علم ہے جس کو سیکھنے کے بعد انسان اپنی باطنی زندگی سے واقف ہو جاتا ہے۔ ہر انسان کی زندگی دو رخوں پر چل رہی ہے۔آپ بیداری کی حالت میں باشعور ہیں، چل پھر رہے ہیں، کھا رہے ہیں، علم سیکھ رہے ہیں۔ جتنی شعوری استعداد ہے اس کے مطابق آپ علم سیکھ رہے ہیں۔زندگی کا دوسرا رخ یہ ہے کہ بیداری کی زندگی کلیتاً خود مختار زندگی نہیں ہے۔زندگی روح کے تابع ہے۔ جب تک گوشت پوست کے جسم کو روح سنبھالے رہتی ہے۔گوشت پوست کا جسم چلتا پھرتا رہتا ہے اور جب روح اس جسم سے رشتہ توڑ لیتی ہے تو گوشت پوست کا جسم بے کار اور مردہ ہو جاتا ہے۔

یہ ایسی بات نہیں ہے کہ بہت زیادہ سوچنا پڑے۔ ہر انسان جیتا اور ہر انسان مرتا ہے۔ جو بھی انسان پیدا ہوا ہے اسے اس دنیا سے واپس جانا ہے۔یہ ایسا عمل ہے جس سے کوئی آدمی کسی

بھی صورت انحراف نہیں کرسکتا۔

جب ہم اپنے جسم کا محاسبہ کرتے ہیں یعنی یہ سوچتے ہیں کہ جسم کیا چیز ہے؟ تو زندگی کے دو ہی رخ سامنے آتے ہیں۔ ہم کھاتے پیتے ہیں۔ لیکن مرا ہوا آدمی کھاتا پیتا نہیں ہے۔ اگر ایک آدمی بیمار ہے اور وہ بیماری کی حالت میں مرگیا ہے تو اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ مرے ہوئے آدمی کا آپریشن نہیں ہوتا۔ اگر روح آپ کے جسم سے رشتہ توڑ لیتی ہے تو جسم میں کسی قسم کی حرکت نہیں ہوتی۔

میں بتانا یہ چاہتا ہوں کہ انسان کی زندگی ایک نہیں ہے۔ انسان دو زندگیوں میں جیتا مرتا ہے۔ ہم ظاہری علوم سیکھتے ہیں۔ ظاہری علوم بھی ہم تب سیکھتے ہیں جب ہم زندہ ہوں یعنی ہمارے اندر روح ہو۔ ہمارے اندر روح ہے تو عقل ہے، شعور ہے، اگر ہمارے جسم میں روح نہیں ہے تو ہم علم بھی حاصل نہیں کرسکتے۔

.....میں کوشش کررہا ہوں کہ آسان سے آسان طریقے سے بیان کروں۔ آپ مطمئن رہیں۔ انشاءاللہ بات سمجھ میں آجائے گی۔

.....انسان چل پھر رہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے اندر روح ہے۔ اگر انسان کے اندر روح نہیں ہوگی تو انسان چل پھر نہیں سکتا۔ روح کا رشتہ ٹوٹ جانے سے تمام صلاحیتیں ازخود ختم ہوجاتی ہیں۔

بات مشکل نہیں ہے، جب بھی کوئی نیا علم انسان سیکھتا ہے تو اس کے شعور پر الگ سے وزن پڑتا ہے اور سمجھ میں نہیں آتا تو آدمی کہتا ہے یہ کیا بات ہوئی۔ لیکن اگر اس کو بار بار دھرایا جائے اور سمجھنے کی کوشش کی جائے تو سمجھنا بہت آسان ہوجاتا ہے۔

آپ کے گھر میں ایک مرغی ہے۔ اس مرغی کو بلی نے پکڑلیا اور مرغی مرگئی۔ میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کیا وہ مرغی دانہ چگ سکتی ہے؟ کیا وہ مرغی پانی پی سکتی ہے؟ کیا وہ مرغی اپنے

بچوں کو بلا سکتی ہے۔؟

مرغی اس لیے بے حرکت ہے کہ اس کے اندر روح نہیں ہے۔ گھر میں کبوتر ہے، غٹرغوں بولتا ہے۔ دانہ چگتا ہے۔ وہ کسی وجہ سے مرگیا۔ کبوتر کی جسمانی حیثیت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ اس کی چونچ بھی ہے۔ اس کے دو پر بھی ہیں۔ اس کے دو پیر بھی ہیں۔ لیکن کبوتر کے اندر روح نہیں ہے لہٰذا وہ اُڑ نہیں سکتا۔

یہی صورت انسان کی ہے۔ انسان کے اندر روح ہے تو سب کچھ ہے اور روح نہیں ہے تو انسان کچھ نہیں ہے۔

.....علوم کی تعلیم اور تفہیم کب ممکن ہے؟

.....غور کیجئے اور بتائیے؟.....

جواب:۔ جب روح موجود ہو۔

ماشاءاللہ! آپ کا جواب سن کر میرا دل خوش ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے علم میں اضافہ کرے۔ یہاں اگر آٹھ دس Dead bodies پڑی ہوں اور میں لیکچر دینے لگوں تو دنیا میں مجھ سے زیادہ بے وقوف کوئی نہیں ہے۔

میں نے آپ سے سوال کیا تو آپ نے جواب دیا۔ اگر میں کسی Dead body سے سوال کرتا تو یہ بیوقوفی اور جہالت ہوتی۔

عزیز دوستو! انسان کا چلنا پھرنا، کھانا پینا، سونا جاگنا، محسوس کرنا، کب ممکن ہے؟ جب انسان کے اندر روح ہو۔

آپ بتائیں کہ شادی میں خوشی ہوتی ہے؟ ڈھولک بجتی ہے؟ گانے گائے جاتے ہیں؟

جواب:۔ جی ہاں۔

اب ماشاءاللہ بچیوں کو بہت گانے یاد ہوں گے۔ لیکن ہم نے یہ کبھی نہیں دیکھا کہ کسی

مردہ مرد نے مردہ عورت سے شادی کی ہو۔

ایک چھوٹا سا بچہ ہے۔ اگر اس بچے میں روح نہ ہوتی تو کوئی ماں اسے دودھ نہ پلاتی۔ گھر والے اسے قبرستان بھیج دیتے ہیں۔ ماں کس لئے دودھ نہیں پلاتی؟ اس لیے کہ اس میں روح نہیں ہے۔ بچہ میں دودھ Suck کرنے کی صلاحیت نہیں رہی۔

دیکھئے! یہ میرا جسم ہے۔ میرے جسم کو روح نے لباس بنایا ہوا ہے۔ پنڈلی میں بھی روح ہے۔ ناک میں بھی روح ہے۔ پیٹ میں بھی روح ہے۔ کان میں بھی روح ہے۔ دماغ میں بھی روح ہے۔ روح کے بغیر جسم کی کوئی پوزیشن اس لیے نہیں ہے کہ ہمارا مادی جسم روح کا لباس ہے۔ جب تک روح اس جسم کو کوٹ پتلون کی طرح پہنے رہے گی، اس کے اندر حرکت رہے گی ورنہ حرکت ختم ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انسان میری بہترین صناعی ہے۔ بہترین صنعت کاری ہے اور بہترین تخلیق ہے۔ بہترین تقویم ہے لیکن وہ اسفل السافلین میں پڑا ہوا ہے۔ اسفل السافلین سے مراد یہ ہے کہ وہ گہرے گڑھے میں پڑا ہے۔

انسان اللہ کی بہترین صنعت ہے۔ بہترین تصویر ہے لیکن یہ بہترین تصویر اس وقت ہے جب انسان اس بات سے واقف ہو کہ انسان کا مادی جسم روح کے تابع ہے۔ اگر انسان اس بات سے واقف نہ ہو کہ مادی جسم روح کے تابع ہے تب وہ اسفل السافلین میں ہے۔

انسان کے لیے دو علوم سیکھنا ضروری ہیں۔ ایک علم یہ ہے کہ انسانی جسم روح کا لباس ہے۔ لباس بھی سمجھنے کی بات ہے۔ مثلاً اب Medical Science آپ کو بتاتی ہے کہ انسان ڈھانچہ ہے، اس کے اندر ایک دل ہوتا ہے۔ دو پھیپھڑے ہوتے ہیں۔ دو گردے ہوتے ہیں۔ دو آنکھیں ہوتی ہیں۔ دو کان ہوتے ہیں۔ لیکن ساتھ ساتھ ہمیں یہ بھی پتہ ہے کہ ہماری دو آنکھیں جو ہیں وہ اسی وقت تک کام کرتی ہیں جب جسم کے اندر روح ہوتی ہے۔ مردہ آدمی دیکھتا

نہیں ہے۔ مردہ آدمی سنتا نہیں ہے۔ لیکن اسکے کان ہوتے ہیں۔ مردہ آدمی کی آنکھیں ہوتی ہیں لیکن وہ دیکھتا نہیں ہے۔ مرے ہوئے آدمی کی کمر میں ڈنڈا ماریں چوٹ نہیں لگتی۔

میں بتانا چاہ رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو وہ علوم سکھائے ہیں جو وہ نہیں جانتا تھا۔

سوچئے! مادی جسم کے اندر دماغ کام کر رہا ہے وہ کس طرح کام کر رہا ہے؟ ساری دنیا جانتی ہے کہ انسان کے اندر دماغ ہے۔ یہ بھی ساری دنیا جانتی ہے کہ انسان کے اندر Energy ہوتی ہے۔ اس توانائی کی بنیاد پر وہ کوئی چیز پکڑتا ہے۔ کسی چیز کو توڑتا ہے۔ کسی چیز کو بنالیتا ہے۔ انسان کے اندر آنکھیں ہیں۔ آنکھوں کی وجہ سے دیکھ کر وہ بہت کچھ بنالیتا ہے۔ لیکن یہ سوال اپنی جگہ ہے کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کی آنکھیں ہونے کے باوجود وہ دیکھتا کیوں نہیں ہے؟ ہاتھ ہونے کے باوجود وہ پکڑتا کیوں نہیں ہے؟ پیر ہونے کے باوجود وہ چلتا کیوں نہیں؟ اس لیے نہیں چلتا کہ اس کا تعلق روح کے ساتھ قائم نہیں رہا۔ نفسیاتی حوالہ سے ہم اس بات کی تشریح کر سکتے ہیں کہ ہر انسان شعور اور لاشعور میں زندہ ہے۔ شعور جب نہیں رہتا تو آدمی بھی نہیں رہتا۔

آپ ایم۔اے کے Student ہیں آپ کے ذہن میں یہ سوال آ سکتا ہے کہ جب شعور ہی سب کچھ ہے تو لاشعور کی کیا حیثیت ہے؟ اور ہم لاشعور سے کس طرح واقف ہو سکتے ہیں؟

اس کے لیے قدرت نے انتظام کیا ہوا ہے۔ ہر آدمی جو اس دنیا میں موجود ہے وہ سوئے گا بھی اور جاگے گا بھی۔ ایسا ممکن نہیں ہے کہ آدمی ساری زندگی جاگتا رہے اور ایسا بھی ممکن نہیں کہ آدمی ساری زندگی سوتا رہے۔ اگر آپ زیادہ دیر جاگیں گے، نیند پوری نہیں ہوگی۔ بیمار ہو جائیں گے۔ نفسیاتی مریض بن جائیں گے۔ نیند کی گولیاں کھانی پڑیں گی۔ ساری زندگی کوئی آدمی سو نہیں سکتا اور ساری زندگی جاگ نہیں سکتا۔ اللہ نے رات کس لیے بنائی ہے؟ اس لیے کہ

ہم سوئیں آرام کریں۔ دن اس لیے بنایا ہے کہ ہم کام کریں۔ جب ہم سوتے ہیں، ذرا غور سے سننے کی بات ہے۔ جب ہم سوتے ہیں تو کیا ہمارے ہاتھ پیر کام کرتے ہیں؟ کیا ہم سوتے ہوئے کھانا کھاتے ہیں؟ یا سوتے ہوئے کوئی وزن اٹھاتے ہیں؟

آپ کا جواب ہوگا.....نہیں۔

لیکن اس ''نہیں'' کے پیچھے ایک اور سوال ہے کہ ہم خواب کیوں دیکھتے ہیں؟ ہر آدمی خواب کیوں دیکھتا ہے؟ خواب ہر آدمی دیکھتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ خواب کسی کو یاد رہتے ہیں اور کسی کو یاد نہیں رہتے۔ خواتین کو خواب بہت زیادہ یاد رہتے ہیں۔ ایک آدمی سو رہا ہے۔ اس کے اندر سے ایک آدمی نکلتا ہے۔ وہ آدمی میلوں میل دور شہر میں چلا گیا یا آسمان پر اڑ گیا۔ کسی مقدس مقام پر چلا گیا، کسی عزیز رشتہ دار سے ملاقات کی۔

بتایئے! ایسا ہوتا ہے یا نہیں ہوتا؟

جی ہاں! ایسا ہر شخص کے ساتھ ہوتا ہے۔

آپ اس بات سے واقف ہیں کہ مادی جسم جب سو جاتا ہے تو معطل ہو جاتا ہے، Dead body کی طرح ہو جاتا ہے۔ اس کے اندر سے ایک اور جسم نکلتا ہے۔ یہ جسم کھاتا بھی ہے، پیتا بھی ہے۔ اگر اسے کہیں سانپ یا اژدہا نظر آ جائے تو وہ ڈر کے اُٹھ جاتا ہے اور اس کا جسم پسینہ سے شرابور ہو جاتا ہے اور سارا دن وہ سانپ کی دہشت محسوس کرتا رہتا ہے۔ کیوں بھئی ایسا ہوتا ہے؟

جواب: جی ہاں! ایسا ہوتا ہے۔

کوئی آدمی کسی باغ اور مرغزار میں چلا جائے، وہاں پھول ہوں، نغمہ سرا پرندے ہوں وہ صبح اُٹھ کر کہتا ہے کہ میں نے بہت اچھا خواب دیکھا۔ باغ میں انگور تھے، انار تھے، نہریں تھیں، روشیں بھی سلیقے کی تھیں، وہاں گلاب کے دستے تھے۔ پس ثابت ہوا کہ ہر آدمی کے اندر

ایک آدمی اور ہے۔

بتایئے! اندر کا آدمی کب کام کرتا ہے؟

اندر کا آدمی خواب کی حالت میں کام کرتا ہے۔

ہم خواب کب دیکھتے ہیں؟

جواب:- جب ہم سوتے ہیں۔

اس ساری گفتگو کا مطلب یہ نکلا کہ ہم ایک نہیں دو ہیں۔ جب ہم سو جاتے ہیں تو ہمارے اندر سے ایک آدمی نکلتا ہے اور گھومتا پھرتا ہے خوش ہوتا ہے یا رنجیدہ ہوتا ہے۔

عزیز دوستو! ہمارے اندر سے نکلنے والا آدمی ہماری روح ہے۔

جب ہم بیدار ہوتے ہیں جسمانی حواس میں ہوتے ہیں۔ اس وقت ہم شعور میں ہوتے ہیں۔ وہ آدمی جو ہمارے اندر ایک اور آدمی ہے، ہمارا لاشعور ہے۔

تصوف لاشعوری دنیا کی نقاب کشائی کرتا ہے۔ لاشعور میں غیب کی دنیا سے پردہ اٹھ جاتا ہے۔ آپ یہ نہ سمجھئے کہ انسان غیب نہیں دیکھ سکتا۔ ہر آدمی غیب دیکھ سکتا ہے۔ مثلاً آپ کیمسٹری پڑھ رہے ہیں جب تک آپ نے کیمسٹری نہیں پڑھی آپ کے لیے غیب تھی۔ جب آپ اساتذہ کے سامنے بیٹھ گئے تو کیمسٹری آپ کے لیے غیب نہیں رہی۔ ہر وہ چیز جو چھپی ہوئی ہے وہ غیب ہے۔ لیکن جب چھپی ہوئی چیز نظر آ جاتی ہے تو غیب نہیں رہتی۔

میں پوچھتا ہوں، بتایئے! میری جیب میں کتنے پیسے ہیں؟ آپ نہیں بتا سکتے۔ کیونکہ یہ چیز آپ کے لئے غیب ہے۔ لیکن کیونکہ مجھے پتہ ہے کہ میری جیب میں کچھ نہیں ہے، بس خالی جیب ہے، میں کہہ دوں گا کچھ نہیں ہے۔

جب تک کوئی آدمی کسی علم کو نہیں سیکھتا وہ اس کے لیے غیب ہے۔ علم غیب یا روحانیت جب ہم سیکھ لیتے ہیں تو یہ علم ہمارے لیے غیب کے بجائے علم ظاہر بن جاتا ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا ہے ''جس نے اپنی نفس کو پہچان لیا، اس نے اپنے رب کو پہچان لیا''۔

روح کہاں ہے؟..... میرے اور آپ کے اندر ہے۔ ہم جب تک اس روح کو تلاش نہیں کریں گے..... اپنے اندر نہیں جھانکیں گے، مراقبہ نہیں کریں گے۔ خالصتاً اللہ کی عبادت نہیں کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ اور انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسّلام کی طرز فکر کے مطابق زندگی نہیں گذاریں گے۔ ہم روح سے واقف نہیں ہوں گے۔

میں آپ سے کچھ سوال کرتا ہوں، پھر آپ خواتین وحضرات سوال کیجئے گا۔

میری عمر اس وقت چھہتر سال ہے۔ میں پہلے بچہ تھا، پھر بیس سال کا جوان ہوا، پھر چالیس سال عمر ہوگئی، اب چھہتر سال کا ہوں۔ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں میرا بچپنا، میری جوانی کہاں گئی؟

جواب:۔ غیب میں چلی گئی۔ میں ایک دن مرجاؤں گا۔ مرنے کے بعد کہاں چلا جاؤں گا؟

جواب:۔ غیب میں۔

بتایئے! جب چھہتر سال کی زندگی غیب میں چلی گئی اور میں مرنے کے بعد، غیب میں چلا گیا تو زندگی غیب کے علاوہ کیا ہوئی؟

اس بات کو دوسری طرح سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

آپ کو پتہ ہے جب تک ماں کے پیٹ میں روح نہیں آتی، ہم پیدا نہیں ہوتے۔

روح کہاں سے آئی؟

جواب:۔ غیب سے۔

اور مرنے کے بعد روح کہاں چلی گئی؟

جواب:۔ غیب میں۔

میں اپنے Students اور اساتذہ کرام سے پوچھتا ہوں کہ زندگی غیب کے علاوہ کیا ہے؟ ماشاءاللہ! یہاں اتنے لوگ بیٹھے ہیں کوئی ایک دم بڑا نہیں ہوگیا۔ سب بچے تھے۔ ہم سب غیب میں سے آرہے ہیں اور غیب میں جارہے ہیں۔ اسی معمے کو جو علوم حل کرتے ہیں ان علوم کا نام تصوف ہے۔

میں ایک اور بات آپ سے پوچھتا ہوں۔

کوئی آدمی خیال آئے بغیر کھانا کھا سکتا ہے؟

کوئی آدمی خیال آئے بغیر یہاں یونیورسٹی میں آسکتا ہے؟

کوئی آدمی خیال آئے بغیر سو سکتا ہے؟

کوئی ایک کام بتایئے؟

زندگی میں ہم ہزاروں کام کرتے ہیں۔ کوئی ایک کام یا عمل آپ ایسا بتائیں جو خیال آئے بغیر ہم کرتے ہیں؟

کوئی عمل ایسا بتایئے جو خیال آئے بغیر ہوسکتا ہو؟

اب سوال یہ ہے کہ خیال کہاں سے آتا ہے؟

آپ سب نے اجتماعی طور پر فرمایا ہے کہ کوئی کام خیال آئے بغیر نہیں ہوتا۔

خیال آئے بغیر ہم روٹی نہیں کھا سکتے۔ خیال آئے بغیر ہم پانی نہیں پی سکتے، خیال آئے بغیر ہم یونیورسٹی نہیں آسکتے۔ خیال کہاں سے آتا ہے؟ ہمارے پاس اس کے علاوہ کوئی جواب نہیں کہ غیب سے خیال آتا ہے۔ غالب نے کہا ہے۔

''عالم تمام حلقۂ دام خیال ہے''

اللہ تعالیٰ نے کہا..... ''کن''..... کن کہنے کے بعد کائنات بن گئی، کائنات میں آپ بھی ہیں۔ میں بھی ہوں۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ صاحب بھی ہیں۔

پیارے بچو! ہم کہاں بنے؟ غیب میں بنے۔ غیب سے چل کر ہم اس دنیا میں آگئے اور یہاں سے چل کر پھر غیب میں چلے گئے۔

اگر کوئی انسان اپنی اصل سے واقف نہیں ہے تو اس نے اپنی زندگی کا مقصد پورا نہیں کیا اور وہ انسانوں کی صف میں کھڑا نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو سیکھنے، پڑھنے، مشاہدہ کرنے کی صلاحیتیں عطا کی ہیں۔ اگر وہ کوشش کرے تو کامیاب ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے''۔

غیب سیکھنا مشکل اس لیے نہیں ہے کہ آپ کی ساری زندگی غیب ہے۔ عالم ارواح سے آپ کی روح آئی، وہ غیب ہے۔ آپ کا بچپنا غیب ہوگیا جوانی غیب میں چھپ گئی بڑھاپا غیب ہوگیا اور آپ غیب کی دنیا میں منتقل ہوگئے۔

روحانی علوم سیکھنا آسان ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ''ہم نے قرآن کو سمجھنا آسان کردیا، ہے کوئی سمجھنے والا''؟ اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

محترم جناب غلام مصطفیٰ صاحب، VC بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، جناب نورالدین جامی صاحب، جناب ظفر اللہ صاحب اور دیگر اساتذہ کرام، طالبات اور طلبہ۔

آپ سب خواتین و حضرات کا شکریہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ



مراقبہ کیا ھے

اعوذ با اللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم استاد جامی صاحب نے فرمایا ہے کہ آج کا لیکچر مراقبہ پر ہوگا۔ مراقبہ کیا ہے اور مراقبہ کے فوائد کیا ہیں؟

عزیز طالبات اور طلباء!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

موجودہ دور علمی موشگافیوں کا دور ہے۔ ہر جہت میں ترقی ہوئی ہے۔ ایجادات کی ایک لمبی فہرست ہے۔ اس دور میں اتنی زیادہ علمی موشگافیاں ہوئی ہیں کہ پچاس سال کے مختصر عرصے میں بے شمار نئی چیزیں ہمارے سامنے آگئیں ہیں۔ مثلاً ٹیلیفون، ٹی وی، کمپیوٹر، موبائل، لاسلکی نظام اور اس سے متعلق بہت ساری چیزیں۔ جیسے Satellite وغیرہ۔ زمین کے اوپر کی چیزوں میں بھی نئی نئی دریافتیں ہوئیں ہیں اور زمین کے طبقات میں جو خزانے چھپے ہوئے ہیں وہ بھی ہمارے سامنے آگئے ہیں۔ جیسے Petrol، Gases، Uranium اور دوسری دھاتیں۔

ایجادات سے جہاں انسان کو سہولیات میسر آئیں وہاں انسان کی تباہی کے سامان بھی ہوئے۔ مثلاً ایٹم، میزائل......وغیرہ۔ جب سے بجلی دریافت ہوئی ہے، ایجادات میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ ان ایجادات میں انسانوں کے لیے آسائش و آرام کی چیزیں بھی بنیں اور ان ایجادات میں انسان کے لیے تباہ کن ہتھیاروں کا ذخیرہ بھی جمع ہوا۔

جس دور کو ہم ترقی کا دور کہتے ہیں، اس کے پیچھے وسائل کی بہتات ہوئی ہے۔

آرام وآسائش کا ہر سامان میسر آیا۔ چھ مہینے کا سفر گھنٹوں میں طے ہو جاتا ہے، بلکہ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ دنیا ایک کمرے میں آگئی ہے۔ دنیا اتنی مختصر ہوگئی کہ ہمیں ایک کمرے کے برابر نظر آتی ہے۔ لباس کے معاملے میں، سواری کے معاملے میں، بلڈنگوں کے معاملے میں، گھروں سے متعلق، ہر جگہ آپ کو ترقی نظر آتی ہے۔ لیکن بڑی مایوس کن بات ہے کہ یہ سب کچھ ہونے کے باوجود انسان پریشان ہے۔ سکون کم ہوتے ہوتے اتنا کم ہوگیا ہے کہ انسان سکون کی تلاش میں سرگرداں ہے۔

کاریں مہیا ہوگئیں، ہوائی جہاز بن گئے۔ ان کاروں سے اور ہوائی جہازوں سے انسانی مسائل میں کمی نہیں آئی۔ پچاس سال پہلے اتنی بیماریاں نہیں تھیں جتنی آج ہیں۔ پچاس سال پہلے ''ہائی بلڈ پریشر'' اور ''لو بلڈ پریشر'' کی بیماریاں تو تھیں، کتابوں میں ان کا تذکرہ بھی تھا، علاج بھی ہوتا تھا لیکن گھر گھر یہ بیماری نہیں تھی۔ اگر کسی کو ہارٹ اٹیک ہو جاتا تھا تو وہ اخبار کی شہ سرخی بن جاتا تھا......

اب صورت یہ ہے کہ آپ کارڈیالوجی ہسپتال جائیں مریضوں کے لئے کوریڈور میں بھی جگہ نہیں ہے۔ تین مہینے میں نمبر آتا ہے۔ یہی حال دوسرے امراض کا ہے، جس شخص کو دیکھو وہ بیمار ہے۔ ہر خاندان میں آپ کو کینسر کے مریض مل جائیں گے۔ اسی طرح شوگر کا مرض ہے۔ پہلے بھی لوگ شکر کھاتے تھے۔ پہلے بھی لوگ اسی دنیا میں رہتے تھے یہی ان کی غذا تھی جو ہماری غذا ہے لیکن شوگر کا تذکرہ شاذونادر ہوتا تھا۔ آج شوگر کا مرض عام ہوگیا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ امریکہ میں ہر پانچویں یا تیسرے آدمی کو شوگر کا مرض لاحق ہے اور اس میں بوڑھے، جوان اور بچوں کی کوئی شرط نہیں۔ آج کی ترقی دراصل ترقی کا فسوں ہے۔ اس ترقی کے پیچھے انسان بے چین ہے، مضطرب ہے، گردوں کا ٹرانس پلانٹ، جگر میں ہیپاٹائٹس، قلبی امراض، السر، آنتوں میں زخم، طرح طرح کے بخار عام بات ہوگئی ہے۔

جب ہم مذہب کے حوالے سے بات کرتے ہیں تو مذہب ہمیں ایک عقیدے پر قائم رہنے کی تلقین کرتا ہے اور عقیدہ یہ ہے کہ اللہ کو وحدہ لاشریک مانو، اللہ کو اپنا کفیل سمجھو، اللہ کو اپنا محافظ مانو۔ اللہ ہی ہے جو انسانوں کو پیدا کرتا ہے۔ اللہ ہی ہے جو انسانوں کے لئے وسائل مہیا کرتا ہے۔ اللہ ہی ہے جو انسانوں کو ایک معین مدت تک اس دنیا میں رکھنے کے بعد اس دنیا سے کسی اور دنیا میں منتقل کر دیتا ہے۔

ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ ترقی کے ساتھ ساتھ جب ہماری شعوری استعداد میں اضافہ ہوا تو اللہ کے ساتھ ہمارا تعلق بھی زیادہ ہوتا، عقیدے میں بھی پختگی آتی۔ لیکن ترقی کے ساتھ ساتھ ہم عقیدے کے اعتبار سے بھی اپنے اسلاف کے مقابلے میں بہت پست ہیں۔

یہ تمہید میں نے اس لیے بیان کی ہے کہ مذہب کے حوالے سے، قرآن وحدیث کی تعلیمات کی روشنی میں ہم اپنا محاسبہ کرسکیں کہ قرآن وحدیث کی تعلیمات نے ہمیں کیا دیا ہے اور موجودہ ترقی سے ہمیں کیا کیا چیزیں منتقل ہوئیں۔ جہاں تک ترقی کا تعلق ہے، کوئی بھی باشعور آدمی ترقی ہونے سے انکار نہیں کرسکتا۔ ہم اپنے پیاروں سے، اپنے عزیزوں سے، اپنے رشتے داروں سے پاکستان میں بیٹھ کر امریکہ بات کرلیتے ہیں۔ بلاشبہ یہ ترقی ہے۔ پہلے چھ مہینے سفر کرکے حج کرتے تھے، اب چھ گھنٹوں میں جدّہ پہنچ جاتے ہیں۔

میں یہ کہنا نہیں چاہتا کہ ترقی نہیں ہوئی۔ ترقی ہوئی ہے لیکن مادی ترقی کے ساتھ روحانی اقدار کم ہوگئی ہیں۔ اس ترقی سے ہمارے اندر سے مذہب کا تصور کمزور ہوگیا اور جیسے جیسے مذہب کا تصور کمزور ہوا اسی مناسبت سے ہم لوگ پریشانیوں میں، بیماریوں میں اور نئی نئی الجھنوں میں مبتلا ہوگئے ہیں۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے....

اللہ کا ذکر کرنے سے اطمینانِ قلب حاصل ہوتا ہے۔

اللہ کے ذکر سے کیا مراد ہے؟

ایک ذکر تو یہ ہے کہ... ہم رات دن اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً صبح سے رات تک اگر آپ ڈائری بنائیں اور جتنی بار اللہ بولا جائے اسے ڈائری میں لکھ لیں۔ اسکی تعداد سینکڑوں تک ہو جائے گی۔ اللہ مالک ہے جو کچھ ہوتا ہے اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔

ذکر سے مراد یہ ہے کہ جب آپ کسی آدمی کا، کسی دوست کا، کسی رشتہ دار کا نام پکاریں، مثلاً آپ کی کوئی سہیلی ہے حمیدہ۔ جیسے ہی آپ حمیدہ کہتے ہیں تو حمیدہ کی شخصیت اور اس کا سراپا آپ کے سامنے آجاتا ہے۔ آپ کی دو دوست ہیں دونوں کا نام حمیدہ ہے۔ ایک کا رنگ گورا ہے، ایک کا رنگ کالا ہے۔ جب آپ کالے رنگ کی حمیدہ کو آواز دیں گی تو گورے رنگ کی حمیدہ کا تصور قائم نہیں ہوگا اور جب گورے رنگ کی حمیدہ کو آواز دیں گی تو کالے رنگ کی حمیدہ کا تاثر قائم نہیں ہوگا۔ جب آپ کہتی ہیں... اماں... تو ماں کی شخصیت سے متعلق، ماں کی ممتا سے متعلق، ماں کی خدمات سے متعلق، ماں کے احترام سے متعلق تمام تاثرات آپ کے اوپر قائم ہو جاتے ہیں۔ جب آپ کہیں گے... ابا... ابا کی شخصیت سے متعلق، ابا کے دل میں اولاد کی شفقت کی صفات کا تاثر قائم ہوگا۔ جیسے جذبات ہوں گے، ایسے ہی تاثرات قائم ہوں گے۔

اب ہم یوں کہیں گے کہ ذکر کرنے سے مراد یہ ہے کہ جس ہستی کا ذکر کیا جا رہا ہے اسکی شخصیت کا تاثر قائم ہو۔ ہم سو 100 دفعہ اللہ کا نام لیتے ہیں، اللہ یہ کردے، اللہ نے یہ کردیا، اللہ نے مہربانی فرمائی۔ کچھ لوگ شکوہ بھی کرتے ہیں کہ اللہ نے ہمارے ساتھ اچھا نہیں کیا (نعوذ باللہ) وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اس کا وہ تاثر قائم نہیں ہوتا جو آپ کے اوپر ایک دوست کا نام لینے سے قائم ہوتا ہے یا ماں کو پکارنے سے جو تاثر قائم ہوتا ہے۔ اللہ کے ذکر سے اطمینانِ قلب حاصل ہوتا ہے، وہ اطمینانِ قلب اس وقت حاصل ہوتا ہے جب اللہ کی ذات اور اللہ کی صفات کا تاثر آپ کے اوپر قائم ہو۔ جس کی ہمیں کوئی پریکٹس نہیں ہے۔

لیکن اگر انسان اپنے تمام معاملات سے یکسو ہو کر صرف اور صرف اللہ کی طرف متوجہ

ہو۔ اس کے اوپر تاثر ضرور قائم ہوتا ہے اور بندہ اللہ سے قربت محسوس کرتا ہے۔

ہم روز پڑھتے ہیں..... **الحمد اللہ رب العالمین** ..... سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو عالمین کا رب ہے یہ سورۃ ہم پندرہ سو سال سے پڑھ رہے ہیں، نماز کی ہر رکعت میں پڑھتے ہیں۔ اپنی نجی زندگی میں جب شکر کی بات ہوتی ہے تو.... **الحمد للہ** ... کہتے ہیں۔ لیکن اس کا تاثر قائم نہیں ہوتا۔ اگر آپ اس آیت کے معنی اور مفہوم کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ "سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو عالمین کا رب ہے" تو آپ کے اوپر پہلا انکشاف یہ ہوگا کہ عالم ایک نہیں ہے، دنیا ایک نہیں ہے۔ بہت ساری دنیائیں ہیں، بہت سارے اسٹار ہیں، اسٹار کے بہت سارے طفیلی سیارے ہیں۔ چودہ سو سال پہلے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے اللہ تعالیٰ نے یہ کہلوا دیا کہ دنیا ایک نہیں ہے، عالم ایک نہیں ہے۔ سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو اس دنیا کی طرح لاکھوں کروڑوں دنیا کا رب ہے۔

رب سے مراد ہے دنیا کو قائم رکھنے والا۔ دنیا کو قائم رکھنے میں جن وسائل کی ضرورت ہے ان وسائل کو مہیا کرتا ہے، ان وسائل کو تخلیق کرتا ہے۔ زمین ایک عالم ہے اور اس زمین کے اوپر اور اندر Gases ہیں، آکسیجن ہے، ہوا، پانی ہے، آسمان ہے، خورد و نوش کے لیے حیوانات اور Food ہیں، سائے کے لیے درخت ہیں، کھانے کے لئے پھل فروٹ ہیں۔ یہ سارے وسائل اگر نہیں ہوں گے تو آپ اس دنیا کو دنیا نہیں کہیں گے دنیا کو قائم رکھنے کے لیے روشنی چاہیئے اور روشنی کیلئے سورج ضروری ہے۔ رات کو بھی روشنی چاہیئے، رات کو روشنی چاہیئے تو چاند موجود ہے۔ سمندر ضروری ہیں تا کہ آپ کشتیاں چلا سکیں، جہاز چلا سکیں۔ ہوا چاہیئے تا کہ ہوا سے زندگی کے تقاضے بھی پورے ہوں۔ سواری کے لیے آپ کو جانور چاہیئے، گوشت کھانے کے لیے بھی جانور چاہئیں۔ یہ ساری چیزیں زمین کے اوپر موجود ہیں۔

یہ وہ وسائل ہیں جن کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا اور ان سارے وسائل کی پیدائش

میں، سہارے وسائل کے انتظام وانصرام میں، ترتیب وتوازن میں، استحکام میں، اللہ کے قانون کا عمل جاری ہے۔ انسان جب پیدا ہوتا ہے، تو وہ نہ بیٹھ سکتا ہے، نہ کروٹ بدل سکتا ہے، لیکن بتدریج زمین کا ماحول، زمین کا Atmosphere زمین کے اندر موجود Gases، زمین کے اندر روشنیوں اور لہروں کا انتظام، دھوپ، چاندنی، ماں کا لمس، گرمی، سردی اس بچے کے اندر ایسی استعداد اور سکت پیدا کر دیتی ہے کہ بچہ کرولنگ کرتا ہے، سہارے سے کھڑا ہو جاتا ہے اور پھر چلتا پھرتا ہے، بھاگتا دوڑتا ہے اور کشتیاں لڑتا ہے۔ بڑے بڑے پہاڑوں کو کاٹ دیتا ہے۔ سرکش سمندر کی موجوں میں کشتیاں ڈال دیتا ہے۔ چاند پر جانے کا دعویٰ کرتا ہے۔ زمین کی تہوں میں سے تیل اور پیٹرول نکال لیتا ہے۔ دریاؤں کے رخ موڑ دیتا ہے سمندر کے اندر ریل چلا دیتا ہے۔

جب بچہ اس دنیا میں آیا تو اس نے اپنے لیے کوئی چیز نہیں بنائی، ہر چیز اسے بنی بنائی ملی۔ زمین موجود تھی، ماں موجود تھی، ماں کے دل میں بچے کی مامتا تھی، باپ کے دل میں بچے کی شفقت تھی۔ محلے پڑوس میں جہاں کہیں بھی خبر گئی کہ فلاں گھر میں بچہ ہوا ہے، ہر شخص شادمان فرحان بچہ کو دیکھنے کے لئے دوڑ پڑا۔ سوچئے!

اگر بچہ کو اپنے لیے زمین بنانی پڑتی، ہوا بنانی پڑتی، اپنے لیے سورج کی روشنی تخلیق کرنی پڑتی تو کیا ہوتا؟

کیا وہ بچہ اس دنیا میں زندہ رہ سکتا تھا؟

جس دنیا میں ہم رہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے وہ سب پیدا کر دیا تھا جب ہمیں اس کا استعمال بھی نہیں آتا تھا۔ سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو عالمین کا رب ہے، جو عالمین کو پیدا کرتا ہے، تخلیق کرتا ہے اور تخلیق کی تمام ضروریات کو پیدا کر کے ہر تخلیق کی کفالت کرتا ہے۔

تصوف اور دوسرے علوم میں بنیادی فرق یہی ہے کہ تصوف کا طالب علم، جس کو سالک

کہتے ہیں، جب اللہ کا ذکر کرتا ہے تو اللہ کی صفات اپنے اندر ڈھونڈتا ہے، اللہ کی صفات کا اور اللہ کی ذات کا تاثر قبول کرتا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح ہم کسی دوست کا تذکرہ کرتے ہیں اور اس کی صفات سے متاثر ہوتے ہیں۔ تاثر قائم ہونے کے لیے تصوف میں مراقبہ کرایا جاتا ہے۔

مراقبہ ایک عمل ہے، ایک علم ہے، یکسو ہونے کا ایک مشن ہے۔ آپ ماشاء اللہ ماسٹر کے اسٹوڈنٹ ہیں۔ جب بھی کوئی کام آپ کریں، ایسا کام، جس میں Concentration ہو جائے، جس میں آپ کا ذہن یکسو ہو جائے، اس کا نام مراقبہ ہے۔ مثلاً آپ ایک کتاب پڑھتے ہیں، کورس کی کتاب ہو یا کوئی اور کتاب ہو، افسانہ ہو، یا ڈرامہ ہو، اگر اس کے اندر آپ کا ذہن مرکوز ہو گیا تو اس کیفیت کا نام مراقبہ ہے۔

مراقبہ سے مراد یہ ہے کہ انسان کا ذہن کسی کام میں اس طرح مصروف ہو جائے کہ اس کے اوپر سے زمان ومکان (ٹائم اسپیس) کی گرفت ٹوٹ جائے۔ آپ کو تجربہ ہوا ہوگا، کوئی اچھا ناول، کوئی اچھی کتاب، سیرت کی کتاب یا کوئی کورس کی کتاب جو آپ کی دلچسپی کے مطابق ہے پڑھتے چلے جاتے ہیں۔ جب گھڑی پر نظر پڑتی ہے تو آپ حیران ہوتے ہیں کہ چار گھنٹے ہو گئے پتہ ہی نہیں چلا۔ آپ سے سوال یہ ہے آپ نے چار گھنٹے کتاب کو مسلسل پڑھا، آپ نے اس دوران نشستیں بھی بدلیں، کبھی آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئے، کبھی التحیات کی طرح بیٹھ گئے، کبھی ٹانگیں سیدھی کر کے بیٹھ گئے، کبھی تکیہ لگا کے پڑھنے لگے، کبھی لیٹ گئے، کبھی سیدھے کبھی الٹے لیٹ کر پڑھ رہے ہیں، اس دوران میں آپ نے پانی پیا، کوئی بندہ آیا اس کی بات کا جواب بھی دے دیا۔ لیکن آپ کو چار گھنٹے کا احساس نہیں ہوا............ آخر کیوں؟

بتائیے! وقت کا احساس کیوں نہیں ہوا؟

عزیز دوستو!

ایک دلچسپ کتاب پڑھی، اس کے مطالعہ میں چار گھنٹے گذر گئے۔ چار گھنٹے بڑا وقت

ہے، آپ ایک آدمی کو چار گھنٹے کے لیے کسی جگہ کھڑا کردیں اس کے لیے کھڑے ہونا مسئلہ بن جائے گا۔سوال یہ ہے کہ چار گھنٹے کا وقت کیسے حذف ہو گیا؟ چار گھنٹے گذرنے کا احساس کیوں نہیں ہوا؟

بتایئے 240 منٹ کیوں محسوس نہیں ہوئے؟

دوستو!

چار گھنٹے کا وقت اس لئے حذف ہوگیا، جیسے بیٹی نے بتایا کہ مطالعہ میں دلچسپی قائم ہوگئی تھی۔اس کتاب کو آپ کے شعور میں ایک مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی تھی۔آپ سفر کریں، کئی گھنٹے کا سفر، ریل کی سلیپر پر آپ لیٹ جائیں، سو جائیں۔کوئی کہتا ہے اٹھو! اسٹیشن آ گیا ہے... آپ کہیں گے ارے سٹیشن آ گیا، کئی گھنٹے گزر گئے...

کیوں؟ اس لیے کہ آپ کی شعوری کیفیات نیند میں منتقل ہوگئیں۔یعنی شعور ایک طرح سے Suspend ہوگیا، معطل ہوگیا۔معطل (Suspend) ہونے کا مطلب ختم ہونا نہیں ہے۔عارضی طور پر شعور کی تمام دلچسپیاں معطل ہوگئیں۔آپ کے شعور کی دلچسپیاں ایک ہزار باتوں میں ہیں۔شعور کی تمام دلچسپیاں ایک ہزار باتوں کی بجائے ایک نقطے پر سمٹ آئیں تو ایک ہزار باتیں پردے میں چلی گئیں، وقت کا احساس ختم ہوگیا۔

مراقبہ کا مطلب ہے، کسی ایک نقطے پر ذہن کا مرکوز ہونا۔کسی ایک نقطے کے اوپر اپنا ذہن مرکوز کردینا ہی مراقبہ ہے۔

سورۃ مزمل میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

''اے اوڑھ لپیٹ کر سونے والے، رات کو نماز میں کھڑے رہا کرو مگر کم، آدھی رات، یا اس سے کچھ کم کرلو، یا اس سے کچھ زیادہ بڑھا دو اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔''

آپ کو ایک ہزار خیالات آرہے ہیں، اس میں اماں، ابا، کاروبار، جو بھی کچھ ہے سب

سے قطع تعلق کر کے آپ اللہ کا ذکر کریں تب آپ کے ذہن میں اللہ کے علاوہ اور کچھ نہیں آئے گا۔ایک آدمی پریشان ہے اس کو خیالات چین نہیں لینے دیتے۔وہ تمام خیالات سے یکسو ہو کر کسی کام میں مشغول ہو جاتا ہے۔کیا اسکو پریشانی سے نجات نہیں مل جائے گی؟

کیوں بھائی، مل جائے گی یا نہیں مل جائے گی؟

جواب: جی ہاں مل جائے گی۔

اسی صورت سے جب انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے اور ہر چیز سے عارضی طور پر قطع تعلق کرلیتا ہے تو اسے سکون مل جاتا ہے۔اللہ مکمل رحمت ہے، مکمل عافیت ہے، مکمل محبت ہے... جب آپ کے اندر اللہ کی صفات منتقل ہو جائیں گی، آپ پرسکون ہو جائیں گے۔اللہ کا ذکر اطمینانِ قلب عطا کرتا ہے۔لیکن ہماری صورت حال بالکل الٹ ہے۔سب سے زیادہ نماز میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے.... **اللہ اکبر**... سے... **السلام علیکم و رحمتہ اللہ** تک اللہ کا ہی ذکر ہوتا رہتا ہے۔اللہ کے ذکر میں ہم ایک منٹ کے لئے یکسو نہیں ہوتے، دنیا بھر کے خیالات، وسوسے، پریشانیاں اور وہ باتیں جو ہمیں یاد نہیں آتیں نماز میں یاد آ جاتی ہیں دراصل اللہ کا ذکر یہ ہے کہ جب نمازی نیت باندھ کر.... **الحمد للہ رب العالمین** ..... کہے تو اس کے اوپر کائنات روشن ہو جائے، اس بات کا علم ہو جائے کہ دنیا ایک نہیں ہے، کروڑوں دنیائیں ہیں اور ہر دنیا وسائل کی محتاج ہے اور وسائل اللہ عطا کرتا ہے۔جب آپ کا ذہن اللہ کی طرف متوجہ ہوگا، آپ پریشانیوں سے محفوظ ہو جائیں گے، آپ کے دل کو سکون مل جائے گا۔

اولیاء اللہ کی زندگی ہمارے سامنے ہے۔اولیاء اللہ کے پاس جب کوئی بندہ جاتا ہے، وہ کتنا ہی پریشان ہو اسے سکون مل جاتا ہے۔مشہور ہے کہ ولی اللہ کی پہچان یہ ہے کہ بندہ ان کے پاس روتا ہوا جاتا ہے اور ہنستا ہوا آتا ہے۔چونکہ اللہ کی ذات کے ساتھ ان کی وابستگی ہوتی ہے۔ اسی لیے ان کے پاس جو بھی جاتا ہے اس کو سکون ملتا ہے۔ایک آدمی رو رہا ہے، آپ اس کے

پاس بیٹھ جائیں، تھوڑی دیر میں آپ بھی رونے لگیں گے۔ ایک آدمی خوش مزاج ہے، ہنس رہا ہے، بول رہا ہے، لطیفے سنا رہا ہے، خود بھی کھا پی رہا ہے، آپ کو بھی کھلا پلا رہا ہے، آپ وہاں سے خوش ہو کر آئیں گے۔ ایک ماحول خوشبودار ہے، آپ خوشبو سونگھے بغیر خود کو ہلکا اور لطیف محسوس کریں گے۔ فضا میں بھاری پن ہے۔ کتے، بلّیاں مری پڑی ہیں۔ ان کے مردہ اجسام سے بدبو کے بھبکے اٹھ رہے ہیں، اس ماحول میں جو بھی آدمی جائے گا اس کا مزاج بھاری ہو جائے گا۔

لیکن اولیاء اللہ کا گروہ چونکہ اللہ سے وابستہ ہوتا ہے اور جب اللہ سے بندہ کا تعلق قائم ہوتا ہے تو اس کے اوپر سے دنیا کی گرفت ختم ہو جاتی ہے اور جب بندہ دنیا میں مشغول ہوتا ہے تو دنیا اس کے اوپر مسلّط ہو جاتی ہے۔ اللہ والے بچوں کی پرورش بھی کرتے ہیں، کاروبار بھی کرتے ہیں، نوکریاں بھی کرتے ہیں، پڑوسیوں کا خیال بھی کرتے ہیں، خدمت خلق کے شعبے میں بہت سارا وقت دیتے ہیں۔ علم بھی حاصل کرتے ہیں، علم سکھاتے بھی ہیں۔ ان کی عام زندگی عوام سے مختلف نہیں ہوتی۔ لوگ نمازیں پڑھتے ہیں۔ پچاس پچاس سال، چالیس چالیس سال، اسّی اسّی سال نماز پڑھتے رہتے ہیں اور حال یہ ہے کہ آپ اپنے کسی بزرگ، نانی سے، دادی سے پوچھئے کہ اماں! آپ جنتی ہیں؟

آپ کو پتہ ہے اماں کا جواب کیا ہوگا؟ اماں کہیں گی۔ ''ہاں بیٹا! دعا کرو اللہ مجھے جنتی بنا دے''۔

یعنی پچاس سال نمازیں پڑھنے کے بعد بھی اماں جی کو اس بات کا یقین نہیں ہوا کہ میں جنتی ہوں۔

کیوں نہیں ہوا یقین؟

اس لیے نہیں ہوا کہ پچاس سال تک ایک آدمی کسی کو آواز دیتا ہے اور پچاس سال میں ایک مرتبہ بھی وہ اس آواز کا جواب نہیں سنتا تو پھر اسے کیسے یقین حاصل ہوگا؟ لیکن اگر اسے

Concentration ہو جائے، سورۃ مزمل کی آیت کے مطابق وہ قطع تعلق کر کے صرف اور صرف اللہ کے ساتھ اپنا تعلق قائم کر لے تو اللہ کی آواز آئے گی، اللہ نظر آئے گا۔ اللہ ضرور نظر آئے گا، اللہ کا یقین پیدا ہوگا۔ اللہ کی صفات کا لازمی مشاہدہ ہوگا۔

یہ تو ہوگئی روحانی بات، اب دنیاوی بات سنیئے۔ کوئی Student، کوئی شاگرد، کوئی استاد، ایک کتاب پڑھتا ہے۔ اگر اس کتاب میں Concentration نہ ہو، کیا وہ پاس ہو سکتا ہے؟

اگر استاد کو Concentration حاصل نہ ہو، کیا وہ استاد لیکچر دے سکتا ہے؟

کیوں سعید بھائی؟

اس کا مطلب یہ ہے کہ استاد لیکچر دینے سے پہلے اسٹڈی کرتا ہے کتاب پڑھتا ہے اس کے ذہن میں ہے کہ مجھے لیکچر دینا ہے۔ اس کے ذہن میں یہ بات ہوتی ہے کہ کوئی بھی Student اس مضمون سے متعلق مجھ سے سوال کر سکتا ہے اور میری یہ ذمہ داری ہے کہ میں اس کو مطمئن کروں۔ استاد زیادہ توجہ اور یکسوئی کے ساتھ کتاب پڑھے گا۔ تفہیم کرے گا، مزید غور و فکر کرے گا۔ یہ ساری یکسوئی، یہ ساری تفہیم، یہ سارا غور و فکر مراقبے کی تعریف میں آتا ہے۔

اب آپ گھر میں آجائیے۔ ہماری بہن، بیٹی، ماں، خالہ، کھانا پکاتی ہیں۔ کھانے میں ان کی توجہ وہ نہیں تھی جو ہونی چاہیئے۔ دوسری طرف خواتین، کھانا پکاتی ہیں، ان کی پوری توجہ کھانا پکانے میں ہے۔

کھانا کس کا مزیدار ہوگا؟

پروفیسر صاحب! کس کا کھانا مزیدار ہوگا؟

بالکل صحیح ہے جس نے توجہ سے کھانا پکایا ہے۔

جس نے ذہنی انتشار کے ساتھ کھانا پکایا ہے اس کا کھانا مزیدار نہیں ہوگا۔

عزیز دوستو! توجہ سے کھانا پکانا بھی یکسوئی کی تعریف میں آتا ہے۔ مائیں اپنے بچوں کی تربیت کرتی ہیں۔ اگر بچوں میں Concentration نہ ہو، اگر بچے کی تعلیم وتربیت میں ماں کی مرکزیت قائم نہ ہو تو بچہ کی تربیت صحیح نہیں ہوگی۔

بابا فرید گنج شکرؒ کو گڑ کھانے کا شوق تھا۔ جیسے ہمارے بچے آج کل ٹافیاں کھاتے ہیں اس زمانے میں گڑ کھایا کرتے تھے، ٹافیاں ہوتی ہی نہیں تھیں۔ ان کی اماں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ مصلیٰ بچھا دیتی تھیں اور چپکے سے مصلے کے نیچے گڑ رکھ دیتی تھیں۔ وضو کراتی تھیں اور کہتی تھیں کہ اللہ سے دعا مانگو...... یا اللہ! مجھے گڑ چاہیئے۔ دعا کے بعد جب اماں مصلیٰ اٹھاتیں تو وہاں گڑ موجود ہوتا تھا۔ بابا فریدؒ خوش ہو کر کھا لیتے تھے۔ طویل عرصے تک یہ سلسلہ قائم رہا۔

بابا فریدؒ ایک روز بچوں کے ساتھ باہر کھیل رہے تھے، گڑ کا تذکرہ آ گیا، انھوں نے کہا کہ گڑ تو اللہ میاں دیتے ہیں۔ دوستوں نے کہا..... گڑ تو اماں دیتی ہیں۔ کہنے لگے نہیں اماں نہیں دیتی، اللہ دیتا ہے۔ بچوں کی سمجھ میں بات نہیں آئی کیونکہ ان کی ماؤں نے تو ایسی تربیت نہیں کی تھی۔ بابا فریدؒ بھاگتے ہوئے گھر گئے اور اپنی جائے نماز اٹھالائے۔ وہیں فٹ پاتھ پر جائے نماز بچھائی اور توتلی زبان میں کہا اللہ میاں! گڑ دے؟ مصلیٰ اٹھایا تو اس کے نیچے اتنا گڑ تھا جو سب دوستوں میں تقسیم ہو گیا۔

یہ واقعہ آپ حضرات نے ضرور سنا ہوگا۔ اس کے پیچھے یہ حکمت ہے کہ ماں کی تربیت سے بچے کے اندر یقین کی اتنی طاقت ہو جاتی ہے کہ بچہ کے اندر سے شک نکل جاتا ہے۔ بچہ نے دعا کی، مصلیٰ اٹھایا، وہاں گڑ رکھا ہوا تھا۔ یعنی والدہ صاحبہ نے ڈھائی تین سال کی عمر سے ہی بچے کو Concentration کی مشق شروع کرادی تھی۔

ایک کردار ہندوستان میں بہت مشہور ہوا، جس کا نام سلطانہ ڈاکو تھا۔ وہ بچہ شرارتی تھا، ماں کی توجہ تربیت کی طرف کم تھی۔ پڑوس میں مرغی نے انڈا دیا، بچہ چرا کر لے آیا۔ ماں نے

بجائے اس کے کہ سرزنش کرتی، مارتی یا اس بچے کو پڑوس میں لے جا کر وہ انڈا واپس کراتی۔ اس نے محبت میں انڈا پکایا اور بیٹے کو کھلا دیا۔

دیکھئے! ایک بابا فریدؒ کی ماں ہیں، مٹھائی وہ بھی کھلا رہی ہے اور ایک دوسری ماں ہے۔ جب ماں نے بچہ کو چوری کا انڈا کھلایا تو آہستہ آہستہ بچہ کو چوری کی عادت پڑ گئی۔ پھر وہ ڈاکو بن گیا۔ برائی کا انجام برا ہوتا ہے، اچھائی کا انجام اچھا ہوتا ہے۔ سلطانہ ڈاکو پکڑا گیا، مقدمہ چلا، پھانسی کی سزا ہو گئی۔ پھانسی کے تختے پر جانے سے پہلے اس سے پوچھا گیا تمہاری آخری خواہش کیا ہے؟ اس نے کہا کہ میں پھانسی کے تختہ پر اپنی ماں سے ملنا چاہتا ہوں۔

ماں آگئی تو اسے تختے پر کھڑا کر دیا گیا۔ ماں نے جب دیکھا کہ میرا بیٹا مر جائے گا۔ بے قرار ہو گئی، رونے لگی، دھاڑیں مار مار کے چیخنے لگی۔ اس کے بیٹے نے کہا کہ ماں میں نے تجھے اس ہی لیے بلایا ہے کہ تو میرا حشر دیکھ لے، اگر اس دن جب میں پڑوس سے انڈا چرا کر لایا تھا تو مجھے پکا کر نہ کھلاتی تو آج میں پھانسی پر نہیں چڑھتا۔

غور کیجئے!

ایک ماں نے بچے کو وہ concentration عطا کی جس نے بچے کے یقین کو اللہ کے ساتھ مستحکم کر دیا اور دوسری ماں، نے بچے کی تربیت میں یہ کردار ادا کیا کہ اس کو چور سے ڈاکو بنا دیا۔

مراقبہ کوئی ماورائی چیز نہیں ہے۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ روحانی لوگوں نے خوامخواہ اسلام میں پیوندکاری کر دی ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں اسلام میں تصوف نہیں ہے، صحابہ کرامؓ میں کہاں تصوف تھا، صحابہ کرام کون سے مراقبے کرتے تھے؟ مراقبہ Means Conentration۔ صحابہؓ اور صحابیاتؓ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں جب نماز کی نیت باندھ لیتے تھے اور ... اللہ اکبر... کہہ دیتے تھے تو ہر چیز کی نفی ہو جاتی تھی۔

جب ہم... اللہ اکبر ... کہہ کر نماز پڑھتے ہیں تو اس بات کا اقرار کرتے ہیں، اعلان کرتے ہیں کہ اس وقت میں دنیا سے Surrender کرتا ہوں، اس لیے کہ اللہ سب سے بڑا ہے۔
اب اگر اللہ سب سے بڑا ہے اور اس حالت میں آپ کو دنیا کا خیال آجائے تو بتایئے کہ وہ خیال بڑا ہے یا اللہ بڑا ہے؟......

ایک ماں نماز پڑھ رہی ہے، ابا نماز پڑھ رہے ہیں، ان کو بیٹے کا خیال آگیا وہ کہہ تو یہ رہے ہیں اللہ سے بڑا کوئی نہیں مگر بیٹے یا اور کوئی دنیا کا خیال اس طرح مسلط ہو جاتا ہے کہ یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ کونسی سورۃ پڑھی ہے۔

روحانی آدمی اس بات کو جب بیان کرتا ہے تو وہ کہتا ہے، انسان اپنے آپ سے جھوٹ بول رہا ہے۔ کہتا یہ ہے کہ اللہ بڑا ہے اور کاروبار کے بارے میں سوچ رہا ہے۔ روحانی آدمی نماز پڑھتا ہے جب اس نے ایک دفعہ... اللہ اکبر... کہہ دیا، کیونکہ اس نے اقرار کرلیا ہے کہ اللہ سب سے بڑا ہے، اسے کوئی دوسرا خیال نہیں آتا۔ اگر اللہ کے علاوہ کوئی خیال آتا ہے تو وہ توبہ استغفار کرتا ہے۔ تزکیۂ نفس کے لیے ریاضتیں کرتا ہے۔ خود سے شرمندہ ہوتا ہے، اللہ کے سامنے روتا ہے اور نتیجے میں اس کو یکسو ہونے کی عادت پڑ جاتی ہے اور اسے نماز میں یکسوئی ہو جاتی ہے۔

دنیا کا کوئی بھی کام ہو، چاہے وہ دین کا ہو، چاہے وہ دنیا کا ہو، چاہے وہ خود غرضی کا ہو، چاہے وہ لوٹ مار کا ہو، چاہے وہ خیرات کا ہو، اگر ذہنی یکسوئی نہیں ہوتی تو کام کا نتیجہ صحیح نہیں نکلے گا۔ ہم اسی ذہنی یکسوئی کو کسی حد تک مراقبہ کہہ سکتے ہیں۔

تصوف اور مراقبہ کے بارے میں پتہ نہیں لوگ کیوں اعتراض کرتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں عظیمی صاحب نے اسلام میں مراقبے کی پیوند کاری کر دی ہے۔ میں پوچھتا ہوں اسلام میں مرکزیت کے علاوہ اور ہے کیا؟ ہم کہتے ہیں اللہ وحدہ لاشریک ہے۔ اللہ رازق ہے لیکن ہم کہتے

ہیں کہ Boss ناراض ہو جائے گا تو ترقی رک جائے گی۔ سیٹھ خوش ہو جائے گا تو ترقی ہو جائے گی۔ روحانی آدمی اس بات کو نہیں مانتا۔ وہ کہتا ہے مالک، قادر، رازق اللہ ہے، یہ ساری دنیا اللہ کے تابع ہے۔ روحانی آدمی ہر جگہ، ہر حال میں سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے، اللہ کو اپنے ساتھ محسوس کرتا ہے۔ اللہ کی صفات اس کے اوپر محیط ہوتی ہیں۔

یہ کیوں ہوتا ہے؟

اس لیے ہوتا ہے روحانی آدمی پر یقین روشن ہو جاتا ہے۔ ایم اے میں یکسوئی کے ساتھ جب آپ تعلیم حاصل کریں گے تو ایم اے کی ڈگری ملے گی اور اگر ایم اے کے مضامین یکسوئی کے ساتھ نہیں پڑھیں گے تو ڈگری نہیں ملے گی۔

اس سلسلے میں کسی کو کچھ پوچھنا ہو تو سوال کر سکتا ہے۔

سوال:- آپ نے فرمایا ہے کہ مراقبہ سے سکون ملتا ہے جب کہ مادی ترقی انسانی پریشانیوں کا باعث ہے۔ بندہ اگر مراقبہ کرتا رہے تو مادی ترقی کیونکر ممکن ہے؟

جواب:- مادی ترقی ممکن ہی اس لیے ہے کہ آدمی میں Concentration ہوتی ہے اگر ذہنی یکسوئی نہ ہو تو ایجاد نہ ہوتی۔ ایجاد تو ہوتی ہی جب ہے، جب آدمی کو ذہنی یکسوئی حاصل ہو۔ Atom کو آپ نے کب تلاش کیا؟ ایک آدمی آیا، دوسرا آیا، تیسرا آیا، چوتھا آیا، اب ایٹم دریافت ہوا۔ ایک Atom کے اوپر کئی سو سال ریسرچ ہوئی، پچاس آدمیوں نے تو ریسرچ کی ہوگی۔ مرکزیت جہاں ہے، مراقبہ ہے۔ وہ لوگ اس کو ریسرچ کہتے ہیں، ہم اسے مراقبہ کہتے ہیں۔ کچھ لوگ اسے تفکر کہتے ہیں، ہم اسے مسلسل جدوجہد اور تلاش کہتے ہیں۔ روحانی بندوں نے ریسرچ کا نام، ذہنی یکسوئی اور مسلسل تلاش کا نام مراقبہ رکھ دیا ہے۔

سوال:- کچھ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ صوفیاء نے اپنے شاگردوں کو مراقبے تک محدود کر کے عملی زندگی سے دور کر دیا ہے اور کہتے ہیں کہ تصوف افیون کی طرح ہے آدمی دنیا کے کام کا نہیں رہتا؟

جواب:- داتا صاحبؒ نے کشف المحجوب کتاب لکھی ہے۔ یہ ایسی کتاب ہے جس کا دنیا کی کئی زبانوں میں ترجمہ ہوا ہے۔ جس بندہ کی کتاب کا دنیا کی ہر زبان میں ترجمہ ہوا ہو اس بندے نے کیسے دنیا کو محدود کر لیا۔ امام غزالیؒ ہیں، حضور قلندر بابا اولیاءؒ ہیں، شاہ ولی اللہؒ ہیں۔ شاہ ولی اللہؒ نے اب سے ڈھائی سو سال پہلے یہ بات بتائی تھی کہ ہر انسان کے اوپر روشنیوں کا ایک انسان ہوتا ہے۔ کسی نے مانا ہی نہیں۔ اب ڈھائی سو سال کے بعد جب انگریزوں نے کہا کہ آدمی کے اوپر Aura ہوتا ہے، سب نے مان لیا۔

عزیز دوستو! صوفیاء نے تو یہ بات ڈھائی سو سال پہلے بتا دی تھی جو آج سائنٹسٹ بتا رہا ہے۔ سائنٹسٹ کہتا ہے کہ ہر انسان کے اوپر روشنیوں کا ایک Reflection ہوتا ہے، اس Reflextion کو وہ AURA کہتے ہیں۔ ابھی وہ نہیں بتا سکے کہ Reflection کہاں سے آ رہا ہے؟ شاہ ولی اللہؒ نے تو پوری وضاحت کی ہے۔ کسی روحانی آدمی نے کبھی انسان کی ترقی میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی۔ بڑے پیر صاحبؒ کے بارے میں کیا آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے ترقی روک دی؟ امام جعفر صادقؒ اور ان کے ہزاروں پیروکاروں نے دنیا کی ترقی میں بے شمار خدمات انجام دی ہیں۔ حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ نے ہندوستان میں انقلاب برپا کر دیا۔ وہ کام کر گئے جو بڑے بڑے بادشاہ نہیں کر سکے۔ مجدد الف ثانیؒ نے جو کچھ کیا وہ تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے۔

سوال:- کسی چیز کی طرف توجہ مرکوز کرنے سے جب آدمی بے خیال ہو جاتا ہے تو مادی ترقی

کیسے ممکن ہے؟

جواب:- دیکھئے! آپ میری بات کو سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ وہ کون سی دوا ہے میرے ذہن سے نکل گئی جسے ایک سائنٹسٹ نے خواب میں سانپ کی طرح سے ہلتے ہوئے دیکھا تھا۔ غالباً وہ Benzene ہے۔ سوچتے سوچتے وہ سو گیا اور خواب دیکھا کہ چار سانپ ہیں وہ ایک دوسرے کو منہ میں پکڑے ہوئے ہیں، دوائی ایجاد ہو گئی۔

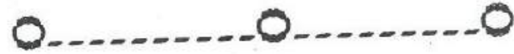
سوال:- صوفیاء کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ مراقبہ کرنے کے بعد وہ دنیا سے Cut off ہو جاتے ہیں، جب کہ اسلام دین و دنیا میں ترقی کا سبق دیتا ہے؟

جواب:- آپ یہ بتائیں کون دنیا سے بیزار ہوا؟ ہمارے جو نامی گرامی بزرگ ہیں، داتا صاحبؒ ہیں، بابا فریدؒ ہیں، خواجہ نظام الدین اولیاءؒ ہیں، بہاء الدین زکریا ملتانیؒ ہیں، لعل شہباز قلندرؒ ہیں، خواجہ غریب نوازؒ ہیں، قلندر بابا اولیاءؒ ہیں، ان کے بارے میں بتائیں، کون دنیا سے Cut Off ہوا۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ہیں، جنید بغدادیؒ ہیں، حسن بصریؒ ہیں، بایزید بسطامیؒ ہیں، امام غزالیؒ ہیں۔ بتایئے کس نے ترکِ دنیا کی؟

میں چھوٹا سا، ٹوٹا پھوٹا روحانی آدمی ہوں۔ عمر کے اس دور میں ہوں جہاں آدمی لاٹھی پکڑ کر چلتا ہے۔ میں لیکچر کے لیے کراچی سے ملتان آتا ہوں، کراچی سے ہر مہینے پیرانہ سالی میں ملتان آنا کیا دنیا سے کٹ جانا ہے۔ میرے بچے بھی ہیں، میرا گھر بھی ہے۔ میں لوگوں کے علاج معالجے کے لیے بھی وقت نکالتا ہوں، کتابیں لکھتا ہوں، روحانی علوم کو پھیلانے کے لیے ملکی اور غیر ملکی دورے کرتا ہوں۔ ڈاکٹروں کی تشخیص کے مطابق، مجھے بلڈ پریشر ہے، شوگر ہے، کولیسٹرول ہائی رہتا ہے، ڈاکٹرز بتاتے ہیں کہ میرے دل کے دو وال بند ہیں۔ میں تو دنیا سے بیزار نہیں ہوں۔ مرشد کریم قلندر بابا اولیاءؒ نے میری ڈیوٹی لگا دی ہے کہ اسلام کی اشاعت کے لیے کام کرنا ہے۔ الحمد للہ! میں اللہ کے بھروسہ پر چل پڑا ہوں۔

یہ سازش ہے اور کچھ نہیں ہے۔ مراقبہ کرنے والا آدمی اتنا فعال ہو جاتا ہے کہ کام کیے بغیر رہ ہی نہیں سکتا۔ وہ مخلوق کے دکھ درد کا مداوا کرتا ہے۔ ٹوٹے گھروں کو جوڑتا ہے، روتوں کو ہنساتا ہے۔ تبلیغ دین کے سلسلے میں قریہ قریہ، قصبوں، شہروں اور ملکوں کے دورے کرتا ہے۔ ٹانگیں معذور ہو جاتی ہیں تو وہیل چیئر پر بیٹھ کر توحید اور رسالت کی دعوت عام دیتا ہے۔ لوگ گالیاں دیتے ہیں، پتھر پھینکتے ہیں، برے برے القاب سے یاد کرتے ہیں، لیکن وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نسبت اور سرپرستی میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا پیغام سناتا رہتا ہے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ



ہر شئے دو رخوں پر تخلیق کی گئی ہے

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ ہر چیز جوڑے جوڑے بنائی گئی ہے۔..... مذکر مؤنث الگ الگ دو ہیں ان سے ایک یونٹ بنا، ایک رخ مذکر ہے، ایک مؤنث ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا..... کائنات میں ہر شے دو رخوں پر تشکیل دی گئی ہے۔

.....زوجین الثنین..... یعنی جوڑے، دوہرے۔

تصوف کے معنی یہ بتائے جاتے ہیں کہ تصوف کا مطلب "تزکیۂ نفس" ہے۔ یہ بات ابھی تک واضح نہیں ہو سکی نفس سے کیا مراد ہے؟....... کیا انسان کی جسمانی ساخت کا مطلب نفس ہے یا انسان کی Thinking یا سوچ یا وچار کا مطلب نفس ہے۔ یا نفس سے مراد اس کی جان ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے نفس کی تشریح کی ہے لیکن وہ اتنی واضح نہیں ہے کہ عام آدمی سمجھ سکے۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ہمارے اسلاف یا بزرگ ان تشریحات سے واقف نہیں تھے؟ وہ ان تشریحات سے واقف تھے۔ داتا صاحبؒ نے بھی کشف المحجوب میں اس کا تذکرہ کیا ہے لیکن بات پوری طرح واضح نہیں ہوئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے بزرگوں نے ادوار کے مطابق بات کی ہے۔ ادوار سے مراد یہ ہے کہ ارتقاء کتنا ہوا۔ جتنی زیادہ ذہنی استعداد بڑھی۔ اسی مناسبت سے انہوں نے باتیں کیں۔

ایک دور تھا کہ انسان کو ستر پوشی کے لیے پتوں کے علاوہ اور کوئی چیز نظر نہیں آئی۔ پھر

ایک دور ایسا آیا اس کو ہم Stone Age کہتے ہیں۔ ہر چیز پتھروں سے بنتی تھی۔ پھر لوہے کا دور آیا، پھر آگ دریافت کر لی گئی، دھاتوں کو پگھلا کر ان سے کام لیا گیا۔ پھر بجلی کا دور آ گیا۔ Electricity کے بعد جو ترقی ہوئی نئی نئی ایجادات سامنے آ گئیں۔ نیوکلیئر سسٹم سے واقفیت ہوئی۔ ایٹم کی تھیوری معلوم ہوئی۔ بہت دیر تک تذکرہ ہوتا رہا کہ ایٹم ٹوٹ سکتا ہے یا نہیں ٹوٹ سکتا، بہر حال ایٹم ٹوٹ گیا۔ الیکٹرون، پروٹون، نیوٹران کا علم حاصل ہوا۔ میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک انسان ارتقاء پذیر ہے، زمانہ ترقی کر رہا ہے۔

ترقی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ چھ فٹ کا انسان نو فٹ کا ہو گیا۔ ترقی کا مفہوم ہے انسان کے ذہن میں وسعت پیدا ہوئی۔ ذہن کے دروازے زیادہ کھلے۔ جیسے جیسے ذہن کے دروازے زیادہ کھلے، علم میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ سائنسی ایجادات کے دور میں ریڈیو بن گیا۔ اس وقت انسانی شعور میں اتنی سکت نہیں تھی کہ اس کو وہ فوراً قبول کر لیتا۔ لوگوں نے مذاق اڑایا۔ ٹیلیفون کے بعد ٹی وی، ٹی وی کے بعد کمپیوٹر ایجاد ہوا۔ یہ دور کمپیوٹر ایج ہے۔

غور کیجئے! آدم علیہ السلام سے لے کر اس زمانے تک اگر ہم نوع انسانی کی تاریخ کا مطالعہ کریں اور نوع انسانی کے شعور کا تجزیہ کریں تو یہی ایک بات سامنے آتی ہے کہ جب سے یہ دنیا بنی ہے یا جب سے آدم علیہ السلام اس دنیا میں تشریف لائے ہیں، نوع انسانی ترقی کر رہی ہے۔ ترقی علم کے حساب سے، ذہن کے حساب سے اور تفکر کے اعتبار سے، ایجادات کے اعتبار سے ہوئی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور کا اگر آپ تقابلی جائزہ لیں تو آدم علیہ السلام کی نسبت عیسیٰ علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کا دور زیادہ ترقی یافتہ تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ دین کی تکمیل ہو گئی۔ یعنی انسانی شعور دین کے معاملے میں جتنا بالغ ہونا چاہیئے تھا

حضور پاک ﷺ کی بعثت کے بعد شعور بالغ اور پختہ ہو گیا۔

تصوف کو متنازعہ مسئلہ بنا دیا گیا ہے۔ تصوف کو لوگ مانتے بھی ہیں، لوگ تصوف کا انکار بھی کرتے ہیں۔ تصوف کے بارے میں بہت ساری غیر اخلاقی باتیں بنائی گئیں۔ لوگوں نے دعوے بھی کیے۔

تصوف کے معنی مفہوم پر عجیب عجیب بحثیں ہوئیں۔ کسی نے کہا تصوف کا مطلب ہے اون کے کپڑے پہن لینا۔ کسی نے کہا یہ لفظ اصحاب صفہ سے نکلا ہے۔ کسی نے کہا تصوف کا مطلب ایک مخصوص گروہ کا مخصوص لباس ہے۔ چونکہ وہ اون کا لباس پہنتے ہیں اس لیے انہیں صوفی کہا جاتا ہے۔

میرے علم کے مطابق تصوف ایک علم ہے۔ جس طرح میڈیکل سائنس ایک علم ہے، جس طرح Maths ایک علم ہے، جس طرح Engineering ایک علم ہے۔ ہر علم کی الگ الگ افادیت ہوتی ہے۔ مثلاً میڈیکل سائنس پڑھ کر آدمی ڈاکٹر بن جاتا ہے اور علم الابدان سے واقف ہوتا ہے، بیماریوں سے واقف ہوتا ہے۔ بیمار لوگوں کا علاج کرتا ہے۔ Engineering ایک سائنس ہے۔ Mechanical Engineering کی الگ فیلڈ ہے۔ Civil Engineering کی الگ ایک افادیت ہے۔ یعنی ہر علم کی اپنی ایک افادیت ہوتی ہے اگر افادیت نہیں ہوگی تو وہ علم ختم ہو جائے گا۔

تصوف ایک علم ہے۔ یہ علم انسان کے باطن اور کائنات کے راز جاننے کا علم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے ہر چیز کو جوڑے جوڑے بنایا یعنی ہر چیز کے دو رخ ہیں ایک مذکر ایک مؤنث، ایک عورت ایک مرد۔ یہ عورت اور مرد، مذکر اور مؤنث انسانوں میں ہی نہیں ہیں، درختوں میں بھی ہیں، پرندوں میں بھی ہیں، چوپاؤں میں بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ہر چیز کے جوڑے بنائے دو ہرے"۔ یہ ایسے کہ ایک مؤنث ہے اس کی تعریف یہ ہوگی کہ اس کے بھی دو

رخ ہیں۔ ایک مذکر ہے، اس کی تعریف یہ ہوگی کہ اس کے بھی دو رخ ہیں۔ تو جب ہر چیز دو رخ پر ہے تو علم کے بھی دو رخ ہیں۔ ایک علم ظاہر ہے ایک علم باطن ہے۔

اسی طرح انسان کے شعور کے بھی دو رخ ہیں۔ ایک ظاہر ہے، جسے ہم بیداری کہتے ہیں۔ ایک باطن ہے، جسے ہم خواب کہتے ہیں۔ انسان جو کچھ بیداری میں کرتا ہے وہی سب خواب میں کرتا ہے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ خواب میں مادی جسم کام نہیں کرتا اور جب ہم بیدار ہوتے ہیں تو خواب میں کام کرنے والا جسم متحرک نظر نہیں آتا۔ کچھ لوگ خواب کو خیال کہتے ہیں۔ اگر ہم خواب کو خیال مان لیں تو خیال کے بھی دو رخ ہیں۔ میں ایک ہی بات کو بار بار اس لیے بیان کر رہا ہوں کہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

ہم بیداری میں چلتے پھرتے ہیں۔ زمین کے اوپر کوئی دہشت ناک منظر ہمارے سامنے آتا ہے تو اس منظر کی دہشت ناکی، ہمیں اس طرح متاثر کرتی ہے کہ ہمارا دل دھڑکنے لگتا ہے، ہمیں پسینہ آنے لگتا ہے، ہم گھبرا جاتے ہیں، وہاں سے بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں۔ خواب میں بھی کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ آدمی ڈر جاتا ہے گھبرا کر اٹھ بیٹھتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ خواب میں Physical Body Involve نہیں ہے تو دہشت سے دل کیوں دھڑکتا ہے، پسینہ کیوں آتا ہے، خوف کیوں محسوس ہوتا ہے؟

ہر انسان زندگی میں ایسے خواب ضرور دیکھتا ہے یا خواب میں ایسے اعمال سرزد ہوتے ہیں کہ اس کے اوپر غسل واجب ہو جاتا ہے۔ جبکہ اس کا مادی جسم Involve نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ غسل واجب کیوں ہوا؟ بغیر غسل کیئے آپ نماز نہیں پڑھ سکتے۔ خلاصہ یہ ہے کہ دونوں علوم یکساں اہمیت رکھتے ہیں۔

علم کی تعریف یہ ہوئی کہ ایک علم ظاہری علم ہے، شعوری علم ہے۔ دوسرا علم باطنی علم ہے، باطنی علم کو ہم لاشعوری علم کہتے ہیں۔ انسان کے اندر شعور کام کرتا ہے اور انسان کے اندر لاشعور

کام کرتا ہے۔ لاشعوری علم باطنی علم ہے اور شعوری علم ظاہری علم ہے۔

ظاہری علوم Fiction ہے۔ یہ بات غور طلب ہے، تمام Students کو ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ ظاہری علوم Fiction ہیں۔ کوئی حقیقت نہیں ہے۔ یہ سب Fiction ہے۔ باطنی علوم Fiction نہیں ہوتے۔ باطنی علوم کو آسمانی صحائف اور قرآن کریم کے مطابق حقیقی کہا گیا ہے اور Fiction علوم ظاہری علوم ہیں۔

اب میں آپ سے کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں۔ آپ ان کا جواب دیں۔ میں نے ابھی وضاحت کی ہے کہ ہر شے کے دُو رخ ہیں۔ Physical Body کے بھی دو رخ ہیں۔

کوئی ایک رخ بتایئے.....جو دو نہ ہوں۔

جی.....؟

غور کریں تھوڑا سا اور سوچ لیں۔

میں عرض یہ کرنا چاہتا ہوں کہ ہر عضو کے دو رخ ہیں۔ اگر کوئی ایک رخ ہو تو بتایئے۔

سر دو ہوتے ہیں، دماغ دو ہوتے ہیں۔ ایک دائیں طرف دماغ ہوتا ہے، ایک بائیں طرف دماغ ہوتا ہے۔ دو آنکھیں ہوتی ہیں۔ ناک کے بھی دو حصے ہیں ایک دایاں ایک بایاں۔ منہ بھی دوہرا ہے۔ حلق بھی دو ہیں۔ درمیان میں کوا لٹکا ہوا ہے۔ دل کے چار خانے ہیں، پھیپھڑے دو ہیں۔ دانت کی بتیسی بھی دو ہیں۔ ہاتھ بھی دو ہیں۔ ٹانگیں بھی دو ہیں۔ معدے کے بھی دو حصے ہوتے ہیں۔ ایک Upper Chamber ہوتا ہے، نیچے کا حصہ الگ ہوتا ہے۔ جگر بھی دو ہوتے ہیں۔

تصوف کا مطلب ہے تفکر کرنا، سوچنا، کھوجنا، تحقیق کرنا۔

اب یہ بات طے ہوگئی ہے کہ انسانی جسم کے دو رخ ہوتے ہیں۔ ہر عضو کے بھی دو رخ ہیں۔ انسان کی سوچ بھی دو رخوں میں کام کرتی ہے۔ ایک سوچ سے اس کو تسکین ملتی ہے اور

ایک سوچ سے اس کے اوپر پریشر پڑتا ہے۔ یہ اسٹریس، ڈپریشن، سوچ ہی تو ہے اور سکون بھی ایک سوچ ہے۔

طے یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ہر تخلیق کے دو رخ ہیں۔ لہٰذا علم کے بھی دو رخ ہوئے۔ علم کا ایک رخ باطنی ہے جو اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو خود سکھایا ہے۔

آدم زاد نے تحقیق و تلاش کے بعد علوم حاصل کیئے۔ نئے نئے فلسفے بنے، اس میں موشگافیاں ہوئیں۔ انسانوں نے سوچ بچار کی، تفکر کیا، تفکر کے نتائج مرتب ہوئے۔ جیسے سائنسی علوم ہیں۔

ہم ڈھائی سال کے بچے کو اسکول میں داخل کرتے ہیں وہ پچیس سال تک اسکول، کالج اور یونیورسٹیوں میں پڑھتا رہتا ہے۔ ان پچیس سالوں میں کہیں بھی باطنی علم کا تذکرہ نہیں ہے، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بچہ جب باشعور ہوتا ہے تو اس کے ذہن میں باطنی علم کا کوئی تصور نہیں ہوتا۔ ظاہری علم میں وہ ماہر ہو جاتا ہے۔ بی اے ہو جاتا ہے، ایم اے ہو جاتا ہے، PH.D ہو جاتا ہے۔ لیکن باطنی علوم میں وہ مبتدی ہوتا ہے۔

جبکہ اسے اس دنیا سے جانے کے بعد باطنی علم کی ضرورت ہے۔

Fiction میں مسلسل تغیر ہوتا رہتا ہے۔ ہر آن ہر لمحہ اس میں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ جب ہر آن اور ہر لمحہ تغیر ہوتا رہے گا تو ہمیں کبھی سکون نہیں ملے گا۔ سکون ایک حقیقت ہے اور سکون تب ملتا ہے جب ہم اپنی باطنی کیفیات اور باطنی صلاحیتوں سے واقف ہوں۔ اطمینان قلب ظاہری کیفیت نہیں ہے۔ اطمینان قلب اس وقت حاصل ہوتا ہے جب ہم Reality میں داخل ہو جائیں۔ حقیقت آشنا ہو جائیں............

جب تک کوئی انسان اپنے باطن سے واقف نہیں ہوگا، اس کو سکون نہیں ملتا۔

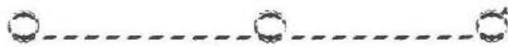
اس سلسلے میں آپ کے ذہن میں کوئی سوال ہو تو پوچھ سکتے ہیں۔

سوال:۔ ہم لوگ باطن سے واقفیت کیسے حاصل کریں، ہمیں سکونِ قلب کیسے حاصل ہو؟

جواب:۔ سکون قلب کا فارمولا اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بیان فرما دیا ہے۔ جو لوگ اللہ کا ذکر کرتے ہیں انھیں اطمینان قلب حاصل ہو جاتا ہے۔ ذکر سے مراد یہ ہے کہ بندہ اپنے خالق کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اللہ کی طرف متوجہ ہونا، اللہ کو ڈھونڈنا، اللہ نے جن صفات پر انسان کو پیدا کیا ہے ان صفات کو تلاش کرنا اور اللہ سے قربت حاصل کرنا۔

اب میں آپ سے پوچھنا چاہوں گا کہ میں ایم اے کس طرح کروں؟.......

آپ کا جواب ہوگا کہ پہلے میٹرک کریں، پھر ایف اے کریں، پھر بی اے کریں، اس کے بعد ایم اے کریں۔ میٹرک کرنے کے لیے اسکول جائیں۔ ایف اے، بی اے کرنے کے لئے کالج جائیں، ایم اے کرنے کے لیے یونیورسٹی جائیں۔ اگر آپ روحانیت میں Ph.D کریں تو وہی طریقہ ہے، جو ایم اے کرنے کا ہے۔ تو اس کے لیے جامی صاحب مجھے کراچی سے بلواتے ہیں تا کہ میں لیکچر ڈلیور کروں۔ میں ضعیف آدمی ہوں، Heart Patient ہوں، یہاں یونیورسٹی میں آتا ہوں تا کہ باطنی علوم کے بارے میں Students کو آگاہی حاصل ہو جائے۔ جتنی زیادہ آگاہی حاصل ہو جائے گی اسی مناسبت سے آپ باطنی علوم سیکھ جائیں گے اور اسی حساب سے آپ کو اطمینان قلب حاصل ہو جائے گا۔ آپ کے اندر سے خوف اور غم نکل جائے گا۔ دنیا اور آخرت دونوں منور ہو جائیں گی۔ اگر سکون نہیں ملا، اپنی روح سے واقفیت نہیں ہوئی تو دین و دنیا دونوں میں خسارہ ہے۔



عزیز طلباء و طالبات! دو دن آپ نے خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کے لیکچر سماعت فرمائے۔ کل انھوں نے فرمایا تھا کہ آج سوال و جواب کی نشست ہوگی۔ میں طلباء و طالبات سے ملتمس ہوں کہ وہ اپنے مختلف سوالات یا اشکالات جو ان کے ذہن میں تصوف کے حوالے سے ہیں بیان کریں خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب موجود ہیں۔

سوالات کریں (پروفیسر ڈاکٹر نور الدین جامی صاحب)۔

سوال:- احسان اور تصوف میں کیا فرق ہے، تصوف کو اسلام میں داخل کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟

جواب:- آپ کا سوال یہ ہے کہ جب اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے تو اس میں کسی دوسرے علم کی آمیزش کی کیا ضرورت ہے؟ یہی سوال ہے ناں۔

جواب: جی ہاں۔

دین اسلام انسانوں کی راہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا مکمل پروگرام ہے۔ نماز کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندے کا تعلق اور ربط قائم ہو جائے۔ ہم جو نماز پڑھتے ہیں اس میں 101 فیصد، 99 فیصد نہیں، 101 فیصد لوگ یہ شکایت کرتے ہیں کہ نماز میں ہمیں خیالات آتے ہیں، نماز میں حضور قلب نہیں ہوتا، نماز میں یکسوئی نہیں ہوتی، یعنی نماز میں ہمارا رجوع اللہ کی طرف نہیں ہوتا۔ روزے کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''روزے کی جزا میں خود ہوں''۔ تمام عبادات کے سلسلے میں ایک عبادت ''روزہ'' ایسا ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے بڑی وضاحت سے کہا ہے کہ روزے کی جزا میں خود ہوں۔ روزے کی جزا میں خود ہوں کا مطلب ہے کہ روزے دار جب روزہ رکھتا ہے، اگر روزے کے آداب پورے ہو جائیں تو اس کے نتیجے میں بندے کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعارف ہو جاتا ہے۔ جب روزے دار روزہ رکھتا

ہے اس کے نتیجے میں بندے کے اوپر اللہ تعالیٰ کی تجلی یا صفت کی رونمائی ہوتی ہے۔

ہم چالیس سال سے روزے رکھ رہے ہیں دیدار تو بہت بڑی چیز ہے روشنی کی ایک رمق بھی نظر نہیں آئی۔ اسی طرح حج ہے۔ ہم حج کے لیے جاتے ہیں، بیت اللہ شریف کا طواف کرتے ہیں۔ لیکن کتنے لوگ ہیں جنھوں نے بیت اللہ شریف میں اللہ کو دیکھا ہے۔ خانہ کعبہ کا طواف کر کے، سعی کر کے اور حج کے ارکان پورے کر کے ہم آ جاتے ہیں۔ کیا ہماری اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوئی ہے؟ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور اس کے ارکان کی صحیح حکمت تک پہنچنا اور ارکان اسلام کو پورا کرنا ہر مسلمان کی ڈیوٹی ہے۔

تصوف اسلام سے الگ نہیں ہے۔ اگر تصوف اسلام سے الگ کوئی چیز ہے تو وہ تصوف نہیں ہے۔

سوال:- آپ نے تصوف کو سائنس قرار دیا ہے۔ دوسرے مفکرین اسلام سے آپکی تحقیقات مختلف ہیں؟

جواب:- مسلم مفکرین میں ہمارے آئمہ شامل ہیں، فقہ کے لحاظ سے بھی بہت سارے لوگ ہیں، جن لوگوں نے احادیث جمع کی ہیں۔ سائنس صرف یہ نہیں ہے کہ ایٹم ٹوٹا یا نہیں ٹوٹا۔ سائنس دانوں نے اصطلاحات قائم کی ہیں، الیکٹرون، پروٹون، نیوٹران وغیرہ۔ سائنس سے مراد تحقیق اور Research ہے۔ میں جب سائنس کا لفظ بولتا ہوں تو میری مراد تفکر اور ریسرچ سے ہوتی ہے۔ تفکر اور تحقیق کا میں نے ایک دفعہ روحانی ڈائجسٹ میں لکھ دیا کہ اللہ سب سے بڑا عالم ہے، سائنسدان ہے۔ میں England گیا مجھے مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ مسلمان بھائیوں نے کہا توبہ توبہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو سائنسدان کہہ دیا ہے، سائنسدان تو کافر ہوتے ہیں۔

تحقیق و تصرف سے ہی ایجادات ہوئی ہیں، اگر کوئی مسلمان ریسرچ کرے، تحقیق کرے تو وہ بھی سائنسدان ہے۔ استغفر اللہ! کیا آپ مسلمان سائنس دان کو کافر کہیں گے؟

انا للہ و انا الیہ راجعون۔

سوال:۔ صوفیوں سے خرق عادت صادر ہوئی ہیں اور غیر مسلموں سے بھی۔آپ بیان فرمائیے کہ صوفی کی پہچان کس طرح ہوگی؟

جواب:۔ پہلے بھی یہ موضوع زیر بحث آیا تھا کہ خرق عادت کا تعلق افتادطبیعت اور مشق سے ہے۔مشق سے بھی خرق عادت ظاہر ہوسکتی ہے۔صوفی حضرات خرق عادت ظاہر کرنے سے طبعاً گریز کرتے ہیں۔ان کے پاس بیٹھ کران کی گفتگوسن کران کے شب وروز دیکھ کراندازہ ہوجاتا ہے کہ اس بندہ کا اللہ سے تعلق ہے۔خرق عادت کا مطلب صوفی نہیں ہے۔صوفی اس کونہیں کہتے جوکرامات دکھائے.....کرامات صوفی دکھا سکتا ہے،لیکن کرامات ہندوبھی دکھا سکتا ہے۔بعض ہندوایسے ہیں کہ جسمانی طور پراُڑ جاتے ہیں اور بہت ساری خرق عادات ان سے ظاہر ہوتی ہیں۔

جیسے حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے بارے میں مشہور ہے کہ ان کے پاس ایک سادھو آیا اور اس نے تصوف کے بارے میں بات کی اور اس نے اپنا کمال یہ دکھایا کہ وہ ہوا میں اُڑ گیا۔خواجہ غریب نوازؒ کھڑاویں پہنتے تھے۔انہوں نے کھڑاووں سے کہا اسے نیچے اتارو۔وہ کھڑاویں اوپر گئیں اس کے سر پراتنی بار پڑیں کہ سادھو نیچے اتر آیا۔

تصوف صرف خرق عادت کا نام نہیں ہے۔تصوف وہ علم ہے جس کے ذریعے بندہ اللہ تعالیٰ سے متعارف ہوجاتا ہے۔

سوال:۔ کیا ہمارا جسم جو پیدا ہوتا ہے اور عمر طبعی پا کر مرجاتا ہے Fiction ہے؟

جواب:۔ ہماراجسمانی نظام سب کا سب Fiction ہے، عارضی اور فانی ہے، مٹی میں مل کر مٹی بن جاتا ہے۔لیکن روح فانی نہیں ہے۔لہٰذا انسان کی اصل جسم نہیں، روح ہے۔

سوال:۔ کیا ہم اللہ تعالیٰ کو بھگوان، God یا اور کسی نام سے پکار سکتے ہیں؟

جواب:۔ اللہ کے بے شمار نام ہیں۔بندہ ہر نام سے اللہ کو پکارتا ہے اور اللہ تعالیٰ پکارنے والے کی آواز سنتے ہیں۔انگریزی میں حساب کو Maths کہتے ہیں، اردو میں حساب کہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کو کوئی God کہتا ہے، کوئی ایل کہتا ہے، کوئی ایلیا کہتا ہے، کوئی برھما کہتا ہے، کوئی یزدان کہتا ہے، کوئی بھگوان کہتا ہے، کوئی رحمٰن کہتا ہے۔بھگوان یا رحمٰن کہنے میں زبانوں کا فرق ہے۔

سوال:۔ کیا بندہ اللہ تعالیٰ سے باتیں کرسکتا ہے۔اس ذات پاک سے ہم کلام ہوسکتا ہے؟

جواب:۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔کوئی بشر نہیں جو اللہ سے ہم کلام ہو سکے مگر وحی کے ذریعہ یا پردے کے پیچھے سے یا قاصد کے ذریعہ یا اللہ جس طرح چاہے۔اللہ جب چاہے جس طرح چاہے اپنے بندوں سے باتیں کرتا ہے۔

ایک ذریعہ وحی ہے کہ آواز آئے۔حضور پاک ﷺ کے ارشاد کے مطابق مکھی کی بھنبھناہٹ کی طرح آواز ہوتی ہے، کبھی وہ جرس اور گھنٹیوں کی طرح آواز ہوتی ہے اور کبھی یوں ہوتا ہے کہ کوئی فرشتہ نازل ہوجائے، یہ بھی ہوتا ہے کہ اللہ کی طرف سے ذہن میں کوئی خیال وارد ہوجائے پردے کے پیچھے سے، یا کسی قاصد کے ذریعے سے۔وحی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ حضرت مریم علیھا السلام پر بھی وحی نازل ہوئی۔حضرت مریمؑ کے پاس فرشتہ آیا، فرشتے نے ان سے باتیں کیں۔

سوال:۔ سچے خواب کی کیا اہمیت ہے۔؟

جواب:۔ سالک کو پہلے سچے خواب آتے ہیں۔خوابوں کے بعد کیفیات شروع ہوتی ہیں۔ان کے اصطلاحی نام ہیں۔غنود، ورود، کشف، الہام، وحی، شہود، مکاشفہ، معائنہ، سیر، فتح، انسلاخ۔ یہ وہ درجہ بندی ہے جو روحانیت میں کسی روحانی آدمی کو حاصل ہوتی ہے۔

سوال:۔ صوفیاء کرام تصوف کو تعلق باللہ کے حوالے سے جانتے تھے۔اب لوگوں نے اس کو طریقہ علاج بنالیا ہے؟

جواب:۔ جن لوگوں نے اس کو طریقہ علاج بنالیا ہے وہ کاروباری لوگ ہیں اور ان کے لیے میڈیکل سائنس سے بھی زیادہ Profitable کام ہے۔کچھ کرنا ہی نہیں پڑتا، ایک انچ کے برابر کاغذ کا تعویز بنادیا۔ 10 روپے سے، 1000 روپے، 5000 روپے تک وصول کرتے ہیں۔ڈراتے ہیں کہ تمھارے اوپر جادو کیا ہوا ہے، تمھارے اوپر ٹونہ کردیا ہے۔وہ ایسی بات کہتے ہیں کہ جس کی تصدیق نہیں ہوسکتی۔مثلاً ڈاکٹر کہتا ہے آپ کو بلڈ پریشر ہے، شوگر ہے، ٹیسٹ کرالیں تصدیق یا تکذیب ہوجائے گی۔جادو کے بارے میں کیسے پتہ چلے؟

صوفی لوگ علاج کرتے ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے بھی علاج کیا ہے۔مثلاً کسی کے اوپر اگر شک ہے جادو کا تو وہ کہتے ہیں آپ سورۃ فلق پڑھ کر، صبح شام پانی پر دم کرکے پیو۔جادو کا اثر ختم ہوجائے گا۔کوئی پیسہ دھیلا نہیں لیتے۔تصوف میں کاروبار نہیں ہے صوفی خالصتاً اللہ کی مخلوق کی خدمت کرتا ہے۔

سوال:۔ اسلام کے خانقاہی نظام میں رہبانیت کی اجازت دی جاتی ہے اور عیسائیت میں بھی رہبانیت ہے تو کیا یہ اسلامی تعلیمات کے منافی نہیں ہے؟

جواب:۔ حضور پاک ﷺ کا ارشاد گرامی ہے..... **لا رھبانیة فی الاسلام** ...... اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔رہبانیت کی اجازت نہیں ہے۔سورۃ مزمل میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''اے اوڑھ لپیٹ کے سونے والے رات کو نماز میں کھڑے رہا کرو مگر کم، آدھی رات، یا اس سے کچھ کم کرلو یا اس سے کچھ زیادہ بڑھا دو، اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو''۔اگر کوئی صاحب عارضی طور پر والدین اور خاندان سے دور ہوکر خانقاہی نظام میں علم سیکھنے آجاتے ہیں تو کون سی

قیامت آگئی۔آپ کیا ہاسٹل میں چار چار سال ماں باپ سے الگ ہوکر نہیں پڑھتے؟ ہاسٹل میں رہنے کو آپ رہبانیت کیوں نہیں کہتے؟ جب آپ ہوسٹل میں رہ کر دنیاوی علوم سیکھنے کے لیے والدین اور خاندان سے دور ہوں تو کیا یہ رہبانیت نہیں اور جب اللہ کا علم سیکھیں رہبانیت ہے۔بات یہ بالکل لایعنی ہے۔یہ بہت بری بات ہے اور اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی ہے، بے ادبی ہے۔

جتنے اولیاء اللہ گزرے ہیں انہوں نے فارغ التحصیل ہوکر شادیاں کی ہیں۔بابا فریدؒ ہیں، خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ ہیں.....انھوں نے پہلے علم حاصل کیا۔بالکل اس طرح جیسے Students یونیورسٹیوں کے ہاسٹل میں رہتے ہیں، کالج میں رہتے ہیں.....جب آدمی ہاسٹل میں رہ کر دنیاوی علوم سیکھتا ہے، اس لیے کہ اس علم کے ذریعہ وہ دنیا کی دولت کماتا ہے....... رہبانیت نہیں ہے؟ خواجہ غریب نوازؒ نے 22 سال خانقاہ میں گزارے، Ph.D بھی بائیس سال میں ہوتا ہے۔بڑے پیر صاحب شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ نے 12 سال خانقاہ میں گزارے۔قلندر بابا اولیاءؒ نے چالیس سال ریاضت و مجاہدہ میں گذارے۔علی گڑھ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی۔شادی کی۔الحمد اللہ دو بیٹے اور دو بیٹیاں حیات ہیں۔دونوں بیٹے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ہماری دنیا کا یہی اصول ہے کہ پہلے ہم علم حاصل کرتے ہیں، بیس پچیس سال تو علم حاصل کرنے میں گذر جاتے ہیں۔اس کے بعد شادی کرتے ہیں۔ دس بارہ سال یا دو تین سال علم سیکھنے کے لیے خانقاہی نظام میں رہنا ضروری ہے۔میں نے 16 سال شب و روز اپنے مرشد کے پاس قیام کیا ہے۔ان سے روحانی علوم سیکھے ہیں۔میں نے مزدوری کی ہے۔کاروبار کیا ہے۔بچوں کو پڑھایا ہے۔بیٹوں اور بیٹیوں کی شادیاں کی ہیں۔ضعیفی کی اس عمر میں بھی دورے کرتا ہوں۔یونیورسٹیوں میں لیکچر دیتا ہوں تقریبات میں شریک ہوتا ہوں۔کیا یہ سب رہبانیت ہے؟......

تصوف میں رہبانیت نہیں ہے۔ یہ تصوف کے خلاف سازش اور نفرت کا اظہار ہے۔
ہندوستان میں آج بھی الحمدللہ اسلام ہے۔ لیکن اسپین میں جہاں ساڑھے سات سو سال مسلمانوں کی حکومت رہی ہے اسلام نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہاں کوئی خواجہ معین الدین چشتیؒ نہیں تھے۔

نقشبندیہ سلسلے کے بزرگ حضرت مجدد الف ثانیؒ صوفی تھے۔ انہوں نے اکبر کے دور میں سجدہ تعظیم ختم کرادیا۔

سوال:- موجودہ دور میں یہ تصور پایا جاتا ہے کہ تصوف عملی زندگی سے دور کردیتا ہے یہ تاثر غلط ہے یا صحیح ہے؟
عظیمی صاحب:- بالکل غلط ہے۔

سؤال کنندہ:- اگر یہ غلط ہے تو آپ کی نظر میں تصوف عملی زندگی کو آگے بڑھانے میں کیا کردار ادا کررہا ہے؟

جواب:- تاریخ بتاتی ہے اور اس سے کوئی آدمی انکار نہیں کرسکتا کہ خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیریؒ کے زمانے میں ہندوستان میں لاکھوں کی تعداد میں لوگ مسلمان ہوئے ہیں۔ جتنے بڑے بڑے سلاطین آئے ان سے اسلام نہیں پھیلا۔ صوفیاء نے پہلے مسلمان کئے پھر علماء کرام نے ان کو تعلیمات دیں۔ اگر تصوف نہ ہوتا یعنی علم باطن نہ ہوتا یا علم حقیقت نہیں ہوتا تو معلوم نہیں اسلام کی کیا پوزیشن ہوتی۔ تاریخ کہتی ہے کہ اسلام پھیلنے میں صوفیاء کا بڑا کردار ہے۔ صوفیاء کرام نے لوگوں کو ایک کرکے، ان کی خدمت کرکے، اخلاق حسنہ کا مظاہرہ کرکے، لوگوں کو مسلمان کیا ہے۔

سوال:- عبادت کے بعد مراقبہ کی کیا ضرورت ہے؟
جواب:- اس لیے کہ مراقبہ کرنے سے انسان یکسو ہو جاتا ہے نماز میں اسے خیالات نہیں آتے۔ جیسے نماز کا ترجمہ Pray ہے، نماز کا ترجمہ عبادت ہے، نماز کا ترجمہ رحمت ہے، نماز کا ترجمہ تسکین ہے۔ نماز میں ''حکمت'' تلاش کرنے کا نام مراقبہ ہے۔ کسی کام کو مکمل یکسوئی کے ساتھ پورا کریں۔ اس کو مراقبہ کہہ سکتے ہیں۔ جہاں یکسوئی نہیں ہوگی وہاں مراقبے کی کیفیات نہیں ہوں گی۔ مراقبہ Concentration کا نام ہے۔ آپ نماز پڑھتے ہیں، دنیا بھر کے خیالات آپ کو آتے ہیں، سلام پھیر دیتے ہیں، کیا آپ اس نماز سے مطمئن ہیں؟..... اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے ''پس خرابی ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نمازوں سے بے خبر ہیں''، یعنی نمازی تو وہ ہیں، لیکن انھیں کچھ پتہ نہیں وہ کیا کررہے ہیں۔..... **فویل اللمصلین** ..... یہاں ماشاء اللہ سارے پڑھے لکھے لوگ ہیں اساتذہ کرام ہیں، پروفیسر سعید صاحب اور جامی صاحب بھی یہاں موجود ہیں۔ اگر یہ بات غلط ہو تو اصلاح کریں۔ مراقبہ ایک ایسا عمل ہے کہ جس کے کرنے سے نماز میں Concentration ہوجاتی ہے۔

سوال:- کل کے لیکچر میں آپ نے کہا تھا کہ ایک ظاہری علم ہوتا ہے، ظاہری علم Fiction ہے بے کار ہوتا ہے؟
جواب:- میں نے یہ کہا تھا کہ ظاہری علم Fiction ہے، بے کار میں نے نہیں کہا۔ بے کار کوئی علم نہیں ہوتا۔ ہر علم کی افادیت ہے۔
سوال کنندہ:- Fiction کا مطلب کیا ہے؟
عظیمی صاحب:- Fiction کا مطلب ہے جس میں علم ردوبدل ہوتا رہے۔ اس میں ہر وقت تغیر ہوتا رہتا ہے اور علم باطن میں تغیر نہیں ہوتا۔

سوال:۔ سلسلہ عظیمیہ کا مشہور سلاسل میں سے کس سلسلہ سے تعلق ہے؟

جواب:۔ سلسلہ کا ترجمہ راستہ، دروازہ اور شاہراہ ہے۔ یہ سلاسل اصل میں ذریعہ ہیں، حضور پاک ﷺ کے دربار تک پہنچنے کا راستہ ہیں۔ البتہ Methods الگ الگ ہیں۔ طریقہ ء کار میں فرق نظر آتا ہے، لیکن فرق نہیں ہے۔ شریعت، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ اختلاف ہو بھی نہیں سکتا کیوں کہ پھر سلسلہ کا مقصد فوت ہو جائے گا۔ کسی نے کہا کہ... یا حیی یا قیوم... زیادہ پڑھ لیں۔ کسی نے کہا... یا اللہ یا رحمن یا رحیم... پڑھیں۔ کسی سلسلہ میں ذکر بالجہر ہے۔ کسی سلسلہ میں ذکر خفی ہے۔ لیکن شریعت سے انحراف نہیں ہے اور اگر کوئی سلسلہ شریعت کے خلاف بات کرتا ہے یا عمل کرتا ہے وہ سلسلہ کامل نہیں ہے۔

سلسلہ ایک Method ہے ایک اسکول ہے۔ اس کے ذریعے آپ یونیورسٹی تک آتے ہیں۔ مثلاً ہم کہتے ہیں اسلام کی یونیورسٹی مدینہ منورہ ہے۔ مدینہ منورہ پہنچنے کے لیے ہمیں میٹرک تک پڑھنا ہے، بی اے کرنا ہے، پھر یونیورسٹی میں داخل ہونا ہے۔ قادریہ سلسلہ، چشتیہ، سہروردیہ، نقشبندیہ، فردوسیہ، ملامتیہ، قلندریہ، عظیمیہ سلسلہ تقریباً دوسو سلاسل ساری دنیا میں ہیں۔ ان سب کا Method یہی ہے کہ آپ اپنی روح کی بالیدگی کس طرح حاصل کریں اور رسول اللہ ﷺ کے دربار تک کس طرح پہنچیں۔ رسول اللہ ﷺ کی معرفت اور اللہ کا عرفان کیسے حاصل کریں۔ توحید و رسالت، ہر سلسلے کا ایک ہی پیغام ہے۔

عظیمیہ سلسلہ چودھویں صدی کا سلسلہ ہے۔ چودہ سو سال میں انسانی ذہن نے ارتقا کیا ہے، Knowledge میں اضافہ ہوا ہے۔ پرانے سلاسل نے اپنے ادوار کے مطابق اسباق متعین کیئے ہیں۔ سلسلہ عظیمیہ اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چل کر موجودہ دور کے مطابق روحانی علوم سکھانے کی پیشکش کرتا ہے۔

اس صدی میں انسانی ذہن تیز ہو گیا ہے، اتنا تیز ہو گیا ہے کہ جن چیزوں کو پہلے

کرامات سمجھا جاتا تھا، وہ عام ہو گئی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ فلاں بزرگ کی یہ کرامت ہے کہ وہ ایک وقت میں سات جگہ نظر آئے۔ اب ٹی وی کی یہ کرامت ہے کہ ایک آدمی ایک کروڑ جگہ نظر آتا ہے۔ اب لاسلکی نظام کے تحت ہزاروں میل دور بات کی جاسکتی ہے، بات کرنے والے کی صورت دیکھی جاسکتی ہے۔ پیر صاحب نے گلاس بھر پانی میں انگلی ہلا دی اور پانی میٹھا ہو گیا۔ اب سکرین سے پانی میٹھا ہو جاتا ہے۔ چھ سات سال کا بچہ کمپیوٹر گیم کھیلتا ہے۔ مسجد میں مولوی صاحب تقریر کر رہے تھے۔ مولوی صاحبان سے معذرت کے ساتھ، مولوی صاحب تقریر کر رہے تھے۔ دنیا پانی پر آباد ہے اور پانی پر ایک تخت رکھا ہوا ہے۔ اس تختے کے اوپر ایک بیل کھڑا ہے اور اس بیل کے ایک سینگھ پر دنیا ہے، جب بیل تھک جاتا ہے تو وہ اپنے ایک سینگھ سے دوسرے سینگھ پر دنیا کو رکھتا ہے اس وقت زلزلہ آتا ہے۔ نو 9 سال کا پوتا کہتا ہے دیکھو ابا جی! مولوی کیا کہہ رہا ہے اور خوب ہنسا۔ چونکہ Knowledge بہت زیادہ ہو گئی، اس لیے حضور پاک ﷺ کے حکم سے، ایک ایسا سلسلہ قائم ہوا جو سائنسی ذہن سے روحانی تعلیمات کو پیش کرے۔ سلسلہ عظیمیہ کا مقصد بھی یہی ہے، جو اکابرین کا تھا اور ہے۔

ایک بات ہمیشہ یاد رکھیں، علم بغیر تربیت کے فائدہ نہیں پہنچاتا۔ آپ کتنا ہی علم سکھا دیں، اگر اس کی تربیت صحیح نہیں ہے تو وہ علم اس کو فائدہ نہیں پہنچائے گا۔ پہلے تربیت ہو گی، پھر علم ہو گا۔ سلسلہ عظیمیہ پہلے تربیت کرتا ہے، پھر روحانی علم سکھاتا ہے اور مقصد وہی ہے جو سارے سلسلوں کا مقصد ہے۔ سالک کو ایسی تعلیمات سے آراستہ کر دیا جائے اور اسکی ایسی تربیت کر دی جائے جو اس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے قریب کر دے اور اس کے اندر اللہ کی مخلوق کی خدمت کا جذبہ کارفرما ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور سارے مسلمانوں کو توفیق دے کہ ہم عشق رسول ﷺ سے سرشار ہو جائیں اور صراط مستقیم پر قائم رہیں۔

O-------O------O

مقصد حیات

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں شیطان مردود سے۔

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

روحانی علوم کے حوالے سے علم کی تشریح تین طریقوں سے کی جاتی ہے۔ ایک حصے کو اجمال یا خلاصہ کہتے ہیں۔ دوسرے حصے کو تفصیل اور تیسرے حصے کو علم کی افادیت یا حکمت کہتے ہیں۔ جب کوئی نئی کتاب لکھی جاتی ہے تو اس میں پہلے کتاب کا نام ہوتا ہے، پھر فہرست ہوتی ہے، پھر دیباچہ ہوتا ہے۔ دیباچہ مصنف یا مؤلف خود لکھتا ہے یا کسی ایسے آدمی سے لکھوایا جاتا ہے جو مصنف اور مرتب کے لیے باعث احترام ہوتا ہے۔ اس کے بعد پھر اس کتاب میں ابواب ہوتے ہیں، عنوانات ہوتے ہیں اور کتاب کے آخر میں پوری کتاب کا مجموعی تاثر ہوتا ہے۔

میں جو کچھ عرض کرنا چاہ رہا ہوں ڈاکٹر جامی صاحب نے اس کا دیباچہ پیش کر دیا ہے۔ روح کے حوالے سے، سائنسی ترقی اور ایجادات کے حوالے سے، عقل وشعور کے حوالے سے، مادی وجود کے حوالے سے اور مقصد حیات کے حوالے سے میں انشاء اللہ اس کی تشریحات بیان کروں گا اللہ تعالیٰ مجھے کامیاب کریں۔ (آمین)

پیدا ہونا انسان کی مجبوری اور ضرورت ہے کیونکہ کوئی انسان پیدا ہوئے بغیر اس دنیا میں نہیں آتا۔ جب انسان پیدا ہوتا ہے تو چھوٹا سا بچہ ہوتا ہے۔ ہاتھ، پیر، دماغ، آنکھ، کان سب اعضا ہوتے ہیں۔ لیکن آنکھ ہونے کے باوجود بچہ اس طرح نہیں دیکھتا جس طرح سال بھر کا بچہ

دیکھتا ہے۔ کان ہونے کے باوجود بچہ اس طرح نہیں سنتا جس طرح ایک دس سال کا بچہ سنتا ہے۔ ہاتھ ہونے کے باوجود بچہ کسی چیز کو اس طرح سے نہیں پکڑتا جس طرح تین سال کا بچہ کسی چیز کو پکڑتا ہے۔ کمر ہونے کے باوجود بارہ سال کا بچہ ڈھائی من کی بوری نہیں اٹھا سکتا۔ اسی صورت سے حلق ہونے کے باوجود بچہ لقمہ نہیں نگل سکتا۔ حالانکہ لقمہ نگلنے کے لیے ذرائع اس کے اندر موجود ہیں۔ کوئی بچہ مقرر نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اس عمر کو نہ پہنچ جائے جس عمر میں تقریر کی جاتی ہے۔ اگر نوزائیدہ بچے کو ماں سے لے کر کسی دوسرے کو پرورش کے لیے دے دیا جائے تو بچہ اصلی ماں کو نہیں پہچانتا۔ جب تک ماں کا تعارف نہ کرایا جائے۔

اگر بچے کی پرورش اچھے ماحول میں نہ ہو تو، ننانوے 99 فیصد اس بات کا امکان ہے کہ بچہ وہی عادات واطوار اختیار کر لیتا ہے جو ماحول میں رائج ہیں۔ اگر اچھے ماحول میں پرورش کا موقع مل جائے تو 99 فیصد اس بات کا امکان ہے کہ بچے کی ذہنی تربیت اچھی ہو جاتی ہے۔ سوچنا یہ ہے کہ جب بچہ کے اندر حواس خمسہ موجود ہیں وہ بالغ آدمی کی طرح ان حواس کو کیوں استعمال نہیں کرتا؟......

میں جو کچھ بول رہا ہوں یہ تقریر نہیں ہے، لیکچر بھی نہیں ہے، آپس میں بات چیت ہے۔ یوں سمجھیں کہ میں آپ کا بڑا ہوں، دادا، نانا ہوں۔ اس لیے کہ میں آپ سے عمر میں بڑا ہوں۔ بڑا ہونے کی وجہ سے آپ سب میرے بچے ہیں۔ میں نے بہاء الدین زکریا یونیورسٹی میں بڑے بچوں کی ایک مجلس سجائی ہے۔ اس لیے کہ میں اپنے بچوں کو کچھ بتانا چاہتا ہوں۔ بچے سوالات کرتے ہیں، آپ بھی سوال کر سکتے ہیں۔ یہ جو کچھ کہا جا رہا ہے اس کے بارے میں پوچھ سکتے ہیں۔

میں نے عرض کیا ہے کہ سارے ذرائع ہونے کے باوجود بچہ حواس کو استعمال نہیں کرتا؟ اس لیے کہ بچے نے حواس استعمال کرنے کا طریقہ نہیں سیکھا۔ کان آوازیں سننے کے ابھی متحمل

نہیں ہوئے جتنی آواز ایک بڑا آدمی سن سکتا ہے۔

میرے بیٹے وقار یوسف عظیمی ماشاءاللہ! پی ایچ ڈی ہیں۔ جب وہ دو مہینے کا تھا اخبار کا صفحہ پلٹنے کی آواز سے وہ چونک گیا، ڈر گیا۔ اسکے شعور میں ابھی اتنی سکت پیدا نہیں ہوئی تھی کہ وہ اخبار کی آواز کو برداشت کر سکے۔ روزمرہ کا مشاہدہ ہے۔ بچے کے سامنے کوئی آدمی زور سے بولتا ہے تو بچہ رونے لگتا ہے۔ آپ نے یہ بھی دیکھا ہوگا اگر بچے کو اچھی نظر سے نہ دیکھا جائے تو وہ پریشان ہوجاتا ہے۔ اگر بچے کو پیار کی نظر سے دیکھا جائے تو بچہ خوش ہوتا ہے، مسکراتا ہے۔ بچہ آپ کو دیکھ کر نہیں ہنس رہا۔ آپ کو ہنستے ہوئے دیکھ کر ہنس رہا ہے۔ آپ بچہ کو پیار کریں خوش ہو گا۔ ہاتھ بڑھادے گا کہ مجھے گود میں لے لو۔ اگر آپ بچہ سے ترش روئی سے پیش آئیں تو بچہ اچھا تاثر نہیں دے گا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ بچے کے شعور میں احساس تو ہے لیکن جوان آدمی کی طرح شعور نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس نے شعوری صلاحیتوں کو استعمال کرنے کا طریقہ ابھی نہیں سیکھا ہے۔ یہ تشریح ہوئی حواس سے متعلق۔

اس دنیا میں رہنے والے ہر انسان کے لیے ضروری ہے کہ زندگی گزارنے کے لیے وسائل مہیا ہوں۔ سب سے پہلے زمین کا موجود ہونا ضروری ہے۔ اگر زمین نہیں ہوگی۔ تو بچہ کہاں رہے گا۔ پلنگ پر لٹائیں گے پلنگ بھی تو زمین پر رکھا ہوا ہے۔ ساتھ ساتھ زندگی کے لیے روشنی ضروری ہے۔ بچے کی پیدائش سے پہلے روشنی موجود ہے، سورج موجود ہے، ہوا موجود ہے، ہوا کے بغیر کوئی آدمی یا کوئی ذی روح زندہ نہیں رہتا۔ پیدا ہونے سے پہلے دودھ موجود ہے۔ چار مہینے تک بچہ کی غذا دودھ ہوتی ہے۔ ماں باپ موجود ہیں۔ گرم و سرد سے بچنے کے لیے گھر کی چاردیواری، چھت، کھڑکیاں ہیں۔ پہننے کے لیے کپڑے ہیں، نہانے کے لئے پانی ہے۔ خدانخواستہ کوئی دکھ درد ہو جائے تو علاج معالجے کی سہولتیں بھی موجود ہیں غرضیکہ زندگی گزارنے

کے لیے جتنے بھی وسائل ضروری تھے سب مہیا ہیں۔ بچے کو اپنے لیے وسائل ڈھونڈنے نہیں پڑتے، وہ مزدوری نہیں کرنی پڑتی، مزدوری کر ہی نہیں سکتا۔

تربیت کے لیے ماحول موجود ہے۔ ماحول میں والدین، عزیز واقربا، بہن بھائی، رشتہ دار ہیں، کنبہ برادری ہے، محلہ ہے، شہر ہے، قوم ہے، ملک ہے، اساتذہ ہیں اور درسگاہیں ہیں۔ آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ بچہ نے پیدا ہوتے ہی اپنا استاد منتخب کرلیا تھا۔ روزگار حاصل کرنے کے لیے وسائل موجود ہیں۔ علم حاصل کرنے کے لیے اسکول، کالج، یونیورسٹی اور کاروبار کرنے کے لیے بازار دکانیں پہلے سے موجود ہیں۔ محنت مزدوری کرنے کے لیے اعصاب میں طاقت ہے۔ معاملہ فہمی کے لیے عقل ہے۔ اگر اس بچے نے فساد برپا کرنا ہے تو زمین پر فساد والا گروہ بھی ہے اور اگر اس بچے نے امن اور شانتی سے دنیا میں رہنا ہے تو اس کے لیے امن اور شانتی والا گروہ بھی کام کررہا ہے۔

مختصراً یہ کہ قدرت نے بچہ کے لیے پہلے سے ہر چیز مہیا کردی ہے۔ بچہ آہستہ آہستہ بڑا ہوتا ہے۔ اس کے حواس میں بالیدگی اور پختگی آتی ہے۔ پہچاننے کی صلاحیت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ سننے، دیکھنے، چھونے، چکھنے اور سونگھنے میں ارتقاء ہوتا رہتا ہے۔ وہ جیسے جیسے بڑا ہوتا ہے اس کے اندر ذہانت زیادہ ہوتی رہتی ہے۔ ایک فرد مذکر بن جاتا ہے، ایک فرد مؤنث بن جاتا ہے۔ پھر یہ دو افراد آپس میں ملتے ہیں۔ ان میں ذہنی ہم آہنگی ہوتی ہے اور اس ذہنی ہم آہنگی سے پھر ایک آدم زاد دنیا میں آتا ہے اور یہ سلسلہ آدم سے لے کر اب تک قائم ہے۔ اس وقت آدم وحوا کی اولاد چھ 6ارب بتائی جاتی ہے۔ میں نے یہ کہانی دنیاوی پہلو سے سنائی ہے۔ اب اس کہانی کو روحانی پہلو سے سنیئے!

ایک بچہ میں آنکھ، ناک، کان، ہاتھ، پیر، دل، گردے، پھیپھڑے، پتہ، لبلبہ، وریدیں، شریانیں، معدہ، سب ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے اندر جان نہیں ہوتی۔ دنیا کے تمام وسائل

ہیں، لیکن بچہ میں جان نہ ہو۔ بتائیے بچے کی کیا Condition ہوگی؟

کیا وہ بچہ سنے گا؟ کیا وہ بچہ دیکھے گا؟ کیا وہ بچہ ماں کا دودھ پیئے گا؟ کیا وہ بچہ کروٹ بدلے گا؟ کیا وہ بچہ اخبار کی آواز سے ڈرے گا؟ کیا اس بچے پر بہت بڑے دھماکہ کا اثر ہوگا؟

..... کیوں اثر نہیں ہوگا؟ اس لیے کہ اس کے اندر زندگی نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ بچے کے اندر اگر زندگی نہ ہو تو اس کے اندر یہ تمام صلاحیتیں نہیں ہونگی۔ وہ بالغ نہیں ہوگا، اسکی شادی نہیں ہوگی، وہ کاروبار نہیں کرے گا۔

حاصل گفتگو!..... یہ ہے کہ Physical Body میں اگر زندگی نہ ہو تو اسکی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ زندگی اگر ہے تو وسائل کام آئیں گے، حواس کام کریں گے، اساتذہ بھی پڑھائیں گے۔ اگر بچہ کے اندر روح نہیں ہے تو اس بچہ کو جو منتوں مرادوں سے اللہ نے ہمیں دیا ہے، ہم خود ہی اپنے ہاتھ سے زمین کھود کر اسے دفن کر دیتے ہیں۔ جو بچہ نو مہینے ماں نے پیٹ میں رکھا، ولادت کی انتہائی تکلیف برداشت کی لیکن اگر اس کے اندر جان نہیں ہے تو ماں بھی رو دھو کر صبر کر لیتی ہے اور باپ بھی صبر کر لیتا ہے اور دونوں اس طرح صبر کر لیتے ہیں کہ بھول جاتے ہیں۔ لیکن اسکے برعکس اگر بچے کے اندر روح ہے تو دل و جان سے عزیز رکھ کر اسکو پالتے ہیں۔ بتائیے! کہ کیا کسی مردہ بچے کو کوئی ماں لیکر بیٹھی رہتی ہے؟

اگر آدمی کے اندر روح ہے تو وہ آدمی ہے، اگر روح نہیں ہے تو خالی قالب ہے۔

ہم ایک بہت عمدہ قیمتی کھلونا لاتے ہیں، چابی دیتے ہیں، وہ اچھلتا ہے، بھاگتا ہے، آوازیں نکالتا ہے، چھلانگ لگاتا ہے۔ چابی ختم ہو جائے تو کیا ہوگا؟ کھلونا گر پڑتا ہے۔ اسی طرح ہمارا مادی جسم ہے۔ اس کے اندر چابی (Energy) ہے، چابی ختم ہو جاتی ہے تو کھلونا مردہ ہو جاتا ہے یعنی روح کے بغیر آدمی مر جاتا ہے۔

☆-----☆-----☆

میرے بچوں! طلبا اور طالبات! محترم اساتذہ کرام، فیکلٹی کے ڈین اور اپنے اپنے شعبوں کے چیئرمین صاحبان!

آپ سب میرے بچے ہیں۔ مجھے انگریزی نہیں آتی تو جب میں انگریزی سیکھوں گا تو استاد مجھے A,B,C,D پڑھائیں گے۔ مجھے A,B,C,D یاد کرنی ہوگی۔ یاد کرنے میں میرے دماغ پر اسکا وزن پڑے گا کیوں کہ میرے لیے انگریزی نیا علم ہے۔ جب کوئی علم نیا ہوتا ہے تو اس کا دماغ پر الگ سے ایک وزن پڑتا ہے۔

بہاء الدین زکریا یونیورسٹی کے اس ہال میں آکر آپ جیسے پڑھے لکھے لوگ نہ بیٹھے ہوں سارے انگوٹھا چھاپ ہوں اور کوئی سائنٹسٹ ایٹم کا فارمولہ بیان کرنے لگے ایٹم کی تھیوری سنانا شروع کر دے تو دماغ پر بوجھ پڑے گا۔ وہ لوگ کہیں گے پتہ نہیں پروفیسر صاحب کیا کہہ رہے ہیں؟..... حالانکہ سائنٹسٹ اردو بول رہا ہے، لیکن چونکہ لوگ اس تھیوری سے واقف نہیں ہیں، اس لیے پہلی بار بوجھ پڑے گا اور دوسری دفعہ کم وزن پڑے گا، تیسری دفعہ، چوتھی دفعہ وزن نہ ہونے کے برابر پڑے گا۔ نتیجے میں لوگ Atom کو جان لیں گے۔

میں آپ سے بار بار سوال کرتا ہوں اس لیے سوال کرتا ہوں کہ آپ کے دماغ پر نئے علم کا اضافی وزن نہ پڑے ایسا نہ ہو کہ آپ سو جائیں۔ میری تقریر میں ایسا بہت ہوتا ہے، لوگ سو جاتے ہیں اور انہیں روحانی علم نیا لگتا ہے۔ روحانی علم اس لیے نیا علم ہے کہ اساتذہ نے ہمیں نہیں پڑھایا، ابا نے، اماں نے نہیں سکھایا۔ پروفیسر صاحبان نے نہیں بتایا۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ میرے مرشد کریم ہیں۔ مجھے الحمد للہ ان کا فیض ملا ہے۔ میں شب و روز ان کی خدمت میں سولہ سال حاضر باش رہا ہوں۔ انھوں نے حضور پاک ﷺ کے حکم سے، ایک کتاب لوح و قلم لکھی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ'' میں یہ کتاب پیغمبر اسلام

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم سے لکھ رہا ہوں اور مجھے یہ حکم بطریق اویسیہ ملا ہے''۔ یعنی رسول پاک ﷺ کی روح مبارک نے ان کو یہ حکم دیا کہ تم نوع انسانی کے لیے، انسانی ارتقا اور شعور کو سامنے رکھ کر کتاب لکھو۔

سائنسی نقطہ نظر سے انسانوں میں ڈھائی سو سال پہلے اتنا شعور نہیں تھا۔ جتنا اب ہے۔ ساٹھ سال پرانی بات ہے، میرے بہنوئی صاحب کلکتے سے ریڈیو لائے، وہ چھوٹے صندوق کے برابر تھا، بیٹری سے چلتا تھا، میرے قصبہ میں بجلی نہیں تھی۔ اس ریڈیو کو سارے بستی والے دیکھنے آئے۔ صحن میں لوگ چاروں طرف بیٹھ کر سنتے تھے۔ حیران ہوتے تھے، آواز کہاں سے آرہی ہے؟

ایک روز ڈرائنگ روم میں ریڈیو بج رہا تھا۔ میں نے اس کے اندر جھانکا کہ آواز کہاں سے آرہی ہے۔ بہت کوشش کی میں اس بندہ کو دیکھوں کہ کون بول رہا ہے میں نے خالہ اماں سے پوچھا،

''یہ آواز کہاں سے آرہی ہے؟ کوئی نظر تو نہیں آتا'' انھوں نے کہا کہ یہ آواز دہلی کی جامع مسجد سے آرہی ہے۔ خالہ اماں دہلی تو بہت دور ہے اتنی دور سے آواز کیسے آتی ہے؟ میں نے پوچھا کیا دہلی کی جامع مسجد میں کوئی کمرہ ہے؟ کہنے لگیں، کمرہ نہیں ہے، وہاں بہت بڑے بڑے بجلی کے تار لٹکے ہوئے ہیں۔ ان تاروں کے قریب جا کر جب کوئی بولتا ہے تو ساری دنیا آواز سنتی ہے۔

مجھے شوق چڑھ گیا کہ دہلی جانا ہے۔ اماں نے ڈانٹا کہ پاگل ہو گیا ہے کیا رٹ لگا رکھی ہے۔ دہلی جانا ہے، دہلی جانا ہے۔ کس کے پاس جائے گا دہلی؟ لیکن میرے اندر تو جیسے مدوجزر آگیا تھا بس ایک ہی سوچ تھی کہ دہلی جانا ہے۔

جب بندہ کا ذہن کسی ایک نقطے پر مرکوز ہو جاتا ہے تو اسے قدرت پورا کرنے کے

وسائل فراہم کر دیتی ہے۔ بڑے کہتے ہیں کہ یہ لوح محفوظ کا قانون ہے۔

تو جناب! ایسا ہوا کہ میں خالہ زاد بھائی کے ساتھ دہلی پہنچ گیا۔ بھائی اپنے کام کاج میں لگ گئے۔ میں ٹرام میں ایک آنہ کرایہ دیکر جامع مسجد پہنچ گیا۔ جامع مسجد لاہور کی شاہی مسجد جیسی ہے میں نے تار ڈھونڈے تو ایک طرف لٹکے ہوئے نظر آگئے۔ موٹے موٹے تار تھے۔ ادھر اُدھر دیکھ کر میں نے زور سے کہا۔ ''خالہ اماں! السّلام علیکم۔ میں شمس الدین بول رہا ہوں۔ دہلی جامع مسجد سے بول رہا ہوں'' آپ ہنس رہے ہیں۔ یہ واقعہ میں نے اس لیے سنایا ہے اس بات کی تصدیق ہو جائے کہ اگر شعور نہ ہو تو انسان کیسی کیسی بیوقوفیاں کرتا ہے۔

دنیا میں کتنا شعوری ارتقا ہو گیا ہے۔ لیکن ہم مسلمان ابھی تک متحد نہیں ہوئے۔ ہر فرقے کی مسجد الگ ہے، دیوبندیوں کی مسجد، بریلویوں کی مسجد۔ اہل حدیث کی مسجد، اہل تشیع کی مسجد۔

میرے محلّہ کی مسجد میں مولوی صاحب گوہر افشانی کر رہے تھے۔ وہ بتا رہے تھے دنیا اللہ نے پانی پر بنائی ہے۔ یہ دنیا پانی پر بنی ہوئی ہے، پانی پر ایک تختہ ہے، تختے پر ایک بیل کھڑا ہوا ہے، دنیا بیل کے سینگھ پر رکھی ہے، بیل کھڑے کھڑے تھک جاتا ہے ایک سینگھ سے دوسرے سینگھ پر دنیا کو اٹھا لیتا ہے تب زمین میں زلزلہ آجاتا ہے۔

حضور پاک ﷺ نے حضرت قلندر بابا ؒ کو حکم دیا کہ سائنسی ذہن کے مطابق روحانیت کے اوپر ایک کتاب لکھو۔ لوح وقلم کے ابتدائی صفحوں میں لکھا ہے۔

ہر انسان زندگی کے نشیب و فراز سے گزرنے کے لئے، سرد وگرم سے اپنی حفاظت کرنے کے لیے لباس بناتا ہے۔ وہ لباس کیڑے کا ہوتا ہے، اون کا ہوتا ہے، کھال کا ہوتا ہے، لباس کسی طرح کا ہو کوٹ ہو، پتلون ہو یا شلوار قمیض ہو۔ جب تک لباس جسم پر رہتا ہے، ہاتھ کے ساتھ آستین ہلتی ہے۔ سر سے ٹوپی اتار کر، جسم پر سے کوٹ اتار کر رکھ دیں اور چاہیں کہ وہ ہلے

یا وہ نہ ہلے لیکن اگر وہ جسم پر ہو گا تو ضرور ہلے گا۔اس کا مطلب ہوا کہ لباس جسم کے تابع ہے۔جسم ہلے گا تو لباس بھی ہلے گا۔جسم میں سے روح نکل جائے تو جسم حرکت نہیں کرے گا۔

جب تک جسم کے اندر روح ہے، جسم لباس کی طرح حرکت کرتا ہے اور جب جسم کے اندر سے روح نکل جاتی ہے تو جسم کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔ جب تک روح جسم کو پہنے رہتی ہے، اس میں حرکت رہتی ہے اور جب روح اس جسم (یعنی لباس) کو اتار کر پھینک دیتی ہے تو آدمی مر جاتا ہے۔

بتائیے! ہماری اصل روح ہے یا جسم؟

آپ سب خواتین وحضرات، طلبا اور طالبات کا جواب ہے کہ ہماری اصل روح ہے اور مادی جسم روح کا لباس ہے یعنی ہمارے مادی جسم کی حیثیت ایک لباس کی ہے جو روح نے پہنا ہوا ہے۔ جب تک روح اسے پہنے رہتی ہے اس میں حرکت رہتی ہے۔ جب روح اسے اتار دیتی ہے تو Dead Body ہو جاتا ہے۔

اس بات کو جن لوگوں نے سمجھ لیا ہے وہ ہاتھ اٹھادیں۔ ماشاء اللہ آپ سمجھدار ہیں، الحمد اللہ تمام حاضرین نے اس بات کو سمجھ لیا ہے کہ مادی جسم دراصل روح کا لباس ہے۔ بہت شکریہ!

عزیز بچو، محترم اساتذہ!

یہ بات طے ہو گئی ہے کہ ہمارے مادی جسم کی کوئی ذاتی حیثیت نہیں ہے۔ یہ ایک لباس ہے۔ایک آدمی زندہ ہے، ایک آدمی مردہ ہے۔ زندہ آدمی کھانا کھاتا ہے۔ مردہ آدمی کھانا نہیں کھاتا۔ زندہ آدمی کپڑے پہنتا ہے، اپنی مرضی سے اتار دیتا ہے اور مردہ آدمی کپڑے نہیں پہنتا۔ زندہ آدمی چلتا پھرتا ہے، مردہ آدمی چلتا پھرتا نہیں ہے۔ جو آدمی زندہ ہے وہ کھانا کھاتا ہے، سوچ کر بتائیے کہ کھانا جسم کھاتا ہے یا روح کھاتی ہے؟

ابھی سبق یاد نہیں ہوا دوبارہ دہراتے ہیں۔ زندہ آدمی کھانا کھاتا ہے، مردہ آدمی کھانا نہیں کھاتا۔ مردہ آدمی کھانا کیوں نہیں کھاتا، اس لیے کہ اس کے اندر روح نہیں ہے۔ تو کھانا کس نے کھایا جسم نے یا روح نے؟ آدمی دوڑتا نہیں ہے کیوں؟......اس لیے کہ اس کے اندر روح نہیں ہے۔ بتائیے! روح دوڑ رہی ہے یا جسم دوڑ رہا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے۔ میں نے مٹی سے آدم کا پتلہ بنایا۔ اللہ فرماتے ہیں میں نے آدم کو بجتی مٹی سے بنایا ہے۔ آدم کو خلا سے بنایا اور میں نے اس کے اندر اپنی روح پھونک دی۔

روح اللہ کی جان ہے۔ اللہ کی جان سے مراد اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ دیکھنا اللہ کی ایک صفت ہے۔ سننا اللہ کی صفت ہے۔ اللہ نے بندوں کو سننے کی صفت عطا کی ہے۔ پکڑنا اللہ کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات بندوں میں منتقل کیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ انسان اشرف المخلوقات اس لیے ہے کہ وہ دیکھتا ہے، سنتا ہے، پکڑتا ہے تو سب جانور دیکھتے سنتے ہیں۔ بلی دیکھتی ہے، بلی سنتی ہے، بلی اپنے بچوں کو دودھ پلاتی ہے، بلی اپنے بچوں کی حفاظت کرتی ہے۔

میں نے بچپن میں مرغیاں پال رکھی تھیں۔ مرغی کے بہت سارے بچے تھے۔ چھوٹے چھوٹے چوزوں کو مرغی، صحن میں اپنے ساتھ لے جاتی تھی، بڑی شان سے چلتی تھی، پیچھے پیچھے بچے پھدکتے ہوئے بہت اچھے لگتے تھے۔ ایک دن چیل زور سے بولی تو مرغی نے 'کڑ کڑ کی' ایک مخصوص آواز نکالی اور پر پھیلا دیئے۔ سارے بچے دوڑ کر اس کے پروں میں چھپ گئے اور مرغی اپنے بچوں کو پروں میں چھپا کر بیٹھ گئی۔ دو چار شریر بچے مرغی کے پروں سے باہر آئے...

''کڑوک'' مرغی نے ڈانٹا اور چونچ سے بچوں کو پروں میں سمیٹ لیا۔

یہ اس لیے ہوا کہ مرغی میں ماں کی مامتا تھی۔ وہ اپنے بچوں کی اسی طرح حفاظت کر رہی تھی جس طرح ماں اپنے بچوں کی حفاظت کرتی ہے۔ مرغی میں، بکری میں اور انسان میں کیا فرق

ہوا؟ ماما جانور میں بھی ہے۔ اگر عقل نہ ہوتی تو مرغی بچوں کو پروں میں سمیٹ کر بچوں کی حفاظت نہ کرتی۔ فرق یہ ہے کہ جانور اللہ کی صفات کا علم نہیں سیکھ سکتے اور انسان یہ علم سیکھ لیتا ہے
''اور ہم نے انسان کو وہ علوم سکھادیے جو وہ نہیں جانتا تھا''۔

انسان تمام مخلوق سے اس لیے ممتاز ہے کہ وہ حقیقت سے وقوف حاصل کرسکتا ہے۔
انسان اگر روح سے واقف نہیں ہوگا وہ کتنا ہی بڑا Scientist بن جائے اسکی حیثیت اشرف المخلوقات کی نہیں ہوگی۔

میں مشورہ دیتا ہوں کہ آپ دنیاوی علوم حاصل کیجئے۔ اس لیے کہ دنیاوی علوم اگر حاصل نہیں کریں گے تو آپ کی ذہنی صلاحیتیں نہیں بڑھیں گی۔ جب تک آپ دنیاوی علوم نہیں سیکھیں گے۔ آپ کے اندر صلاحیتوں میں اضافہ نہیں ہوگا۔ دنیاوی علوم کے ساتھ ساتھ روحانی علوم ضرور سیکھیں تاکہ آپ حیوانات سے ممتاز ہو جائیں۔ (آمین)

☆-----☆-----☆

روح کا علم

اعوذباللہ من الشیطن الرجیم ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔

آج کے لیکچر کا موضوع ہے روح کیا ہے، کیا انسان روح کا علم سیکھ سکتا ہے؟

ترجمہ:

''ہمارے محبوب بندے ﷺ یہ لوگ آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ فرمادیجیے روح میرے رب کے امر سے ہے۔.....اور روح کے بارے میں جو علم دیا گیا ہے، وہ قلیل ہے''۔........ایسا نہیں ہے کہ روح کے بارے میں علم نہیں دیا گیا۔ روح کے بارے میں علم تو سکھایا گیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے قلیل علم عطا کیا ہے۔

روحانیت کے بارے میں دو مکاتب فکر ہیں۔ ایک مکتبہ فکر کہتا ہے کہ تصوف ایسا اسکول یا راستہ ہے، جس میں داخل ہوکر آدمی دنیا بیزار ہو جاتا ہے۔ معاملات د سائل اور مشکلات اور پیچیدگیوں کا کیونکہ وہ مقابلہ نہیں کرسکتا اس لیے وہ دنیا سے فرار اختیار کر کے صوفی بن جاتا ہے۔ وہ کاہل الوجود انسان بن کر دنیا میں زندگی گذارتا ہے۔ تصوف ایک نشہ ہے آدمی اس نشہ میں ست اور کاہل بن جاتا ہے۔ آسائش و آرام کے لیے مرید جمع کر لیتا ہے اور ان سے خدمت لیتا ہے۔ لوگوں کو بیوقوف بنا کر نذرانے وصول کرتا ہے۔

دوسرا طبقہ کہتا ہے۔ روحانیت ایک مکمل علم ہے اور جو لوگ روحانی علوم سیکھ لیتے ہیں ان کے اندر اضافی عقل آجاتی ہے اور ان کے شعور میں ایسی بالیدگی پیدا ہو جاتی ہے جو عام انسان میں نہیں ہوتی۔ بلکہ پڑھے لکھے لوگوں میں بھی شعور کی اتنی بالیدگی نہیں ہوتی جتنی بالیدگی روحانی

ہے۔ یہاں انسان کو اس لیے بھیجا گیا ہے کہ اس کی کچھ ذمہ داریاں ہیں۔ اس کو اس دنیا میں اچھائی اور برائی کا تصور دے کر بھیجا گیا ہے۔ اچھائی اور برائی کے تصور میں یہ بتا دیا گیا ہے۔ یہ باتیں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی پسندیدہ ہیں اور یہ باتیں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے لیے ناپسندیدہ ہیں۔ جو ناپسندیدہ باتیں ہیں وہ سب کی سب برائی ہیں اور اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے لیے جو باتیں پسندیدہ ہیں وہ سب کی سب اچھائی ہیں۔ اگر تم اچھے اعمال کرو گے تو یہاں بھی خوش رہو گے، یہاں بھی پرسکون رہو گے اور اگر تم اچھے اعمال نہیں کرو گے تو یہاں بھی بے سکون رہو گے اور مرنے کے بعد کی زندگی بھی انتہائی اذیت ناک اور دردناک ہوگی۔

تصوف راہنمائی کرتا ہے کہ انسان کو مرنے سے پہلے، مرنے کے بعد کی زندگی سے واقف ہونا چاہیئے۔ جس طرح آپ مختلف علوم سیکھتے ہیں...... اسی طرح ایک علم روحانیت بھی ہے۔ تصوف میں دل کی حقیقت کیا ہے؟ مائنڈ کیا ہے؟ وہ توانائی کیا ہے جس سے انسان زندہ رہتا ہے؟ ان تمام سوالوں کے جواب ملتے ہیں۔

ایک گھر میں دس آدمی رہتے ہیں۔ ایک آدمی مر جاتا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ آکسیجن ختم ہونے سے آدمی مر جاتا ہے۔ ایک آدمی کیوں مرا؟ جبکہ گھر میں نو آدمی زندہ ہیں۔ نو آدمی زندہ ہیں کا مطلب یہ ہے کہ گھر میں آکسیجن موجود ہے۔ پھر ایک آدمی کے لیے آکسیجن کیوں ختم ہو گئی؟ یہ کیسی منطق ہے۔ انسان روز یہ تجربہ کرتا ہے بیداری کی زندگی سے اس کا تعلق ٹوٹ جاتا ہے۔ اس کے باوجود وہ خواب میں چلتا پھرتا ہے، کھاتا پیتا ہے، ڈرتا ہے خوف زدہ ہوتا ہے اور خوش ہوتا ہے، تھکان محسوس کرتا ہے۔ یہی عمل وہ بیداری میں بھی کرتا ہے۔ ایک بلی میں اور انسان میں اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے کہ بلی کو بھوک لگتی ہے انسان کو بھی بھوک لگتی ہے، بلی کے بچے ہوتے ہیں، بلی اپنے بچوں کو دودھ پلاتی ہے، آدمی کی ماں بھی اپنے بچوں کو دودھ پلاتی ہے۔ والدین اپنے بچوں کی تربیت کرتے ہیں، بلی اپنے بچوں کو شکار کرنا سکھاتی ہے۔ اگر انسان

کے اندر شعور ہے، تو بلی کے اندر بھی شعور ہے۔ اگر انسان کو سردی لگتی ہے تو بلی کو بھی سردی لگتی ہے۔ انسان بیمار ہوتا ہے تو بلی بھی بیمار ہوتی ہے۔ پھر کون سی وہ چیز ہے جو انسان کو حیوانات سے ممتاز کرتی ہے؟

سمجھا یہ جاتا ہے کہ انسان کو جو چیز حیوانات سے ممتاز کرتی ہے وہ علم کا حصول ہے۔ ایسا علم جس سے انسان کے اندر اضافی عقل پیدا ہو۔

جب ہم شعور کی طرف دیکھتے ہیں اور جانوروں کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو بہت ساری باتیں ایسی ہیں کہ جانور انسانوں سے زیادہ باشعور نظر آتے ہیں۔ کتے میں سونگھنے کی حس انسان سے بہت زیادہ ہے۔ انتہا یہ ہے کہ انسان مجرم لوگوں کو پکڑنے کے لیے کتوں کی مدد لیتا ہے، کتوں سے تعاون حاصل کرتا ہے۔ کتوں کی قیمت گیارہ گیارہ، بارہ بارہ لاکھ روپے ہوتی ہے۔ بہت سارے انسان ایسے ہیں جو پاگل ہوتے ہیں۔ بہت سارے انسان ایسے ہیں جن میں شعور برائے نام ہوتا ہے۔ بہت سارے انسان ذہین ہوتے ہیں۔

انسان کا شرف روحانی نقطۂ نظر سے یہ ہے کہ انسان کو سب سے پہلے اپنی زندگی کا مقصد معلوم ہونا چاہیے، کہ ہم اس دنیا میں کیوں آئے ہیں؟ انسان کو اس بات کا ادراک ہونا چاہیئے کہ انسان کا خالق کون ہے؟ اگر خالق اور مخلوق کے رشتے کے بارے میں انسان کو علم نہیں ہے تو اس کی حیثیت ہرگز حیوانات سے ممتاز نہیں ہے۔ مذہبی دانشوروں کا ایک طبقہ کہتا ہے کہ مخلوق اللہ کو دیکھ نہیں سکتی۔ یہ بات قرآن میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ

میں تمھاری رگ جان سے زیادہ قریب ہوں...... ...”جہاں تم چار ہو وہاں میں پانچواں ہوں۔ جو تم کرتے ہو میں جانتا ہوں۔ جو تم چھپاتے ہو وہ میں دیکھتا ہوں۔ میں ہی تمھاری ابتدا ہوں میں ہی تمھاری انتہا ہوں۔ میں ہی تمھارا اول ہوں میں ہی تمھارا آخر ہوں۔ تم میری سماعت سے سنتے ہو۔ تم میری بصارت سے دیکھتے ہو۔ تم میرے فواد سے سوچتے ہو۔ میں

تمھارے نفسوں میں ہوں تم مجھے دیکھتے کیوں نہیں؟

ہمارے حواس اسی وقت کام کرتے ہیں جب ہمارے اندر روح موجود ہو۔ایک طبقہ کہتا ہے کہ روح کا علم حاصل نہیں ہوسکتا۔جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں روح کا علم دیا گیا ہے مگر قلیل۔اللہ نے روح کا جو علم دیا ہے وہ قلیل ہے اللہ کا دیا ہوا قلیل علم بھی سمندروں سے زیادہ کثیر اور وسیع ہے۔کیونکہ لامحدود کا قلیل بھی لامحدود ہوتا ہے۔

تصوف یہ گرہ کھولتا ہے کہ انسان روح کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور روح اللہ تعالیٰ کا امر ہے۔

ترجمہ: ہم نے آدم کے پتلے میں اپنی روح میں سے روح ڈال دی۔ہم نے اس کے اندر اپنی روح میں سے روح پھونک دی۔ ہر انسان کے اندر اللہ تعالیٰ کی روح موجود ہے۔اگر کوئی انسان پڑھ لکھ کر بڑے سے بڑا سائنسدان بن جائے اور روحانی علوم حاصل نہ کرے تو اسے علم تو حاصل ہو جائے گا لیکن شرف حاصل نہیں ہوگا۔

تصوف میں جادو ٹونہ، بھوت پریت وغیرہ کا علم روحانیت کی مبادیات تو ہو سکتی ہے اس لیے کہ کسی نہ کسی صورت اس کا ماورائی دنیا سے تعلق ہے۔لیکن اصل روحانیت یہ ہے کہ کوئی انسان اپنی روح سے، اپنی ذات سے کتنا واقف ہے۔انسان جتنا اپنی ذات سے، اپنی روح سے واقف ہو جاتا ہے، اسی مناسبت سے وہ اللہ تعالیٰ سے واقف ہو جاتا ہے۔رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے......... کہ جس نے اپنی نفس (ذات) کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

یعنی اللہ تک رسائی حاصل کرنے کے لیے، اللہ کی قربت حاصل کرنے کے لیے، اللہ سے ہم کلام ہونے کے لیے اور اللہ کو دیکھنے کے لیے، اللہ کے سامنے اپنی عرض معروضات پیش کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان اپنی روح سے واقف ہو۔اگر آدمی اپنی روح سے واقف نہیں ہوگا تو اس کا اللہ سے رابطہ قائم نہیں ہوگا۔ان معروضات کے بعد.....عرض ہے کہ طلبا اور طالبات تصوف کے بارے میں سوال کر سکتے ہیں تاکہ شکوک وشبہات دور ہو جائیں۔

سوال:- روح کو جاننے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب:-ایک بی بی نے سوال کیا ہے کہ روح کو پہچاننے کا کیا طریقہ ہے۔اگر کوئی یہ سوال کرے کہ عظیمی صاحب آپ خود کو کیسے پہچانیں گے، میرا جواب یہ ہوگا کہ میں گوشت پوست کا آدمی ہوں، میرے ہاتھ ہیں، پیر ہیں، دماغ ہے، آنکھیں ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ میں اپنے آپ کو محسوس کر سکتا ہوں کہ میں ایک جان ہوں۔روح کے بارے میں جب ہم غور کرتے ہیں کہ روح کیا ہے تو ہمیں ایک ہی جواب ملتا ہے کہ روح کے بغیر ہم زندہ نہیں رہ سکتے۔

بہت غور سے آپ سنیں۔روح کیا ہے؟ ہم سب روح ہیں۔صرف جسم نہیں ہیں۔اس لیے کہ جب روح جسم سے اپنا رشتہ توڑ لیتی ہے تو جسم میں زندگی اور حرکت ختم ہو جاتی ہے۔مثلاً ایک آدمی چل رہا ہے، تقریر کر رہا ہے، اس کو Heart Attack ہو گیا۔وہ مر گیا اب وہ کچھ نہیں کر سکتا؟

بتایئے! کیا وہ کچھ کر سکتا ہے؟

کیا آپ اسے انسان یا آدمی کہیں گے؟

نہیں کہیں گے......کیوں نہیں کہیں گے؟

اس لیے کہ اس کے اندر زندگی کے آثار ختم ہو گئے۔انسان وہ ہے جس کے اندر زندگی کے آثار موجود ہوں۔اگر زندگی کے آثار ختم ہو گئے تو وہ انسان نہیں رہا۔ایک لاش ہے۔

سننا، دیکھنا، محسوس کرنا.....حواس کا موجود ہونا ہے۔

حواس کی موجودگی کب تک رہتی ہے؟

طلبا اور طالبات سے درخواست ہے کہ وہ بتائیں۔

جب تک جسم میں روح ہوتی ہے۔

اگر روح نکل جائے؟.....حواس بھی ختم ہو جاتے ہیں۔

ہمارا جسم اصل ہے یا ہماری روح اصل ہے؟

ہماری اصل روح ہے۔

تو ہم سب کیا ہیں؟..... یہاں جتنے لوگ بیٹھے ہیں وہ کیا ہیں اصل ہیں یا نقل ہیں؟

ہم سب اصل میں روح ہیں۔ روح جب تک ہمارے اندر ہے ہم سب کچھ ہیں۔ روح نہیں ہے تو ہم کچھ نہیں ہیں صرف Dead Body ہیں ..... میں بات کر رہا ہوں، بول رہا ہوں، ابھی میں مر جاتا ہوں۔ میرا دم نکل جاتا ہے تو میں نہیں بول سکتا۔

میرے دوستو!

ہم سب روح ہیں۔ روح نے ایک Medium بنا رکھا ہے، لبادہ اوڑھ رکھا ہے، برقع اوڑھ لیا ہے۔ ایک ایسا برقع اوڑھ لیا ہے کہ کان میں کان، ناک میں ناک، آنکھ میں آنکھ، ہاتھوں میں ہاتھ، ٹانگوں میں ٹانگ چھپی ہوئی ہے۔ پورے جسم کو روح نے برقع بنا لیا ہے، لبادہ اوڑھ لیا ہے یا لباس پہن لیا ہے۔ تو ہماری اصل کیا ہے؟..... سب لوگوں کا جواب ہے کہ ہم روح کے علاوہ کچھ نہیں ہیں۔ جب ہم نے یہ سمجھ لیا کہ ہم روح کے علاوہ کچھ نہیں ہیں تو قدرتی طور پر ہمارا ذہن اس طرف جاتا ہے کہ روح سے ہمارا رابطہ ہونا چاہیئے، ہمیں روح کو دیکھنا چاہیئے۔ روح چونکہ پردے میں ہے اس لیے روح ہمیں نظر نہیں آتی۔ لیکن جب اس بات کا یقین حاصل ہو جائے گا کہ سب کچھ روح ہے تو ہم روح سے رابطہ کریں گے۔ ہمہ وقت روح سے انسان کا رابطہ رہتا ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں۔ آپ تھکان محسوس کر رہے ہیں۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ علم روحانیت آپ کے لیے نیا ہے۔ کوئی نئی بات سننے سے دماغ پر وزن پڑتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ کوئی بات سمجھ میں نہ آئے ہر بات سمجھ میں آ جاتی ہے۔ ایک دفعہ، دو دفعہ، تین دفعہ سنا جائے یا دہرایا جائے تو ذہن پر بوجھ نہیں پڑتا۔

جب انسان سو جاتا ہے تو بیداری کے حواس معطل ہو جاتے ہیں۔ لیکن ہمارا تجربہ ہے

کہ جسم کے اندر سے ایک اور جسم نکلتا ہے۔ وہ جسم کھاتا بھی ہے، پیتا بھی ہے، دہشت ناک منظر کو دیکھ کر دہشت زدہ بھی ہو جاتا ہے۔ کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ خواب میں دہشت ناک منظر دیکھ کر آدمی خوفزدہ ہو جاتا ہے اور اس کے دل کی رفتار تیز ہو جاتی ہے..... پسینہ میں شرابور ہوتا ہے اور کئی دفعہ خواب میں اچھا منظر نظر آتا ہے تو آدمی خوش ہوتا ہے کہ میں نے باغ دیکھا ہے، باغ میں پھول دیکھے ہیں، فوارے دیکھے ہیں، آبشار دیکھی ہے، میں نے برف گرتے ہوئے دیکھی ہے، میں نے خوبصورت پرندے دیکھے ہیں۔

اس کا کیا مطلب ہوا؟

اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان کے حواس جسم کے بغیر بھی کام کرتے ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی میں آدھا حصہ روح سے دوری میں گزارتا ہے اور آدھا حصہ روح سے قربت میں گزارتا ہے۔ اگر انسان خواب کی زندگی کو سمجھ لے جو اس کی اپنی زندگی ہے، تو وہ بڑی آسانی کے ساتھ روح سے واقفیت حاصل کر لیتا ہے۔

خواب کی زندگی میں کیا ہوتا ہے؟

خواب کی زندگی میں یہ ہوتا ہے کہ آدمی بیداری کی زندگی سے دور ہو جاتا ہے یا بیداری کی زندگی سے عارضی طور پر، دس، بارہ گھنٹے تک اس کا تعلق ختم ہو جاتا ہے۔ اگر انسان بیداری میں اس تعلق کو عارضی طور پر ختم کرنا چاہے تو اس کا بہترین طریقہ مراقبہ ہے۔ مراقبے میں جب ہم بیٹھتے ہیں تو جسمانی زندگی سے عارضی طور پر تعلق ٹوٹ جاتا ہے۔ جیسے جیسے مراقبے کی Practice بڑھتی ہے، بیداری میں بھی روح سے واقفیت حاصل ہو جاتی ہے۔ مراقبے کے ذریعے انسان اپنی روح سے واقف ہو سکتا ہے اور مراقبے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی دنیاوی معاملات سے یکسو ہو کر، الگ تھلگ ہو کر پہلے وضو کرے تا کہ اس کو پاکیزگی حاصل ہو، پھر درود شریف پڑھے، پھر اللہ کا نام پڑھے ''یا حی یا قیوم''، اور اس کے بعد آنکھیں بند کر کے بیٹھ

جائے۔ جیسے جیسے وقت گزرے گا، اسی مناسبت سے انسان اپنی ذات سے، اپنی روح سے واقفیت حاصل کرلے گا۔

سوال:- میرا سوال یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دور میں اور خلفاء راشدینؓ کے دور میں کیا ایسے Institutions تھے جہاں روحانی علوم سکھائے جاتے تھے؟

جواب:- سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سارا دور ہی Institution ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی قربت سے صحابہ کرامؓ اور خلفاء راشدین کے دل نورِ نبوت سے روشن تھے اس لیے انھیں الگ کسی Institutions کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ لیکن جب اسلام میں بہت ساری مصلحتیں شامل ہونے لگیں، جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہے، اس کے بعد روحانی Institutions قائم کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ لوگ رسول اللہ ﷺ سے قرآن پاک سنتے تھے اور حفظ کر لیتے تھے۔ جہاں سورج ہوتا ہے وہاں روشنی از خود ہو جاتی ہے۔ جب سورج غروب ہو جاتا ہے پھر روشنی کی ضرورت پڑتی ہے۔ مراقبے کا مطلب ہے، کسی چیز کو متوجہ ہو کر سمجھنا، ذہن نشین کرنا اور اس کی حکمت کو جاننا..... صحابہ کرامؓ رسول اللہ ﷺ سے جب کوئی حدیث سنتے تھے اور قرآن پاک کی آیت سنتے تھے تو وہ متوجہ ہو جاتے تھے۔ مرکزیت حاصل ہونے کی وجہ سے حدیث کا مفہوم اور قرآن کی حکمت ان کے ذہنوں میں نقش ہو جاتی تھی۔

سوال:- اللہ تعالیٰ نے اتنی بڑی کائنات بنائی ہم اس دنیا میں آئے۔ ہمیں جنت اور دوزخ کے بارے میں بتا دیا گیا۔ اگر ہم اچھے کام کریں گے تو جنت ملے گی اور اگر نافرمانی کریں گے تو دوزخ میں جائیں گے۔ اگر ہم اللہ کو سمجھنا چاہیں، یا کائنات کو سمجھنا چاہیں تو ہمیں کیا کرنا ہوگا؟

جواب:- دیکھیے بی بی! بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں جنت اور دوزخ کا تذکرہ فرمایا ہے وہاں یہ بات بھی بتادی ہے کہ جنت ان لوگوں کو عطا کی جائے گی جو اللہ کے دوست ہیں۔ اللہ کی

باتوں کو سمجھیں گے اور اللہ کے احکامات کی تعمیل کریں گے۔ یعنی جو کچھ وہ کریں گے اللہ کے لیے کریں گے۔ جب آپ اللہ کے لیے کوئی کام کریں گے تو یہ اللہ کو ہی سمجھنے کا ایک عمل ہوا۔ ہر کام کا قاعدہ قانون ہوتا ہے۔ ہم کوئی ایجاد کرتے ہیں پہلے ہم اس ایجاد کے بارے میں سوچیں گے پھر ایک طریقۂ کار وضع کر کے تحقیق و تلاش کرینگے اور جس چیز سے ایجادات عمل میں آتی ہیں اس کا بھرپور علم حاصل کریں گے۔ یہی قاعدہ قانون کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے۔
دوزخ ان لوگوں کے لیے ہے جو اللہ کے احکامات کی تعمیل نہیں کرتے۔ جنت ان لوگوں کا مقام ہے جو اللہ کے دوست ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر نورالدین جامی صاحب:- میرا خیال ہے کہ کافی گفتگو ہو چکی ہے، میں آخر میں سب احباب کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ میں پروفیسر ڈاکٹر شفقت اللہ صاحب کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ وہ اپنے طلبا کے ساتھ شعبہ عربی سے تشریف لائے اور انھوں نے یہ لیکچر سماعت فرمایا۔ اس موقع پر میں خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ وہ لیکچر کے لیے کراچی سے تشریف لائے اور انھوں نے اپنا قیمتی وقت ہمیں دیا۔

☆------☆------☆

روح کا لباس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اساتذہ کرام، طالبات اور طلبا!

السلام علیکم۔

آج کی کلاس میں جسم و جان کے رشتے کے حوالے سے ہمیں قرآن پاک سے راہنمائی لینی ہے۔قرآن پاک جسم کے بارے میں کیا وضاحت کرتا ہے اور قرآن پاک میں روح کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کیا ارشاد کیا ہے۔آج روح اور مادی جسم کے سلسلے میں جو اشکال اور متشابہات ہیں یا پریشانیاں لاحق ہیں، ہم سب ان کے بارے میں غور و فکر کریں گے۔انشاء اللہ!

.........سوال کرنے اور جواب سننے میں فائدہ یہ ہے کہ سوال کرنے والے کو معلومات حاصل ہو جاتی ہیں جبکہ جواب دینے والے کے علم میں اضافہ ہوتا ہے۔اس لیے کہ نئے نئے سوالات اور ان کی تشریحات لیکچرار کے لئے علمی سرمایہ بن جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں انسانی جسم کا تذکرہ فرمایا ہے کہ انسان کو مٹی سے تخلیق کیا ہے۔یہ بھی فرمایا ہے کہ گندھے، سڑے ہوئے، تعفن والے گارے سے پیدا کیا ہے۔یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جس مٹی سے انسان کو پیدا کیا ہے وہ بجنی مٹی ہے۔بجنی سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو خلا سے پیدا کیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسان کا پتلا بنایا اور اس پتلے کے اندر اپنی روح پھونک دی۔جب انسان کے اندر جان پڑ گئی تو انسان میں حواس متحرک ہو گئے۔غور کیجئے تو ساری زندگی حواس پر مشتمل ہے۔سننا، دیکھنا، محسوس کرنا، چکھنا اور سونگھنا سب حواس کے دائرہ

کار میں آتے ہیں۔

اس علمی محفل میں ہمیں اس بات کا پتہ کرنا ہے کہ جسم اور اعضا کی حیثیت کیا ہے۔جسم کے Organs سے ہم واقف ہیں۔دماغ، آنکھیں، کان، دل، گردے وغیرہ جسم کے Organs ہیں۔لیکن ہمیں اس بات سے واقفیت حاصل نہیں ہے کہ دل کی Beat یا دل کی حرکت کہاں سے آ رہی ہے اور اس حرکت کا Source کیا ہے؟ وہ کون سا قانون اور علم ہے اور کون سی انفارمیشن ہے، جس کی بنیاد پر دل حرکت کرنا بند کر دیتا ہے اور آدمی مر جاتا ہے۔لیکن اگر دل کی حرکت دوبارہ شروع ہو جائے تو آدمی زندہ ہو جاتا ہے۔

دوسری بات ہم نے یہ معلوم کرنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو جوڑے جوڑے بنایا ہے۔یعنی کائنات میں کوئی شے ایسی نہیں ہے جو ایک Unit پر تخلیق ہوئی ہو۔ہر Unit دو رخوں سے مرکب ہے۔انسانی حواس بھی دو رخوں سے مرکب ہیں۔ایک رخ ٹائم اسپیس کا پابند ہے اور دوسرا رخ ٹائم اسپیس سے آزاد ہے۔اس کی Practice ہمیں چوبیس گھنٹے میں دو دفعہ ہوتی ہے۔جب ہم بیدار ہوتے ہیں اور جب ہم سوتے ہیں، چوبیس گھنٹے میں دو دفعہ ہم اس Practice سے گذرتے ہیں کہ کبھی ہمارے اوپر ٹائم اسپیس مسلط ہو جاتی ہے اور کبھی ہم ٹائم اسپیس سے آزاد ہو جاتے ہیں۔اس کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بڑی وضاحت سے ارشاد فرمایا ہے اور زندگی کے ان دو رخوں کا نام.....لیل.....اور..... نہار رکھا ہے۔یعنی رات اور دن۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،''ہم رات میں سے دن کو نکال لیتے ہیں اور دن میں سے رات کو نکال لیتے ہیں''۔سورۃ یٰسین میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

''ہم دن پر سے رات کو ادھیڑ لیتے ہیں اور رات پر سے دن کو ادھیڑ لیتے ہیں''۔یہ دو رخ انسان کی زندگی کے ساتھ پیدائش کے پہلے ہی لمحے میں شروع ہو جاتے ہیں اور مرتے دم تک یہ دونوں رخ اس کے ساتھ چپکے رہتے ہیں۔ان دونوں رخوں کے علاوہ کوئی انسان کسی بھی

طرح زندگی کا تصور نہیں کر سکتا۔

جب ہم بیدار ہوتے ہیں تو ہمارے اوپر ٹائم اسپیس مسلط ہو جاتے ہیں۔ مثلاً اگر ہم دو قدم بھی چلنا چاہیں تو ان دو قدموں میں ہمیں اسپیس سے گذرنا ہوگا اور ٹائم سے بھی گذرنا ہوگا۔ جب ہم دو قدم اٹھاتے ہیں، تو ایک قدم اور دوسرے قدم کے درمیان جو زمین ہے اسے ہم اسپیس کہتے ہیں۔ ہم جب دس قدم اٹھاتے ہیں تو دس قدم کے درمیان، ایک قدم اٹھا کر دوسرا قدم رکھیں گے، دوسرے کے بعد تیسرا رکھیں گے۔

انسان دو ٹانگوں پر کھڑا ہوا ہے، اس نے ایک قدم اٹھایا، پھر دوسرا قدم اٹھایا۔ ایک قدم سے دوسرے قدم کا درمیانی فاصلہ اسپیس ہے۔ اگر اس نے دس قدم اٹھائے تو اسپیس کے یونٹ دس ہو گئے۔، ان دس قدموں میں اگر ہم نے چوتھائی سیکنڈ میں ایک قدم اٹھایا تو دس قدم میں ڈھائی سیکنڈ کا وقفہ گذر گیا۔ ڈھائی سیکنڈ کا وقفہ Time ہے اور دس قدم زمین پر سے پھلانگنا Space ہے۔ بیداری میں ہر انسان اس قانون کا پابند ہے۔ کوئی انسان اسپیس سے یا ٹائم سے گذرے بغیر زمین پر چل نہیں سکتا۔ بیداری کے اس عمل کو قرآن نے..... نہار..... کہا ہے۔ بیداری کے بعد خواب کا عمل ہے۔ انسان، شجر، حجر، حیوان، پرندہ کوئی اس قانون سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ ہر انسان سوتا ہے، سونے کے بعد بیدار ہوتا ہے اور بیدار ہونے کے بعد سوتا ہے۔ انسانوں کی طرح درخت بھی سوتے ہیں، حشرات الارض بھی سوتے ہیں، چوپائے بھی سوتے ہیں اور پہاڑ بھی سوتے ہیں۔

تاریخ انسانی کو سائنسی نقطۂ نگاہ سے بیان کیا جائے، (جس کی کوئی سند نہیں ہے) Scientist کہتے ہیں کہ دنیا کی عمر تقریباً ساڑھے تین ارب سال ہے۔ ساڑھے تین ارب سال کی تاریخ میں ایسی کوئی مثال ہمارے سامنے نہیں ہے کہ کوئی آدمی ساری زندگی جاگتا رہا ہو یا کوئی آدمی ساری زندگی سوتا رہا ہو۔ جب ہم سوتے ہیں تو ہمارے اوپر سے ٹائم اسپیس کی گرفت

ٹوٹ جاتی ہے۔ مثلاً ہم اپنے شہر یا گاؤں میں سوتے ہیں۔ بحیثیت مسلمان کے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سعادت سے بہرہ ور کرے۔ ہم خواب میں یہ دیکھتے ہیں کہ ہم مسجد نبوی میں کھڑے ہیں اور اپنے آقا و مولا سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام پر..... الصلوٰۃ والسلام علیك یا رسول اللہ ..... پڑھ رہے ہیں۔ اگر ہم بیداری کی حالت میں اس پوزیشن میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے حاضر ہوں اور ہم پانی کے جہاز سے چلیں تو آٹھ دن کا عرصہ لگتا ہے۔ اونٹ پر چلیں تو تین چار مہینے کا وقفہ لگتا ہے۔ ہوائی جہاز میں جائیں تو گھنٹوں کا وقفہ لگتا ہے۔ کسی بھی حال میں وقفے کے بغیر ہم مسجد نبوی میں حاضری نہیں دے سکتے۔ لیکن جب ہم خواب دیکھتے ہیں تو خواب میں ہم رسول اللہ ﷺ کے مزار اقدس پر سیکنڈ کے ہزارویں Fraction میں حاضر ہو جاتے ہیں، سلام پڑھتے ہیں۔ ہم سیکنڈ کے ہزارویں Fraction میں پھر اپنے جسم میں آموجود ہوتے ہیں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ خواب کی زندگی میں ٹائم اسپیس کی گرفت سے ہر انسان آزاد ہو سکتا ہے۔ جسم و جان کے رشتے میں خواب کی بڑی اہمیت ہے۔ بیداری کی بھی اہمیت ہے۔ ٹائم اسپیس کی بھی اہمیت ہے، ٹائم اسپیس سے آزاد ہونے کی بھی اہمیت ہے۔ آپ سوال کریں میں اپنی کم علمی کو سامنے رکھ کر سوال کا جواب دینے کی کوشش کروں گا۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے توفیق دے کہ میں سوالات کا صحیح جواب پیش کر سکوں اور اللہ تعالیٰ میرے اور آپ کے علم میں اضافہ کرے کہ انسانی جسم سے متعلق اور روحانی علم سے متعلق ہماری معلومات میں اضافہ ہو۔ (آمین)

سوال:- عظیمی صاحب! میرا سوال یہ ہے کہ میں پشاور کا ہوں میری زبان پشتو ہے کسی غیر ملکی شخص سے میں خواب میں ملتا ہوں اب یہاں پر جب میں بیدار ہوتا ہوں تو کہتا ہوں کہ میں نے اس سے یہ کہا اس نے مجھ سے یہ کہا۔ خواب میں کون سی زبان بولی جاتی ہے؟ اس سلسلے میں حضرت عبدالعزیز دباغؒ صاحب نے لکھا ہے کے خواب کی زبان سُریانی ہے؟

جواب:- زندگی ایک رخ نہیں، ہمیشہ دو رخوں پر سفر کرتی ہے۔ قرآن پاک کے ارشاد کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو "جوڑے جوڑے" بنایا ہے۔ اس میں زبان بھی شامل ہے۔ زبان کے بھی دو رخ ہیں۔ زبان کا ایک رخ یہ ہے جو ہم آپس میں بولتے ہیں۔ مثلاً کوئی پشتو بولتا ہے، کوئی اردو بولتا ہے، کوئی سندھی بولتا ہے، کوئی انگریزی بولتا ہے اور زبان کا ایک رخ اشاروں کی زبان ہے۔ مثلاً آپ ایک کمرے میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ کے بے تکلف دوست وہاں موجود ہیں۔ آپ نہیں چاہتے کہ آپ کے بے تکلف دوستوں میں آپ کا بیٹا کمرے میں آئے۔ دروازہ کھلتا ہے بیٹا داخل ہوتا ہے۔ آپ اس سے کچھ نہیں کہتے مخصوص نظر سے دیکھتے ہیں اور آپ کے دماغ میں یہ بات ہوتی ہے، بیٹا یہاں نہیں آؤ، بیٹا کمرے سے چلا جاتا ہے آپ نے کوئی زبان استعمال نہیں کی۔ آپ کا بیٹا آپ کے خیالات کو پڑھ کر جو کچھ آپ اس سے کہنا چاہتے ہیں وہ سمجھ لیتا ہے۔ خواب میں جو زبان بولی جاتی ہے وہ اشاروں کنائیوں کی زبان ہے۔

حضرت یوسفؑ کے قصے میں آپ نے پڑھا ہوگا انہوں نے اپنے والد حضرت یعقوبؑ سے کہا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے ہیں اور چاند ہے اور سورج ہے اور مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ حضرت یعقوبؑ نے خواب سن کر فرمایا، ''اے بیٹے یہ خواب اپنے بھائیوں کو نہ سنانا۔ شیطان میں بڑا مکر ہے، ہوسکتا ہے وہ تمہیں کوئی نقصان پہنچائیں۔" بھائیوں نے حضرت یعقوبؑ کی اس بات کو سن لیا اور اس کے بعد جو واقعہ پیش آیا وہ ہم سب جانتے ہیں۔ جو زبان خواب میں حضرت یوسفؑ کو بتائی گئی یعنی گیارہ ستارے، چاند، سورج، اس میں بظاہر بھائیوں کا کوئی تعلق نظر نہیں آتا لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام نے خواب کی زبان کا مطلب سمجھ لیا۔

ہمارے بزرگوں نے اپنے شاگردوں کو بتایا ہے کہ روحانیت کی سترہ Classes ہیں بالکل اسی طرح جس طرح پہلی، دوسری، تیسری، دسویں، بی اے، ایم اے اور پی ایچ ڈی ہے۔ روحانی کلاسیں پڑھانے والے اساتذہ کہتے ہیں کہ ہر انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے ایک ایجنسی

رکھی ہے۔ روحانی اعتبار سے جب دو روحیں آپس میں متصل ہوتی ہیں یا دو روحیں آپس میں گفتگو کرتی ہیں تو یہ ایجنسی مادری زبان میں Interpret کرتی ہے۔ اس زبان کو حضرت عبدالعزیز دباغؒ سریانی زبان کہتے ہیں۔

سوال:- عظیمی صاحب! ہندو حضرات آواگون پر یقین رکھتے ہیں۔ کیا مرنے کے بعد روحیں دوسری شکل میں آسکتی ہیں؟ کیا ہم مسلمان نیک و بد روحوں کے دنیا میں آنے پر یقین رکھ سکتے ہیں۔ اس کے بارے میں بتائیے، کیا درست ہے کیا غلط ہے؟

جواب:- ہمیں سوچنا چاہیئے کہ جس مذہب میں ایک کروڑ خداؤں کا تصور ہو وہ مذہب کیسے ہو سکتا ہے؟ مذہب سے مراد ہے کہ ایک ایسی ہستی پر ایمان لانا جو وحدہ لاشریک ہے۔ اگر وحدہ لاشریک ہستی پر اعتقاد اور یقین نہیں ہے، وحدہ لاشریک ہستی کے بعد آپ کسی بھی شے کو پرستش اور عبادت کے لائق سمجھتے ہیں، اس کو مذہب نہیں کہتے۔

ہندو مذہب کے بارے میں بے شمار کتابیں لکھی گئیں ہیں۔

آواگون کے سلسلے میں ایک قصہ غوث علی شاہ قلندرؒ نے لکھا ہے ایک لالہ جی تھے ان کا انتقال ہوگیا۔ لالائین جی بہت پریشان ہوئیں۔ دسویں کے بعد ایک کتا دروازہ میں آکر بیٹھ گیا۔ لالائین نے اس کو روٹی کا ٹکڑا ڈال دیا۔ کتا بہت وفادار جانور ہے۔ اگر کوئی اسے روٹی ڈال دے تو وہاں سے جاتا نہیں ہے۔ بچوں کو اعتراض ہوا۔ اماں تم نے یہ کیا کتے کو بیٹھا دیا دروازے میں۔ ماں نے کہا نہیں بیٹا! پڑا رہنے دو۔ بے زبان جانور ہے۔ بچا کچا روٹی کا ٹکڑا ڈال دیتے ہیں یہ کھا لیتا ہے۔ ایک دن بڑا بیٹا باہر سے آیا اور اس کا پیر کتے کی دُم پر پڑ گیا۔ کتے نے بھونکنا شروع کر دیا۔ بیٹے نے اسے مارنا شروع کر دیا اور کہا نکل یہاں سے۔ ماں بے قرار ہو کر بھاگتی ہوئی آئی۔ بیٹا! اسے نہ مار، تیرے باپ کے کرم ہی ایسے تھے۔

اسلام ہمیں بتاتا ہے کہ یہاں جو نیک اعمال کرو گے اس کی جزا ملے گی اور جو لوگ نیک

کام نہیں کرتے تو اسکی سزا نہیں ملے گی۔ ہمیں یہاں رہتے ہوئے اس بات کی تیاری کرنی چاہیئے کہ مرنے کی بعد کی زندگی ہمارے لیے اچھی ہو اور ہم وہاں کی تکالیف اور پریشانیوں سے محفوظ رہیں۔ (آمین) ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ دنیا مکافات عمل کی جگہ ہے اچھائی کا بدلہ اللہ تعالیٰ اچھا دیتے ہیں اور برائی کا بدلہ برا ہوتا ہے۔

سوال:۔ روحانی لوگ قلبی نفسیات کو اہمیت دیتے ہیں۔ لیکن میڈیکل سائنس دماغ کو انسانی جسم کا کنٹرولر کہتی ہے۔ آپ بتائیے قلب کی حقیقت کیا ہے اور دماغ کی حقیقت کیا ہے؟

جواب:۔ میڈیکل سائنس کیا کہتی ہے اس کا مجھے زیادہ علم نہیں ہے کیونکہ میں نے میڈیکل سائنس پڑھی نہیں ہے۔ اتنی بات سب جانتے ہیں کہ آدمی اگر Coma میں چلا جائے یعنی اس کا Mind معطل ہو جائے تو وہ جیتا رہتا ہے لیکن اگر اس کا Heart Failure ہو جائے تو آدمی مر جاتا ہے۔ اب آپ خود بتائیں اہمیت Heart کی ہے یا Mind کی ہے۔ Coma میں آدمی بیس بیس سال پڑا رہتا ہے۔ Heart Failure میں وہ ایک سیکنڈ زندہ نہیں رہتا۔

سوال:۔ ہم سب خواب دیکھتے ہیں۔ خواب اور بیداری کا تجزیہ فرمائیے۔ ہم خواب میں جب سفر کرتے ہیں تو کیا۔۔۔۔۔ ہماری روح سفر کرتی ہے؟

جواب:۔ عام انسانی زندگی میں اگر روح اور جسم کے رشتے کو تلاش کیا جائے تو ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ دنیا میں کوئی آدمی بھی ایسا نہیں ہے جس نے کبھی کوئی خواب نہ دیکھا ہو۔ طب قدیم اور طب جدید کہتی ہے اگر کسی آدمی نے کبھی کوئی خواب نہیں دیکھا تو وہ بیمار ہے۔ جب انسان سوتا ہے اور خواب دیکھتا ہے تو اس کے اندر سے ایک اور انسان نکلتا ہے۔ اگر وہ خاتون ہے تو خاتون اندر سے نکلتی ہے اور اگر وہ مرد ہے تو مرد نکلتا ہے۔ گھومتا ہے، پھرتا ہے، متاثر ہوتا ہے اور واپس جسم

میں آ جاتا ہے۔

روح کا ایک طریقہ یہ ہے کہ روح جسم کے رشتے کو قائم رکھتے ہوئے جسم سے رشتہ عارضی طور پر توڑتی ہے۔ اس کو ہم نیند کہتے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ روح جسم سے رشتہ توڑ لیتی ہے۔ اس کو ہم موت کہتے ہیں۔ خواب نصف موت ہے۔ جب روح اس جسم سے اپنا رشتہ عارضی طور پر توڑ کر کہکشانی نظاموں کا سفر کرتی ہے اس کا رشتہ جسم کے ساتھ قائم رہتا ہے اور جب موت کا وقت آتا ہے تو روح جسم سے اپنا رشتہ بالکل منقطع کر لیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جسم سے روح کا رشتہ منقطع ہو جاتا ہے تو سانس کی آمد و شد ختم ہو جاتی ہے اور نیند میں سانس کی آمد و شد جاری رہتی ہے۔ آدمی جب سوتا ہے، تقریباً مردے کی طرح ہوتا ہے لیکن اس کا سانس آتا جاتا رہتا ہے۔ اس کے اندر زندگی کے ضروری تقاضے جسم پورا کرتا ہے۔

زندگی آکسیجن کے بغیر قائم نہیں رہتی۔ جب آدمی سو جاتا ہے اس کے اندر آکسیجن برقرار رہتی ہے۔

روحانی لوگ تشریح کرتے ہیں کہ آکسیجن زندگی کا ایک ذریعہ ہے، آکسیجن زندگی نہیں ہے۔ جب آکسیجن اندر جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے نظام کے تحت ایک Chip لگا ہوا ہے۔ اس Chip سے جب آکسیجن ٹکراتی ہے تو اسپارکنگ (Sparking) ہوتی ہے۔ آکسیجن جلتی ہے اور کاربن ڈائی آکسائیڈ بنتی ہے۔ یعنی انسانی زندگی کا دارومدار کاربن ڈائی آکسائیڈ پر ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں دخان کہا ہے۔.......... اللہ تعالیٰ نے دخان سے کہا کہ...... تو داخل ہو جا، انسان کے اندر خوشی سے یا زبردستی۔ دخان نے کہا میں آپ کا فرمانبردار ہوں، خوشی سے داخل ہوتا ہوں۔

جب انسان خواب دیکھتا ہے تو آکسیجن کے جلنے کا عمل برقرار رہتا ہے اور جب انسان مر جاتا ہے تو آکسیجن جلنے کا عمل ساقط ہو جاتا ہے۔ انسان جب سوتا ہے، ظاہری حواس ختم ہو

جاتے ہیں۔ نہ وہ سن سکتا ہے، نہ وہ دیکھ سکتا ہے، نہ وہ بول سکتا ہے، نہ وہ محسوس کر سکتا ہے۔ کئی دفعہ اتنی گہری نیند ہوتی ہے کہ ڈھول بھی بجتا رہے تو آدمی کو پتہ نہیں چلتا۔ انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے دو صلاحیتیں رکھی ہیں۔ ایک صلاحیت یہ ہے کہ وہ پابند ہے اور دوسری صلاحیت یہ ہے کہ وہ آزاد ہے اگر وہ اس صلاحیت کو استعمال کرنا سیکھ لے تو غیب کی دنیا میں داخل ہو سکتا ہے۔

سوال:۔ میرا سوال یہ ہے کہ بنیادی طور پر وہ کون سے اصول ہیں جن کے ذریعے روحانی ارتقا کی منازل طے کی جا سکتیں ہیں؟

جواب:۔ بہت اچھا سوال ہے۔ شکریہ۔ دل خوش ہوا۔ کسی بات کو سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کی مبادیات پر تفکر کیا جائے، اصول و قواعد پر غور و فکر کیا جائے۔ Physical Body اور Real Body دونوں انسان کے ساتھ ساتھ ہیں۔ روحانی دنیا میں داخل ہونے کے لیے ہمیں روح کا سہارا لینا ہوگا۔ جب ہم روح کے بارے میں غور و فکر کرتے ہیں تو ہمیں بہت پیچھے ماضی میں جانا پڑتا ہے۔

ازل ماضی ہے۔ ازل حال، مستقبل نہیں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے کائنات کو تخلیق کرنے کا ارادہ فرمایا تو ''کن'' فرمایا۔ جب اللہ کسی چیز کو بنانے کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے ''ہو جا'' اور وہ ہو جاتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ''کن'' کہا۔ ساری کائنات تخلیق ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ نے ''کن'' کہا روحیں وجود میں آگئیں تو ایک عالم بن گیا، جس کو ہم عالم ارواح کہتے ہیں۔ روحوں کو یہ پتا نہیں تھا ہم کون ہیں، کہاں ہیں، کس طرح ہیں، کس نے ہمیں بنایا، کیوں بنایا، ہماری پیدائش کا مقصد کیا ہے؟ روحیں عالم حیرت میں تھیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا وہ کیا ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس جمود کو توڑنے کے لیے فرمایا..... الست بربکم.....میں تمہارا رب ہوں... جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا میں تمہارا رب ہوں تو روحوں کی سماعت یعنی سننے کے

حواس سے اللہ تعالیٰ کی آواز ٹکرائی۔ جیسے ہی اللہ تعالیٰ کی آواز کانوں سے ٹکرائی کانوں کا مظاہرہ ہوگیا۔ یعنی روحیں اپنے کانوں سے واقف ہوگئیں۔

دیکھئے! میں یہاں بیٹھا ہوں میں آواز دیتا ہوں، پروفیسر جامی صاحب! آپ سوچیں گے کہ کہاں سے آواز آئی، کس نے مجھے پکارا؟ تو جب اللہ تعالیٰ کی آواز روحوں نے سنی تو روحیں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئیں۔ جیسے ہی روحیں باری تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئیں تو روحوں کو اللہ تعالیٰ کا ادراک ہوا۔ روحوں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا تو بصارت عمل میں آگئی۔ اب روحوں نے دیکھا اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں میں تمہارا رب ہوں۔ روحوں نے..... قالو بلیٰ!.....کہا۔ جی ہاں آپ ہمارے رب ہیں۔ جیسے ہی روحوں نے کہا ان میں قوت نطق (گویائی) آگئی یعنی بولنے کی صلاحیت پیدا ہوگئی۔ ساتھ ساتھ قوت فیصلہ پیدا ہوئی کہ روحوں نے یہ فیصلہ قبول کرلیا کہ اللہ ہمارا رب ہے۔

اس کا مفہوم یہ ہوا اجتماعی طور پر اور انفرادی طور پر ''روح'' اللہ کو دیکھ چکی ہے۔ ہماری روح ازل میں اللہ کی آواز سن چکی ہے۔ ہماری روح نے فیصلہ کر کے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ جی ہاں ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ آپ ہمارے رب ہیں۔ اب جب ہم انسان کی تخلیق کا تذکرہ کرتے ہیں یا تجزیہ کرتے ہیں تو ہمارے پیش نظر دو باتیں ہوتی ہیں۔

(۱) مادی جسم

(۲) روحانی جسم

روح ازل میں اللہ کو دیکھ چکی ہے، اللہ کی آواز سن چکی ہے۔ اگر ہم مادی جسم سے آزاد ہو کر یا جسمانی پردے کے اندر داخل ہو کر روح کا تعارف حاصل کرلیں تو ازل میں داخل ہو سکتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے.....

جس نے اپنے نفس (روح) کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

جب آپ اپنی اصل یعنی اپنی روح سے واقف ہو جائیں گے تو روح اللہ کو پہلے ہی دیکھ چکی ہے۔آپ بھی اللہ کو دیکھ لیں گے۔

آج کے دور میں سائنس کا بڑا غلغلہ ہے۔سائنس کی ترقیاں بھی ہمارے سامنے اتنی تیزی سے آرہی ہیں کہ انسان کی عقل حیران ہے۔

جب سائنٹسٹ مسلسل کسی ایک نقطے پر غور کرتا ہے، کسی نقطے پر ذہن مرکوز کرتا ہے، مسلسل ایک ہی نقطے پر سوچتا رہتا ہے۔اس کی سوچ جب گہری ہو جاتی ہے تو اس کے اندر کا علم اسے بتاتا ہے کہ ہوائی جہاز اس طرح بنتا ہے، ایٹم اس طرح بنتا ہے۔ایٹم کی جو Theory انسان کے پاس آئی تو اس کا یہ ظاہری علم نہیں تھا۔یہ باطنی علم ہے۔اگر ایٹم بم بنانا ظاہری علم ہوتا تو ہر آدمی جو غور و فکر سے عاری ہے وہ بھی ایٹم بم بنالیتا۔

مسلمانوں کی ذلت اور رسوائی کا سبب ہی یہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنے اسلاف کے تفکر کو، اپنے اسلاف کی ریسرچ کو، اپنے اسلاف کی ایجادات کو نظر انداز کر کے سطحی سوچ کو اپنا لیا ہے اور قوم اجتماعی سوچ نہ ہونے کے سبب دیو بندی، بریلوی، شیعہ، سنی وغیرہ۔فرقوں میں تقسیم ہوگئی ہے۔جو قرآن کے حکم کے خلاف ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

''اور اللہ کی رسّی کو متحد ہو کر مضبوطی سے پکڑ لو۔تفرقہ نہ ڈالو۔''

اس وقت یہ صورت ہے کہ مسلمان فرقوں سے پہچانا جاتا ہے۔جب سے مسلمانوں نے تفکر چھوڑا ہے اور اپنے اسلاف کی اجتماعی روایات سے منہ موڑ لیا ہے۔مسلمانوں نے اپنے وجود کو خطرہ میں ڈال دیا ہے۔اگر مسلمان قوم نے اپنے بزرگوں اور اپنے اسلاف کی روایات کو نہیں اپنایا، قرآن کریم میں تفکر نہیں کیا تو یہ قوم مزید ذلیل و خوار ہوگی اور اس پر مزید مصیبتیں نازل ہوں گی۔یہ اللہ کا قانون ہے۔

''جو قوم اپنی حالت نہیں بدلتی اللہ تعالیٰ اسے اسکے حال پر چھوڑ دیتے ہیں۔''

سوال:۔ روحانیت میں مراقبہ کی بڑی اہمیت ہے درخواست ہے کہ ہمیں مراقبہ کے بارے میں بتائیں کہ ہم مراقبہ کس طرح کریں اور اس کے کیا فوائد ہیں؟

روحانی علوم میں پہلی کلاس مراقبہ ہے۔مراقبہ یہ ہے کہ اپنے ذہن کو ایک نقطے پر مرکوز کرنے کے لیے Concentration کیا جائے۔اپنی ذات کو تلاش کرو، اپنی انا کا کھوج لگاؤ۔ان عوامل کو تلاش کرو جن عوامل کی بنیاد پر آپ کی زندگی قائم ہے۔

بتایئے! آپ کھانا کیوں کھاتے ہیں؟

کھانا اس لیے کھاتے ہیں کہ بھوک لگتی ہے۔بھوک کو کیا آپ انفارمیشن نہیں کہہ سکتے؟ آپ کو ایک اطلاع ملی کہ جسم کو کھانے کی ضرورت ہے۔اگر آپ اس اطلاع کو قبول نہیں کرتے تو کمزوری ہوتی ہے چکر آنا شروع ہو جاتے ہیں۔کھانا کھانے کے بعد ہم ٹھیک ہو جاتے ہیں۔بھوک ایک انفارمیشن ہے۔

میرا آپ سے یہ سوال ہے کہ بھوک کی انفارمیشن کیا ہے؟ کوئی اسٹوڈنٹ اس انفارمیشن کی تشریح کر سکتا ہے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ انفارمیشن کہاں سے آتی ہے؟

جواب:۔کھانے کی اطلاع ہمیں روح نے دی۔

انفارمیشن براہ راست روح سے آئی ہے۔

پانی پینے کا تقاضہ کہاں سے آیا؟

روح سے۔۔۔

میرا سوال ہے کہ آپ کو پتہ ہے روح کیا ہے؟

کبھی دیکھا ہے روح کو؟

کبھی روح کے بارے میں سوچ بچار کی ہے؟

کبھی آپ نے یہ سوچا ہے آدمی مر کیوں جاتا ہے؟

اور جب مر جاتا ہے تو اسکے ہاتھ، پیر، کان، آنکھ، ناک، دماغ، ٹانگیں، دل، پھیپھڑے، گردے سب موجود ہونے کے باوجود وہ بے حرکت کیوں ہو جاتے ہیں؟

دیکھئے! ہمارا مشاہدہ ہے کہ جب جسم سے روح نکل جاتی ہے تو جسمانی تقاضے ختم ہو جاتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ ہم نے نقل کو ہی سب کچھ سمجھ لیا ہے۔ لیکن ہمارے اسلاف، ہمارے بزرگ، ہمارے صحابہ کرامؓ، ہمارے بزرگ تابعین اور تبع تابعین، اس بات کو جانتے تھے کہ جسم روح کا لباس ہے۔ جسم روح کا میڈیم ہے۔ روح جسم کو میڈیم بنا لیتی ہے۔ ہمارے بزرگوں کو روحانی علوم حاصل تھے۔ لہٰذا انہوں نے اپنا کھوج لگایا۔

اس سے بڑا بے وقوف آدمی دنیا میں کوئی نہیں جو اصل اور نقل میں فرق نہ کرے۔

روح کا سمجھنا اتنا مشکل مسئلہ نہیں ہے۔ مشکل مسئلہ یہ ہے کہ ہم اپنی اصل سے واقف نہیں ہونا چاہتے۔ دنیاوی علوم سیکھنے کے لیے ہم پچیس سال تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ لیکن اپنی اصل سے واقف ہونے کے لیے ہمارے پاس پچیس دن بھی نہیں ہیں۔ یہی وہ بدنصیبی ہے جس کی وجہ سے مسلمان ساری دنیا میں ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔

اگر ہم اپنی اندرونی واردات و کیفیات سے واقف ہونے کے لیے، اپنی روح کی صلاحیتوں کو استعمال کرنے کے لیے اپنے اندر کا کھوج لگائیں، تو بہت آسانی سے روح کا ادراک ہو جائے گا۔

سوال:۔ السّلامُ علیکم! میرا سوال یہ ہے کیا میں اپنی روح سے رابطہ کر سکتی ہوں؟

جواب:۔ میری والدہ صاحبہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ اللہ انہیں جنت نصیب کرے۔ مجھے یاد آتی

ہیں، اماں میری رہنمائی کرتی ہیں۔ جب بھی مجھے کوئی پریشانی ہوتی ہے، میں خواب میں اماں کو دیکھتا ہوں وہ میری نگرانی کرتی ہیں۔ جب میں کچھ گڑبڑ کرتا ہوں، تو وہ مجھے گھورتی ہیں اماں کی روح کے ساتھ میرا رابطہ ہے۔

آپ خواب میں اپنے کسی مرحوم بزرگ کو دیکھتے ہیں تو دراصل ان کی روح سے رابطہ ہوتا ہے۔ جب خواب میں آپ کا روح سے رابطہ ہو سکتا ہے تو بیداری میں اگر آپ مشق کر لیں تو بیداری میں بھی روح سے رابطہ ہو سکتا ہے۔

سوال:۔ محترم عظیمی صاحب! خواب میں، ایک آدمی پانچ منٹ سوتا ہے اور خواب دیکھتا ہے۔ خواب میں گھنٹوں میں گذرنے والا وقت، منٹوں میں گذر جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ پانچ منٹ میں پانچ گھنٹے کیسے گزر جاتے ہیں؟

جواب:۔ یہ سوال زمان و مکان کے بارے میں ہے۔ ہمارا شعور زمان و مکان (Time & Space) کا پابند ہے۔ لیکن جب آدمی خواب دیکھتا ہے تو وہ شعوری حواس سے آزاد ہو جاتا ہے۔ شعوری حواس سے آزاد ہونے کا مطلب بے خبر ہو جانا ہے۔ بیداری کے حواس عارضی طور پر معطل ہو جاتے ہیں۔ جب آدمی شعوری حواس سے نکل کر لاشعوری حواس میں داخل ہوتا ہے تو حواس کی رفتار تیز ہو جاتی ہے۔ اس لیے پانچ منٹ کا وقفہ کئی گھنٹوں یا کئی دن کے برابر ہو جاتا ہے۔ خواب کا مطلب ہے شعوری حواس سے نکل کر لاشعوری حواس میں داخل ہونا۔

بیداری میں زمان و مکان کا غلبہ ہوتا ہے اور خواب میں ہمارے اوپر زمان و مکاں کا غلبہ ٹوٹ جاتا ہے اور گھنٹوں کا سفر منٹوں میں طے ہو جاتا ہے۔

مرشد کریم قلندر بابا اولیاءؒ کتاب لوح و قلم میں فرماتے ہیں۔

بیداری کی طرح نیند میں بھی انسان کچھ نہ کچھ کرتا رہتا ہے لیکن وہ جو کچھ کرتا ہے اس

سے واقف نہیں ہوتا۔صرف خواب کی حالت ایسی ہے کہ جس کا اسے علم ہوتا ہے یعنی وہ اس بات سے واقف ہوتا ہے کہ وہ سو رہا ہے۔ضرورت اس کی ہے کہ ہم خواب کے علاوہ نیند کی باقی حرکات سے کس طرح مطلع ہوں۔انسان کی ذات نیند میں جو حرکات کرتی ہے، اگر حافظہ کسی طرح اس لائق ہو جائے کہ اس کو یاد رکھ سکے تو ہم باقاعدگی سے اس کا ایک ریکارڈ رکھ سکتے ہیں۔حافظہ کسی نقش کو اس وقت یاد رکھتا ہے، جب وہ گہرا ہو۔یہ مشاہدہ ہے کہ بیداری کی حالت میں ہم جس چیز کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ہم اسے یاد رکھتے ہیں اور جس چیز کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اسے بھول جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو روحانی علوم سیکھنے اور سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

☆..........☆..........☆

فطرت اور جبلت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

آج کے لیکچر میں فطرت اور جبلت کی تشریح کی جائے گی۔

آدمی اور حیوانات میں امتیاز کرنے والی ایجنسی انسان کے اندر علوم سیکھنے کی صلاحیت ہے۔حیوانات میں بھی علم ہوتا ہے۔مثلاً کھانا، پینا، بچوں کی پرورش کرنا، روزی تلاش کرنا، اس بات کا ادراک ہونا کہ ہمیں کون سی چیز کھانی ہے اور کون سی چیز نہیں کھانی چاہیئے۔یہ سب علم ہے۔لیکن جب آدمی اور حیوانات کا تجزیہ کیا جاتا ہے تو دو باتیں بطور خاص نظر آتی ہیں۔ایک فطرت اور ایک جبلت۔اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ

فطرت میں تبدیلی نہیں ہوتی۔

جبلت میں معاشرتی، معاشی، اخلاقی، غیر اخلاقی، ایثار و خلوص اور خود غرضی جیسے وہ تمام اعمال آجاتے ہیں جن میں آدمی اور حیوان زندہ رہتے ہیں۔جبلت میں حیوانات اور آدمیوں میں ہمیں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔اگر جبلی طور پر انسانی ماں میں بچے کی پرورش کرنے کے لیے مامتا کے جذبات ہیں تو ایک بلی میں بھی وہ تمام جذبات و احساسات موجود ہیں جو ایک انسان کی ماں میں ہوتے ہیں۔

آدمی سوتا ہے، سونے کے بعد جاگتا ہے، جاگنے کے بعد سوتا ہے۔یہ سونے جاگنے کا عمل حیوانات میں بھی ہے۔آدمی کو بھوک لگتی ہے وہ کچھ کھاتا ہے۔حیوانوں کو بھی بھوک لگتی ہے۔آدمی کو پیاس لگتی ہے، وہ پانی پیتا ہے اور حیوانات بھی پانی پیتے ہیں۔اس میں کوئی تخصیص نہیں کہ وہ چوپائے ہوں، پرندے ہوں یعنی انسان اور حیوانات جبلی طور پر ایک ہی کنبے کے افراد

ہیں۔صورت شکلیں الگ الگ ہیں لیکن سب ایک ہی کنبے کے افراد ہیں۔

فطرت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تخلیق میں جو فارمولے یا Equations متعین کر دیئے ہیں ان میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔دماغ سب کا ہے، ہاتھ پیر سب کے ہیں۔ پرندوں کے دو پر ہوتے ہیں، دو پنجے ہوتے ہیں۔آدمی کے دو ہاتھ ہوتے ہیں، دو پیر ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

''ہم نے پُتلہ بنایا، گارے سے بنایا، مٹی سے بنایا، کھنکھناتی ، بجنی مٹی سے بنایا''۔کھنکھناتی ، بجنی مٹی سے مراد خلا ہے۔۔۔۔بجنے والی چیز میں خلا ہوتا ہے۔

ایک ڈھول ہے۔ڈھول کے دونوں طرف چمڑا منڈھا ہوا ہوتا ہے۔بیچ میں خلا ہوتا ہے۔جتنا زیادہ خلا ہوتا ہے اتنی زیادہ آواز ہوتی ہے۔اسی طرح بانسری ہے۔بانسری میں اگر خلا نہ ہو اور سوراخ نہ ہوں تو آواز نہیں نکلتی۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

ہم نے انسان کو بجنی مٹی سے بنایا۔خلا سے بنایا۔

اگر خلا نہیں ہوگا تو اس کے اندر کوئی دوسری چیز داخل نہیں ہوگی۔

ہم نے انسان کو سڑے ہوئے گارے سے بنایا۔بجنی مٹی سے بنایا اور اس کے اندر ہم نے اپنی روح پھونک دی، اپنی جان ڈال دی۔یوں سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ اس مخلوق سے جو کام لینا چاہتے تھے اس کی مناسبت سے صلاحیتیں ودیعت کر دیں۔

جب آدمؑ کی تخلیق ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے اس کے پتلہ میں روح ڈال دی تو اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا۔فرشتوں نے کہا کہ یہ خون خرابہ کرے گا اور فساد برپا کرے گا۔اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو علم الاسماء سکھایا اور آدمؑ سے کہا کہ جو کچھ ہم نے تمہیں سکھایا ہے وہ تم فرشتوں کے سامنے بیان کرو۔آدمؑ نے فرشتوں کے سامنے.....علم الاسماء بیان کیا تو فرشتوں

نے کہا کہ ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا آپ نے ہمیں سکھا دیا ہے۔یعنی انھوں نے اس بات کا اعتراف کیا کہ آدمؑ ہم سے زیادہ علم جانتا ہے۔

فطری لحاظ سے آدم کی تخلیق میں جو اہم عنصر ہے وہ خصوصی علم ہے۔جو علم فرشتے بھی نہیں جانتے، ایسا علم جو جنات بھی نہیں جانتے۔آدمؑ کی خصوصیت یہ ہوئی کہ آدمؑ وہ علم جانتے ہیں جو کائنات میں کوئی دوسری مخلوق نہیں جانتی۔اگرچہ کائنات میں ہر مخلوق علم جانتی ہے لیکن علم الاسماء اللہ تعالیٰ نے صرف آدمؑ کو سکھایا ہے۔

اس علم کی افادیت کے پیش نظر ہم کہہ سکتے ہیں کہ جو کائنات نہیں جانتی ہے وہ آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے سکھا دیا ہے۔جس وقت آدمؑ کو یہ علم سکھایا گیا اس وقت سیاق وسباق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آدمؑ اللہ تعالیٰ کے سامنے تھے۔یعنی آدمؑ نے اللہ کو دیکھا اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی تعلیمات کو قبول کیا اور اللہ تعالیٰ کے سکھائے ہوئے علم کو سیکھا۔وہاں فرشتے بھی موجود تھے۔میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آدمؑ نے فرشتوں کو بھی دیکھا۔

تیسری بات یہ ہے کہ جب فرشتوں نے آدمؑ کو سجدہ کیا اور ابلیس نے آدمؑ کو سجدہ نہیں کیا تو اس وقت آدمؑ کے سامنے جنات بھی تھے۔

یعنی آدمؑ نے جنات کو بھی دیکھا، طلبا و طالبات آدمؑ نے اللہ تعالیٰ کو بھی دیکھا اور آدمؑ نے فرشتوں کو بھی دیکھا۔

عزیز طلبا و طالبات!

آدم کی فطری صلاحیت یہ ہوئی کہ حضرت آدمؑ اللہ تعالیٰ کو دیکھ چکے ہیں، فرشتوں اور جنات کو بھی دیکھ چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ، فرشتے اور جنات غیب ہیں۔اب اس کا مطلب یہ ہوا کہ آدمؑ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم غیب عطا ہوا ہے۔غور کیجئے! فرشتے غیب ہیں، جنات غیب ہیں اور اللہ تعالیٰ ماوراء،

غیب الغیب ہیں۔ اب سمری یہ بنی کہ روح میں غیب بینی یا فطرت بینی کی صلاحیت موجود ہے جو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر ایسا Chip لگا دیا ہے جو غیب کا مشاہدہ کرتا ہے۔

بہت سارے تصوف کے بارے میں آپ نے سنا ہوگا۔ یہودی تصوف، عیسائی تصوف، ہندو تصوف، یوگا تصوف، بدھ تصوف۔ لوگوں نے تصوف کے نام رکھ دیئے ہیں لیکن ہر مذہب میں تصوف کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ تصوف سے تزکیۂ نفس ہوتا ہے۔ تزکیۂ نفس سے مراد یہ ہے کہ انسان کے اندر جو برائیاں ہیں ان سے بچ کر اچھائیوں کی طرف اس کا میلان ہو جاتا ہے۔ انسان جھوٹ نہیں بولتا، چوری نہیں کرتا، حق تلفی نہیں کرتا، ملاوٹ نہیں کرتا۔ حقوق العباد پورے کرتا ہے۔ اللہ اور اس کے رسولوں کی تعلیمات پر صدقِ دل سے عمل کرتا ہے۔ تفرقے نہیں ڈالتا، نیک کاموں کی ترغیب دیتا ہے۔ نماز پڑھتا ہے، روزے رکھتا ہے، خیرات کرتا ہے۔

اب اگر ہم تصوف کا مطلب تزکیۂ نفس لیں۔ آپ عیسائی، یہودی، ہندو اور کسی بھی مذہبی پیروکار یا کافر سے بھی پوچھیں:- بھائی! جھوٹ بولنا کیسا ہے؟ وہ کبھی یہ نہیں کہے گا کہ جھوٹ بولنا اچھی بات ہے۔ اگر آپ شرابی سے پوچھیں کہ شراب پینا کیسا ہے؟ وہ ہرگز یہ نہیں کہے گا، شراب پینا اچھی بات ہے۔ تو اگر تصوف کا مطلب یہ لیا جائے کہ تصوف سے انسان میں اچھی عادات شامل ہو جاتی ہیں اور برائیوں سے محفوظ ہو جاتا ہے تو تصوف کی تعریف پوری نہیں ہوتی۔

تصوف کی اصل تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو علم آدمؑ کو سکھایا ہے بندہ وہ علم سیکھ لے اور جان لے۔ تصوف وہ علم ہے جس کی بنیاد پر آدمؑ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا، فرشتوں کو دیکھا اور جنات کو دیکھا اور جس علم کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو اپنی نیابت اور خلافت کے اختیارات

عطا فرمائے ہیں۔

میرے نزدیک تصوف کی تعریف یہ ہے کہ تصوف وہ علم ہے۔ جو انسان کے باپ حضرت آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے سکھایا ہے اور حضرت آدمؑ کے حوالہ سے پوری نوع انسانی کا علمی ورثہ ہے۔

حضرت آدمؑ دنیا میں آئے، نسل چلی۔ ہابیل قابیل کا واقعہ پیش آیا۔ میرے نزدیک ہابیل قابیل کے واقعے میں یہ حکمت ہے کہ اچھائی اور برائی کے تصور کا عملاً مظاہرہ ہوگیا۔ یعنی دو گروہ بن گئے۔ ایک ہابیل والا گروہ، دوسرا قابیل والا گروہ۔ ہابیل اور قابیل کے واقعے کے بعد نوعِ انسانی میں بنیادی تبدیلی یہ آئی کہ انسان کے اندر اچھائی اور برائی کا تصور واضح ہو گیا۔ حضرت آدمؑ نے ہابیل قابیل کے واقعے میں اچھائی کو پسند کیا اور قتل کو ناپسند کیا۔

حضرت آدمؑ سے پیغمبری کا سلسلہ شروع ہوا۔ روایت ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبرز تشریف لائے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار سے زیادہ آئے ہوں یا کم تشریف لائے ہوں۔ یہ ایک روایت ہے۔

قرآن پاک میں جن پیغمبران کا اللہ تعالیٰ نے تذکرہ فرمایا ہے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:۔

حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ادریسؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت لوطؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت شعیبؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت ہارونؑ، حضرت یوشعؑ، حضرت حزقیلؑ، حضرت الیاسؑ، حضرت الیسعؑ، حضرت شموئیلؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت ذالکفلؑ، حضرت ایوبؑ، حضرت یونسؑ، حضرت عزیرؑ، حضرت زکریاؑ، حضرت یحییٰؑ، حضرت ذوالقرنینؑ، حضرت عیسیٰؑ، آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

پیغمبروں نے اچھائی اور برائی کے تصور کی تجدید کی۔ اچھائی اور برائی کی پہچان کرائی، اچھی باتوں پر عمل اور بری باتوں سے اجتناب سکھایا۔ دین حنیف کا پرچار کیا یعنی ایسا دین جس میں یہ دنیا بھی شامل ہے اور مرنے کے بعد کی دنیا بھی شامل ہے۔ دین حنیف یہ ہے اگر ہم برائی کریں گے تو ہمیں اس دنیا میں برائی کا نتیجہ ملے گا اور آخرت میں بھی برائی ہی ملے گی۔ اگر ہم اچھائی کریں گے تو یہاں اجر ملے گا اور آخرت میں بھی اجر ملے گا۔

اچھائی برائی کے سلسلے کو قائم رکھنے کے لیے پیغمبروں نے جو تعلیمات دیں وہ یہ ہیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی پرستش کے لائق نہیں۔ آپ دیکھیں کہ جب آپ قرآن پاک پڑھیں، جہاں شرک کا تذکرہ آتا ہے، وہاں اللہ تعالیٰ کے مزاج میں جلال آجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو لوگ مشرک ہیں، اللہ کے علاوہ دوسرے معبودوں کو پوجتے ہیں، میں ان سے دوزخ بھردوں گا۔

ہر پیغمبر نے اس بات کا اعادہ کیا ہے کہ ہمارے بعد ایک اور بندہ آئے گا اور وہ اس مشن کی تکمیل کرے گا۔

وید میں اس بات کا تذکرہ ہے، تورات میں تذکرہ ہے، انجیل میں تذکرہ ہے، صحائف میں تذکرہ ہے۔ حضرت عیسیٰ نے بھی اس بات کی بشارت دی ہے کہ نجات دہندہ آئے گا، فارقلیط آئے گا، اور آخری نبی سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔

حضور پاک ﷺ نے فرمایا کہ میں کوئی نئی بات نہیں کہہ رہا ہوں۔ میرے بھائی پیغمبر جو کہہ چکے ہیں میں اس کا اعادہ کر رہا ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا...... شرک نہ کرو، اللہ وحدہٗ لاشریک ہے، اس ہی کی پرستش کرو اور معاشرتی قوانین پر عمل کرو۔ زمین پر فساد برپا نہ کرو۔ حق تلفی نہ کرو۔ خطبہ حجۃ الوداع میں پوری تفصیل بیان فرمادی ہے۔

جتنے معاشرتی قوانین ہیں...... اس میں کہیں بھی اللہ تعالیٰ کا کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔

مثلاً اگر اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ جھوٹ نہ بولو تو اس میں اللہ کا کیا فائدہ ہے؟ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں چوری نہ کرو تو اس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی Benefit نہیں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ یہ کہتے ہیں کہ چوری نہ کرو تو اس کا مطلب ہے وہ مخلوق کو اذیت سے بچانا چاہتے ہیں۔ جب چوری ہوگی ہی نہیں تو ہر شخص کا گھر چوری سے محفوظ ہوجائے گا۔ آپس میں لڑو جھگڑو نہیں۔ غصہ نہ کرو۔ ہم غصہ کرتے ہیں۔ غصہ کرنے سے معدے کا نظام خراب ہوتا ہے، ہمارا اعصابی نظام کمزور ہوتا ہے، High Blood Pressure ہوجاتا ہے، نئی نئی بیماریاں آجاتی ہیں۔ غصہ کرنے کو اگر اللہ تعالیٰ منع کررہے ہیں تو اس میں نوعِ انسانی کا ہی فائدہ ہے۔

تصوف کیا ہے؟ تصوف کے بارے میں، میں نے جتنا مطالعہ کیا ہے یا جو کچھ میرے مرشد کریم حضور قلندر بابا اولیاء رحمتہ اللہ علیہ سے مجھے علم منتقل ہوا ہے، اس کا لبِ لباب یہ ہے کہ کوئی آدمی اللہ سے کتنا واقف ہے۔ بندہ اللہ سے جتنا واقف ہے اس ہی اعتبار سے وہ صوفی ہے اگر وہ اللہ سے واقف نہیں ہے تو کسی بھی طرح اسے روحانی آدمی یا صوفی نہیں کہا جاسکتا۔ محض زبانی واقفیت نہیں تصدیق بالقلب والی واقفیت ہو۔ سنی سنائی بات نہیں کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔ واقعتاً اس کا مشاہدہ ہو کہ ''مجھے اللہ دیکھ رہا ہے''۔

جو علم بندے کو اللہ سے قریب کرے اور بندے کا اللہ سے رابطہ قائم ہوجائے یہی تصوف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں..... کہ کسی بندے کی یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ اللہ سے ہم کلام ہوسکے لیکن وحی کے ذریعے، پردے کے پیچھے سے یا کسی قاصد کے ذریعے اور اسکے علاوہ جس طرح اللہ چاہے۔

بشر اللہ سے ہم کلام ہوسکتا ہے وحی کے ذریعے سے۔ اس میں عورت اور مرد کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ نبوت اور رسالت بالکل الگ ہے۔ نبیوں کو اللہ تعالیٰ منتخب کرتے ہیں۔ وحی عورتوں پر بھی آئی ہے۔ فرشتے عورتوں کے پاس بھی آئے ہیں۔ حضرت مریمؑ کی مثال ہمارے

سامنے ہے اور بھی خواتین کی مثالیں ہیں۔

اولیاء اللہ خواتین اور اولیاء اللہ مرد حضرات کی روحانی کیفیات ایک جیسی ہوتی ہیں۔

اگر مرد افلاک کی سیر کرتے ہیں، آسمانوں میں پرواز کرتے ہیں، فرشتوں سے ہم نشست ہوتے ہیں تو عورتیں بھی افلاک کی سیر کرتی ہیں، فرشتوں سے ان کی بات ہوئی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی صفت اور تجلی کو دیکھتی ہیں۔

الحمد اللہ عظیمیہ سلسلے میں بہت ساری خواتین ہیں جن کی کیفیات بہت اچھی ہوتی ہیں۔ کئی دفعہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مرد بہت آگے ہیں اور عورتیں پیچھے ہیں اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ خواتین کی روحانی کیفیات مردوں سے اچھی ہوتی ہیں۔

یہ کیوں ہوتا ہے؟

اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ مرد اور عورت دونوں کے پتلے میں اللہ کی روح ہے۔ عورت بھی عبادت کرتی ہے اور مرد بھی عبادت کرتا ہے۔ عورت بھی کھانا کھاتی ہے، مرد بھی کھانا کھاتا ہے۔ عورت بھی سوتی ہے، خواب دیکھتی ہے۔ مرد بھی سوتا ہے، خواب دیکھتا ہے۔ عورت بھی روزہ رکھتی ہے، مرد بھی روزہ رکھتا ہے۔ عورت بھی حج کرتی ہے، مرد بھی حج کرتا ہے۔ مرد بھی اعتکاف کرتا ہے، عورت بھی اعتکاف کرتی ہے۔ مرد کے اندر بھی خون دوڑتا ہے، عورت کے اندر بھی خون دوڑتا ہے۔ مرد بھی خیرات کرتا ہے، عورت بھی خیرات کرتی ہے۔ مرد جہاد کرتا ہے تو عورت بھی جہاد میں شریک ہوتی ہے۔ دنیاوی اعتبار سے مرد اور عورت انجینیئر ہوتے ہیں، مرد پائلٹ ہوتا ہے تو عورت بھی ہوائی جہاز اڑاتی ہے۔ مرد ڈاکٹر، اسکول ٹیچر اور وزیر اعظم ہوتا ہے تو عورت بھی ڈاکٹر، اسکول ٹیچر اور وزیر اعظم ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مردوں کو علم سیکھنے کی صلاحیت دی ہے تو عورتوں میں بھی علم سیکھنے کی پوری پوری صلاحیت موجود ہے۔

حضور پاک ﷺ نے فرمایا ہے ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر علم سیکھنا فرض ہے۔ اگر عورت کے اندر علم سیکھنے کی صلاحیت نہ ہوتی تو حضور پاک ﷺ یہ نہ فرماتے کہ مرد عورت دونوں پر علم سیکھنا فرض ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا دونوں میں صلاحیت ہے۔

ایک بات بہت زور وشور سے کہی جاتی ہے۔ خواتین کے لئے خصوصاً توجہ طلب ہے، ہمارے دانشور کہتے ہیں کہ آدمؑ جنت میں اکیلے تھے، انہیں پریشانی ہوئی کہ میرا کوئی ساتھی ہوتو آدمؑ کی پسلی سے حوا پیدا ہوئیں۔ لیکن قرآن ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ آدمؑ کو علم سکھانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا..... اے آدمؑ تو اور تیری بیوی جنت میں رہو۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آدمؑ کے ساتھ حوا کی تخلیق ہوئی تھی آدمؑ اور حوا دونوں موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں سے فرمایا کہ تم دونوں جنت میں رہو۔

ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبرانؑ کی روایت کو اگر تسلیم کرلیا جائے تو آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ تورات، انجیل اور وید کے کچھ حصے میں نے پڑھے ہیں کسی بھی کتاب میں دین کی تکمیل کا تذکرہ نہیں ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تک انسانی ارتقا اتنا ہوچکا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے دین کی تکمیل کردی۔ فرمایا" آج کے دن دین کی تکمیل ہوگئی اور اللہ تعالیٰ حضور پاک ﷺ سے راضی ہوگئے اور دین اسلام ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے پسند فرمالیا"۔

اب چونکہ دین کی تکمیل ہوچکی ہے لہٰذا کسی پیغمبر کے آنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

رسول اللہ ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد آپ ﷺ کی تعلیمات کو صحابہ کرامؓ نے آگے بڑھایا پھر تابعین، پھر تبع تابعین نے آگے بڑھایا، ان کے بعد اولیاء اللہ نے اس مشن کو پھیلایا اور روز قیامت تک اولیاء اللہ اپنی یہ ڈیوٹی پوری کرتے رہیں گے۔

سوال:- اللہ تعالیٰ سے کس طرح تعلق قائم ہوسکتا ہے؟

جواب:- میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ میں میٹرک کرنا چاہتا ہوں، کس طرح کروں؟

جواب:- اسکول میں جائیں۔

جواب:- تصوف سیکھنے کے لیے ضروری ہے آپ اسکول میں داخلہ لیں۔جس کلاس میں آپ اس وقت بیٹھے ہیں، یہ تصوف کا اسکول ہے۔آپ یہاں آئے تصوف کے بارے میں سنا، کچھ علم حاصل ہوا۔آپ میں شوق پیدا ہوگا آپ بار بار آئیں گے تو تصوف کا علم آپ سیکھ جائیں گے۔

سوال:- موجودہ دور میں تصوف ہمیں کس طرح فائدہ دے سکتا ہے؟ کوئی ایسا طریقہ بتائیں جس سے ہم اس علم سے مستفید ہو سکیں۔

جواب:- بہت آسان طریقہ ہے اور اس میں کوئی وقت بھی نہیں لگتا، اسکول بھی نہیں جانا پڑتا، کوئی یونیفارم بھی نہیں سلوانی پڑے گی۔توجہ فرمائیں! اللہ تعالیٰ نے ہمیں آنکھیں دی ہیں، سب کو پتہ ہے آنکھیں اللہ نے دی ہیں۔ہم یہ بھی جانتے ہیں اللہ تعالیٰ آنکھیں لے بھی سکتا ہے کیونکہ دنیا میں بہت سارے اندھے ہیں۔آپ یہ کیجئے کہ سونے سے پہلے جو کچھ آپ نے دیکھا ہے اس کو دہرائیں۔ہم نے گھر دیکھا ہے، اماں کو دیکھا ہے، بچے دیکھے ہیں، بازار دیکھا ہے، نکلتا ہوا سورج دیکھا ہے، رات کو چاندنی دیکھی ہے اور آسمان پر ستاروں کی کہکشاں دیکھی ہے اور آپ جب صبح کو اٹھیں تو یہ سوچیں کہ اگر ہم اندھے ہو کر اٹھتے تو کیا ہوتا؟

اس عمل سے کیا ہوگا؟........

یہ ہوگا کہ آنکھ کی نعمت کی قدر ہوگی۔اس نعمت کا پھیلاؤ آپ کے سامنے آئے گا اور آپ لازماً اللہ کا شکر ادا کریں گے اور جب آپ اللہ کا شکر ادا کریں گے تو چھوٹی بڑی پریشانیاں اور بے سکونیاں از خود ختم ہو جائیں گی۔اگر اللہ کی ایک ایک نعمت پر آپ شکر ادا کرنے لگیں تو آپ کا تعلق اللہ سے قائم ہو جائے گا۔اللہ تعالیٰ کہتے ہیں شکر کرنے والے بندے بہت کم ہیں، شکر کرو۔شکر کا مطلب ہے جو نعمت اللہ تعالیٰ نے دی ہے، اس کو استعمال کرو اور استعمال کرکے

اس کے نتائج تلاش کرو۔سوچو کہ یہ نعمت نہ ہوتی تو کیا ہوتا۔مثلاً آدمی کے کان نہ ہوتے تو وہ کیا کرتا۔رات کو سونے لگو تو آنکھ کی نعمت یاد کرو کہ اللہ تعالیٰ نے اندھے پن سے محفوظ رکھا ہوا ہے، اس کا شکر ادا کرو۔اللہ تعالیٰ نے معذور نہیں کیا، اس کا شکر ادا کرو۔صبح کو اٹھ کر کلمہ پڑھو .....لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ .....ایک مہینہ آنکھ کی نعمت کو یاد کرو، ایک مہینہ کان کی نعمت کو یاد کرو، ایک مہینہ دماغ کی نعمت کو یاد کرو، اتنی چیزیں ہیں کہ یاد کرکے شکر ادا کرنے میں ایک سال آرام سے گذر جائے گا اور انشاء اللہ بارہ مہینے میں اللہ سے آپ کا رابطہ قائم ہو جائے گا۔

بہت شکریہ!



خیال آئے بغیر کوئی عمل ممکن نہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آج کی نشست میں پیراسائیکالوجی کے متعلق گفتگو ہوگی۔ پیراسائیکالوجی یا مابعد النفسیات کا روحانیت میں کیا مقام ہے؟

جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں دنیا میں بہت سارے علوم رائج ہیں۔علم کے تین باب ہیں۔طبعیات، نفسیات اور مابعد النفسیات یا فزکس ،سائیکالوجی اور پیراسائیکالوجی۔ دنیا میں جتنے بھی علوم رائج ہیں وہ کسی نہ کسی طرح علم کے انہی تین دائروں کے اندر گھومتے ہیں۔کوئی بھی علم ہو، کسی بھی شعبے سے متعلق ہو وہ ان تین دائروں سے باہر نہیں ہے یعنی فزکس، سائیکالوجی اور پیراسائیکالوجی ،تمام علوم کو Cover کرتے ہیں۔

فزکس کے بارے میں آپ جانتے ہیں، سائیکالوجی کے بارے میں بھی آپ جانتے ہیں۔البتہ پیراسائیکالوجی ایسا علم ہے جس کا تعلق براہِ راست ریسرچ اور تحقیق سے ہے۔ جتنی بھی سائنسی ایجادات ہوئی ہیں، ہورہی ہیں یا آئندہ ہوں گی ان کا مخزن ومنبع پیراسائیکالوجی ہے۔نفسیات کی اصطلاح میں ان تین دائروں کو شعور، لاشعور اور ورائے لاشعور کہا جاتا ہے۔

تمام علوم اور حرکات وسکنات جو انسان کی زندگی میں پیش آتے ہیں یا جن حرکات وسکنات سے کوئی انسان، حیوان، شجر، حجر باہر نہیں ہوسکتا وہ شعور کے دائرے میں آتے ہیں۔ یعنی زندگی گزارنے کے لیے تقاضے اوران تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے جتنے بھی حواس ہیں وہ شعور کے دائرے میں آتے ہیں۔شعور ایسا دائرہ ہے کہ جس میں انسان اپنی زندگی کا عملی مظاہرہ کرتا ہے۔مثلاً آدمی پانی پیتا ہے، یہ ایک عمل ہے۔ پرندے بھی پانی پیتے ہیں، چوپائے بھی پانی پیتے

ہیں، درخت بھی پانی پیتے ہیں، سبزیاں، ترکاریاں بھی پانی پیتی ہیں۔ یہ ایک شعوری عمل ہوا۔لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بڑی اہم ہے کہ پانی پینے کا عمل ذاتی عمل نہیں ہے۔پانی پینے کا خیال آئے گا تو پانی پینے کا تقاضا پیدا ہوگا۔

یہ دو باتیں ہوگئیں، پانی پینا اور پانی پینے کا خیال آنا۔انسان کے اندر تین حصے پانی ہے، اس میں کمی ہوجاتی ہے تو آدمی پانی پیتا ہے۔انرمیں کوئی ایجنسی ہے جو اس طرف متوجہ کرتی ہے کہ پانی پینا ضروری ہے، اس کا نام ہم نے پیاس رکھا ہوا ہے۔ پانی آدمی اس لئے پیتا ہے کہ اسے پانی پینے کی اطلاع دی جارہی ہے۔پانی پینا شعوری عمل ہے اور پانی پینے کا خیال آنا لاشعوری عمل ہے۔

بات پوری نہیں ہوئی۔ ابھی دو باتیں سامنے آئی ہیں۔ پانی پینا اور پانی پینے کا خیال آنا۔تیسری بات یہ ہے کہ پانی پینے کا خیال کہاں سے آیا؟ یہ تیسرا دائرہ ہے۔تیسرے دائرے کا نام ورائے لاشعور ہے۔

پانی پینے کا خیال کہاں سے آیا؟

چونکہ پانی پینے کا خیال لاشعور سے آیا اس لیے یہ لاشعوری عمل، لاشعوری اطلاع یا انفارمیشن ہوئی۔لیکن اصل Source of Information ورائے لاشعور ہے۔

وضاحت کی جائے تو یوں کہیں گے کہ کوئی کام اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک اس کام کو کرنے سے متعلق آپ کو انفارمیشن نہ ملے۔کوئی انسان اس وقت تک نہیں سوسکتا جب تک اسے سونے کی اطلاع نہ ملے۔سونے کی اطلاع کے بہت سارے طریقے ہیں۔آپ کا جسم ٹوٹنے لگے گا، اعصاب مضمحل ہونے لگیں گے اور آپ کے ذہن میں یہ بات آئے گی کہ اب سونا چاہئے، نیند آرہی ہے Relax ہونے کی ضرورت ہے۔ جب آپ کو سونے کی اطلاع ملے گی تو آپ سوجائیں گے۔اسی طرح جب تک کہ آپ کو بیدار ہونے کی اطلاع نہیں ملے گی آپ

بیدار نہیں ہوں گے۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم رات کو سو گئے صبح کو اٹھ گئے۔ ایسا نہیں ہے۔ ہم اطلاع کے بغیر سو بھی نہیں سکتے اور اطلاع کے بغیر نیند سے بیدار بھی نہیں ہو سکتے۔

یہ بات طلباو طالبات اور اساتذہ کرام کو یاد رکھنی چاہئیے کیونکہ اس فارمولے سے آئندہ بڑے بڑے مسائل حل ہوں گے۔ جب بھی کوئی آدمی سو کر بیدار ہوتا ہے، اسے یقیناً کوئی نہ کوئی خیال آتا ہے۔ ایسا ممکن نہیں ہے کہ آپ سو کر اٹھیں اور آپ کو کوئی خیال نہ آئے۔ اس کی پریکٹس اس طرح ہوگی کہ جب آپ سو کر اٹھیں تو یاد کریں کہ آپ کو پہلا خیال کیا آیا تھا۔ اس سے آپ اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ اٹھتے ہی سب سے پہلے کوئی نہ کوئی خیال آتا ہے۔ مثلاً ہو سکتا ہے چائے پینے کا خیال آئے، ہو سکتا ہے دفتر کا خیال آئے، ہو سکتا ہے کسی عزیز کا خیال آجائے، یا دنیاوی کوئی کام یاد آجائے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ بیدار ہوتے وقت کوئی خیال نہ آئے۔

جب ہم سوتے ہیں تو ہم اس زون مین داخل ہو جاتے ہیں جہاں شعوری خیالات کے قبول کرنے کا سلسلہ معطل ہو جاتا ہے اور جب ہم بیدار ہوتے ہیں تو شعوری خیالات کی آمد کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس طرح یہ دو زون بن گئے۔ ایک میں شعوری خیالات معطل جاتے ہیں اور دوسرے میں لاشعوری خیالات متحرک ہو جاتے ہیں۔

قرآن پاک کی تعلیمات کے مطابق دو زون ہیں۔ ایک وہ زون ہے جہاں آدمی خیالات سے آزاد ہو جاتا ہے۔ مثلاً آپ ہر وقت سوچتے رہتے ہیں، پریشان ہیں، خوش ہیں، لیکن جب آپ سوئیں گے تو خیالات کی یلغار ختم ہو جائے گی یعنی نیند میں بیداری کے خیالات سے آدمی آزاد ہو جاتا ہے۔

آدمی بیدار ہونے کے بعد پھر اس زون میں داخل ہو جاتا ہے جہاں خیالات کا ہجوم ہے۔ آپ یہ سوال کر سکتے ہیں کہ اچھے خیالات کیوں آتے ہیں برے خیالات کیوں آتے

ہیں؟ جب کہ ہر انسان پرسکون رہنا چاہتا ہے تو اس کو ایسے خیالات کیوں آتے ہیں کہ وہ اضطراب و بے چینی میں مبتلا رہتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ ہر انسان دو زون میں رد و بدل ہو رہا ہے۔ ایک زون وہ ہے جہاں وہ خیالات میں گھرا رہتا ہے اور ایک زون وہ ہے جہاں وہ دنیاوی خیالات سے آزاد ہو جاتا ہے۔

آپ نے سائیکک کیس دیکھے ہوں گے۔ سائیکک کیس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی انسان کسی ایک خیال میں اتنا زیادہ مشغول ہو جاتا ہے کہ اسے دوسرا خیال نہیں آتا۔ مثلاً کسی کو یہ خیال آتا ہے کہ میرے اوپر جادو کر دیا گیا ہے لیکن اس کی کوئی تصدیق نہیں ہے کہ جادو ہوا ہے یا نہیں ہوا۔ بس وہ اس خیال میں مصروف رہتا ہے کہ کسی نے جادو کرا دیا ہے۔ لیکن اگر آپ اس کو Sleeping Pills دے دیں، یا نیند کا Injection لگا دیں، تو اُسے معکوس خیالات نہیں آئیں گے۔ یہ جتنے سائیکک کیس ہوتے ہیں، ان میں جو دوائیں دی جاتی ہیں، وہ تقریباً سب نیند آور ہوتی ہیں۔ ہیروئن کا نشہ ختم کرنے کے لیے ایک اور نشہ دیتے ہیں جس نشے سے وہ ہیروئن کے تقاضے کو بھول جاتا ہے۔ نشے کی پوری کیفیات اس کے اوپر ہوں گی، اس کی رال بھی ٹپکے گی، وہ سونے جاگنے کی حالت میں بھی ہوگا۔ اگر مریض کو ایک ہفتے تک سلائے رکھیں، ایک ہفتے تک وہ ہیروئن نہیں پئے گا۔ کیوں؟.........

اس لیے کہ خیالات کے انتشار کو روک دیا گیا ہے۔ اس کو اس زون سے نکال لیا گیا ہے۔ جس زون میں خیالات میں انتشار ہے، اضطراب ہے، بے چینی ہے، بے سکونی ہے، پریشانی ہے، وہ سوچنے پر بے بس ہے وہ اس سوچ کو ہٹا نہیں سکتا۔ سلیپنگ پلز سے وہ یہ سب بھول جاتا ہے۔

دو زون میں انسان رد و بدل ہو رہا ہے، ایک زون بیداری کا ہے اور ایک زون خواب

کا ہے۔ جب تک انسان بیداری کے زون میں رہتا ہے، شعور میں رہتا ہے اور جب بیداری کے زون سے نکلتا ہے لاشعور میں چلا جاتا ہے۔ اب اس بات کو ہم اس طرح کہیں گے کہ انسان دو دائروں (Zone) میں سفر کر رہا ہے، ابھی میں نے تین دائروں کا تذکرہ کیا تھا، آپ کہیں گے یہ تین سے دو کیسے ہو گئے؟

جو دائرہ ہر وقت انسان کو کسی نہ کسی خیال میں مصروف رکھے وہ شعوری دائرہ ہوتا ہے۔

مثلاً ایک آدمی رات کو دس بجے سوتا ہے اور صبح چھ بجے بیدار ہوتا ہے تو وہ آٹھ گھنٹے تک سویا ہے۔ آٹھ گھنٹے تک اسے کوئی خیال نہیں آیا۔ لوگ کہتے ہیں کہ جب ہم کتاب پڑھتے ہیں، Concentration کی وجہ سے ہمیں کوئی خیال نہیں آیا۔ وقت کا بھی احساس نہیں ہوتا، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ خیال سے آزاد ہو گئے ہیں۔ آپ نے سارے خیالات سے خود کو آزاد کر کے کسی ایک خیال میں اپنے آپ کو مصروف کر دیا۔ خیال تو آیا لیکن بہت سارے خیالات نہیں آئے۔

قانون:

کسی بھی خیال کی عمر زیادہ سے زیادہ 15 سیکنڈ ہوتی ہے۔ 15 سیکنڈ کے بعد ایک خیال کی فریکوئنسی لہروں کی شکل میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

ایک بیداری کا زون ہے جس میں آدمی ہمہ وقت خیال میں مصروف رہتا ہے۔ اس کا نام قرآن کریم نے دن رکھا ہے اور جس زون میں انسان خیالات سے آزاد ہو جاتا ہے، اس کا نام لیل رکھا ہے۔ قرآن پاک کے نقطۂ نظر سے ہر انسان رات اور دن میں ردّ و بدل ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم رات کو دن میں سے نکال لیتے ہیں اور دن کو رات میں سے نکال لیتے ہیں۔ دن پر سے رات کو ادھیڑ لیتے ہیں اور رات پر سے دن کو ادھیڑ لیتے ہیں۔ یعنی ہر انسان دو زون میں ردّ و بدل ہو رہا ہے۔ ایک بیداری کا زون ہے اور دوسرا خواب کا زون ہے۔

بیداری کا زون شعور کا زون ہے اور خواب کا زون لاشعور کا زون ہے۔ روحانیت یا دنیا کا کوئی بھی علم ان دو دائروں سے آزاد نہیں ہے۔

دن کے حواس ہوں یا رات کے حواس ہوں انسان ان دونوں زون میں کبھی خیالات سے آزاد نہیں ہوتا۔ اب ہم یوں کہیں گے کہ جب انسان دن کے حواس میں ہوتا ہے تو اس کی سوچ کی استعداد کم سے کم ہو جاتی ہے۔ یعنی وہ ٹائم اسپیس میں بند ہو جاتا ہے۔ ٹائم اسپیس میں بند ہو کر جب خیالات آتے ہیں ان کا نام دن کے حواس ہے۔ لیکن جیسے ہی وہ خواب کے اندر داخل ہوتا ہے، ٹائم کی رفتار تیز ہو جاتی ہے اور اتنی تیز ہو جاتی ہے کہ شعور کی گرفت سے باہر ہو جاتی ہے۔ شعور اسے پکڑ نہیں سکتا۔

الحمد اللہ! میں عاجز بندہ محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت پر چوتھی جلد لکھ رہا ہوں۔ آپ سب بچوں سے، بزرگوں سے، اساتذہ سے درخواست ہے کہ دعا کریں کہ یہ کام پورا ہو جائے۔ اس کتاب میں ٹائم کی رفتار اور اسپیس کے پھیلاؤ کے بارے میں وضاحت کی گئی ہے۔ ٹائم کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ لیلۃ القدر کے حواس کی رفتار ایک ہزار مہینوں سے زیادہ ہے۔ اس حساب سے لیلۃ القدر کے حواس کی رفتار چودہ کروڑ چوالیس لاکھ میل فی گھنٹہ ہوتی ہے۔ خواب میں ٹائم کی رفتار اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ انسان کی نظر اس کو نہیں پکڑتی۔

مثلاً آپ ریل میں بیٹھے ہیں، ریل 150 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چل رہی ہے۔ اب تو ریلیں تین تین سو میل کی رفتار سے چل رہی ہیں۔ آپ ریل میں کھڑکی کے پاس بیٹھے ہیں، باہر درخت ہیں، تار کے کھمبے ہیں۔ لیکن آپ ان کھمبوں کو گن نہیں سکتے۔

کیوں نہیں گن سکتے؟

اس لیے نہیں گن سکتے کہ شعور کی رفتار 150 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے کم ہے۔ کھمبا آپ دیکھ رہے ہیں، جتنے درخت آپ کی نظروں کے سامنے سے گزر رہے ہیں وہ بھی آپ دیکھ

رہے ہیں۔لیکن آپ اس درخت کی شناخت نہیں کر سکتے کہ یہ درخت کون سا ہے۔

آپ ریل میں بیٹھے ہوئے ہیں۔آپ کے پاس ایک گیند ہے۔گاڑی دو سو میل کی رفتار سے چل رہی ہے۔آپ گیند ریل کی دیوار پر مارتے ہیں۔گیند آپ کے ہاتھ میں آجاتی ہے۔یہ کیسے ممکن ہوا؟ گاڑی تو آگے جا رہی ہے۔گیند آپ کے ہاتھ میں کیسے واپس آگئی؟ اصل بات یہ ہے شعوری سیٹ اپ دو رخوں میں کام کر رہا ہے۔ڈبے کے اندر کا سیٹ اپ اور ریل کے ڈبے سے باہر کا سیٹ اپ الگ الگ ہے۔ڈبے کے اندر کی اسپیس محدود ہے لیکن باہر کی اسپیس کا پھیلاؤ زیادہ ہے۔آپ کا شعوری سیٹ اپ جب باہر کے منظر کو دیکھتا ہے تو درخت اتنی تیزی سے گزر رہے ہیں کہ ان درختوں کو گنا نہیں جا سکتا۔اندر کا سیٹ اپ ایسا نہیں ہے اس لیے کہ آپ کو دیوار بھی نظر آ رہی ہے، مسافر بھی نظر آ رہے ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ جیسے ہی زاویہء نظر بدلتا ہے Vision میں تبدیلی آجاتی ہے۔

جب ہم بیدار ہوتے ہیں تو ہماری آنکھ کا Vision تین میل فی گھنٹے کا ہوتا ہے اور جب ہم مراقبے میں ہوتے ہیں تو ہوسکتا ہے کہ ہمارا Vision ایک منٹ میں تین میل کا ہوجائے اور ہوسکتا ہے کہ ہمارا vision ایک منٹ میں ایک ہزار میل کا ہوجائے یا اور زیادہ کا ہوجائے۔ اسی طرح جب ہم خواب میں داخل ہوتے ہیں تو Vision تبدیل ہوجاتا ہے۔زاویہء نظر بدل جاتا ہے اور زاویہء نظر کی تبدیلی سے ہر نقش و نگار ہمیں تبدیل نظر آتا ہے جبکہ وہ تبدیل نہیں ہوتے۔

آپ ایک بلڈنگ کے سامنے کھڑے ہو کر بلڈنگ کو دیکھیں تو اور طرح نظر آئے گی۔آپ بلڈنگ کے کونے پر کھڑے ہو کر دیکھیں تو اور طرح نظر آئے گی۔ Three Dimensions میں نظر آئے گی۔آپ چھت کے اوپر سے بلڈنگ کو دیکھیں تو اور طرح نظر آئے گی۔بلڈنگ وہی ہے۔چونکہ اسپیس تبدیل ہو رہی ہے اس وجہ سے بلڈنگ مختلف نظر آ رہی

ہے۔

خواب میں آدمی کا تعلق بیداری کے ماحول سے کٹ جاتا ہے اور رفتار تیز ہوجاتی ہے۔خواب ہو یا بیداری، مرنا ہو یا جینا، اس دنیا کی زندگی ہو یا مرنے کے بعد عالم اعراف کی زندگی ہو، کسی بھی لمحہ کوئی انسان خیالات سے آزاد نہیں ہوتا۔

تیسرا دائرہ source of information ہے جہاں سے آپ کو انفارمیشن مل رہی ہے۔یہ دائرہ ورائے پیراسائیکالوجی کے زمرے میں آتا ہے۔کسی روحانی انسان کے لیے یہ از بس ضروری ہے کہ وہ اپنے کردار اپنے افعال، اپنے اعمال و وظائف کے بارے میں اس بات کی تحقیق کر لے کہ یہ سب کیوں ہو رہا ہے، کہاں سے ہو رہا ہے، کس طرح ہو رہا ہے۔عام بات ہے کہ آدمی پانی پیئے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا لیکن وہ یہ سوچتا ہی نہیں کہ پیاس کیا چیز ہے، پیاس کیوں لگتی ہے۔کون سا سسٹم ہے، جس سسٹم کے تحت جسمانی مشینری میں تقاضے پیدا ہو رہے ہیں۔Body میں ایسی Chemical Changes آجاتی ہیں، جس کی وجہ سے آدمی پانی پینے پر مجبور ہوجاتا ہے۔

روحانی نقطہ نظر سے اگر انسان کے اندر ریسرچ اور تفکر نہیں ہوگا تو آدمی روحانیت نہیں سیکھ سکتا۔بالکل اسی طرح اگر سائنٹسٹ کے اندر ریسرچ اور تفکر نہیں ہوگا تو کوئی ایجاد نہیں ہوگی۔

اس لیکچر کا خلاصہ یہ ہے کہ کائناتی علوم ہوں، یا دنیاوی علوم، تین دائروں میں قائم ہیں۔تین دائروں میں سفر کر رہے ہیں اور تین دائروں میں ہی ان کا ارتقا ہو رہا ہے اور تین دائروں کے علم کی محرومی سے ہی کوئی قوم محروم ہو کر ذلیل و خوار ہوتی ہے اور تین دائروں کے علوم حاصل کر کے ہی کوئی قوم عروج پاتی ہے اور ترقی کرتی ہے۔

سوال:- انسان کو خیالات آتے ہیں، کچھ خیالات نیک ہوتے ہیں، کچھ برے ہوتے ہیں۔ان

برے خیالات سے چھٹکارا کس طرح ممکن ہے جبکہ پورے ماحول میں برائی پھیلی ہوئی ہے؟

جواب:- انسان اور حیوان کی تخلیق پر اگر غور کیا جائے تو تخلیق میں ہمیں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ جس طرح ہم اپنے ماں باپ سے پیدا ہوتے ہیں، اسی طرح حیوانات بھی پیدا ہوتے ہیں۔ یہ بالکل الگ بات ہے، کوئی پیٹ سے پیدا ہوتا ہے، کوئی انڈے سے پیدا ہوتا ہے۔ انسانی ضروریات اور انسانی تقاضے بھی وہی ہیں، جو حیوانات میں ہیں۔ مثلاً بھوک لگنا، پیاس لگنا، سونا، بیدار ہونا، معاش کے لیے جدو جہد کرنا تلاش کرنا، اپنے بچوں سے پیار کرنا، بچوں کی تربیت کرنا۔ ایک بات حیوانات میں اور انسان میں مشترک نہیں ہے اور وہ ہے اچھائی اور برائی کا تصور۔ انسان کو اچھائی اور برائی کا تصور دوسری مخلوقات سے ممتاز کرتا ہے۔ کائنات میں موجود تمام مخلوقات سے انسان کو جو چیز ممتاز کرتی ہے وہ اچھائی اور برائی سے واقفیت ہے۔

اگر کسی انسان کے اندر سے اچھائی اور برائی کا تصور نکل جائے تو بکری اور انسان میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ اس پر کوئی قانون بھی نافذ نہیں ہوتا۔ آدمی، اگر باشعور نہیں ہے تو اس پر مقدمہ نہیں چلتا۔ اچھائی اور برائی کا تصور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں منتقل کیا ہے۔

انسان کو جس قسم کا ماحول میسر آتا ہے وہ اس سے متاثر ضرور ہوتا ہے کم یا زیادہ۔ پاکستان اور اسلامی ممالک میں صحیح معنوں میں اسلام نافذ ہو جائے تو پورا ماحول پاکیزہ ہو جائے گا۔ ہر آدمی کو اچھے ہی اچھے خیالات آئیں گے اور اگر برے خیالات بھی آئیں گے تو ان کی Percentage اتنی کم ہو گی کہ اچھائی کے خیالات ان کو دبا لیں گے۔

مٹی کے تیل کا ایک ڈپو ہے، آپ وہاں جائیں، کچھ بھی نہ کریں، دو منٹ کھڑے ہو کر آجائیں۔ جب آپ واپس آئیں گے تو آپ کے کپڑوں میں سے مٹی کے تیل کی بدبو آئے گی حالانکہ آپ نے تیل کو ہاتھ نہیں لگایا۔ دوسرا بندہ عطر کی دکان میں جاتا ہے نہ وہ عطر کا پھویا لیتا

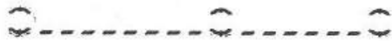
ہے۔ نہ عطر کی شیشی کو ہاتھ لگاتا ہے، تھوڑی دیر کھڑا ہو کر واپس آجاتا ہے۔ اس کے کپڑوں میں خوشبو بس جائے گی۔

سوال :- خراب ماحول سے ہم کسطرح بچیں اور اپنی اصلاح کریں؟

جواب :- خود کو ماحول سے آزاد کر کے ایسا وقت متعین کیا جائے کہ جس میں اللہ کا ذکر کریں اور مراقبہ کریں۔ رات کو دنیا کے جھمیلوں سے آزاد ہو کر اپنا محاسبہ کریں۔ سارے دن گناہوں کی جمع کی ہوئی گٹھڑی کو کھولیں اور ایک ایک کر کے کوتاہی کو یاد کریں۔ نماز قائم کریں۔

سوال:- موت کے بعد انسان کس جگہ جاتا ہے۔ کیا ہم اسے خواب کے زون سے تشبیہ دے سکتے ہیں؟

جواب:- اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ "تم روز مرجاتے ہو، صبح کو ہم زندہ کر دیتے ہیں" تو خواب اور موت میں فرق یہ ہے کہ خواب میں آدمی دوبارہ اس دنیا میں منتقل ہو جاتا ہے۔ موت کے بعد کوئی انسان اس جسمانی وجود کے ساتھ دنیا میں نہیں آتا۔



جذبات کہاں بنتے ہیں؟

پروفیسر جامی صاحب، اساتذہ کرام، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی ملتان۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

خیالات وتصورات جسم پر کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں؟

زندگی کا کوئی رخ ہو، صحت مندی کا رخ ہو بیماری کا ہو، پریشانی کا ہو، خوشی کا ہو، احساس کمتری یا احساس برتری کا رخ ہو۔ یہ تمام اعمال، تاثرات، جذبات خیالات کے تابع ہیں۔ اس وقت چھ ارب کی آبادی ہے، چھ ارب آبادی میں ایک انسان بھی اس بات سے انکار نہیں کرسکتا کہ اس کی زندگی کا دارومدار خیالات کے اوپر ہے۔ جب تک کسی چیز کے بارے میں خیال وارد نہیں ہوتا وہ چیز واقع نہیں ہوتی۔

اس کی بہت ساری مثالیں ہیں مثلاً ہم رات کو سوتے ہیں، صبح کو بیدار ہوجاتے ہیں۔ صبح کے معمولات میں ہمارا ایک معمول یہ ہے کہ ہمیں دفتر جانا ہے۔ اگر ہمیں بیدار ہونے کے بعد دفتر جانے کا خیال نہ آئے تو ہم دفتر نہیں جائیں گے۔

یہی حال کھانے پینے کا ہے۔ مریض کو بھوک نہیں لگتی۔..... مریض کھانا کیوں نہیں کھاتا؟ کھانا اس لیے نہیں کھاتا کہ اسے کھانے کی اطلاع نہیں ملی۔ علیٰ ہذالقیاس زندگی کے جتنے بھی معمولات ہیں ان میں کوئی عمل ایسا نہیں ہے کہ جو خیال آئے بغیر انجام دیا جاسکے۔ کلیہ یہ بنا کہ زندگی کا دارومدار اس بات پر ہے کہ جب کوئی کام آپ کرنا چاہیں تو پہلے آپ کو خیال آئے گا اور اس کے بعد آپ وہ عمل کریں گے۔

ہماری پوری زندگی اطلاعات پر قائم ہے۔ اگر آپ کا ذہن آپ کے شعور کو اس بات

سے مطلع نہیں کرے گا کہ آپ کو پانی پینے کی ضرورت ہے تو آپ پانی نہیں پی سکتے۔ اگر آپ کا ذہن آپ کے شعور کو اس بات سے مطلع نہیں کرے گا کہ آپ کو اب نیند کی ضرورت ہے، آپ سو نہیں سکتے۔ انتہا یہ کہ اگر آپ کو سونے کی گولیاں Sleeping Pills بھی دی جائیں گی پھر بھی آپ کو نیند نہیں آئے گی۔ نیند کی گولی دینے کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ جو انفارمیشن آپ کو سلاتی ہے وہ متحرک ہوجائے۔ زندگی کا کوئی ایک عمل پیدائش سے لے کر موت تک ایسا نہیں ہے جو آپ خیال آئے بغیر کرسکیں۔

خیال ایک اطلاع ہے۔ انسان کے اندر ایک ایسی ایجنسی ہے جو ایجنسی انفارمیشن قبول کرتی ہے اور انفارمیشن جس قسم کی ہوتی ہے اس قسم کے تاثرات قائم ہوجاتے ہیں۔ مثلاً ایک آدمی گھر میں بیٹھا ہے، اس کو ایک بری اطلاع ملی .... اللہ تعالیٰ سب کے بچوں کو محفوظ رکھے ..... کہ بچے کا ایکسیڈنٹ ہوگیا۔ جیسے ہی یہ انفارمیشن ملے گی زندگی میں ایک ہلچل برپا ہوجائے گی۔ سوائے پریشانی کے اور کوئی بات ذہن میں نہیں آئے گی۔ جب تک آپ بچے کو دیکھ نہیں لیں گے۔ جب تک آپ بچے کو ہسپتال نہیں پہنچادیں گے، جب تک اس اطلاع یا انفارمیشن کے مقابلے میں آپ کی تسلی نہیں ہوجائے گی کہ ایکسیڈنٹ خطرناک نہیں ہے، آپ مطمئن نہیں ہوں گے۔

آپکو یہ اطلاع ملی کہ بیٹی اچھے نمبروں سے پاس ہوگئی ہے۔ ابھی آپ نے اس کی مارکس شیٹ نہیں دیکھی۔ بیٹی نے آکر بتایا بھی نہیں ہے لیکن اس انفارمیشن کے تاثرات خوشی کی شکل میں مرتب ہوں گے۔ مفہوم یہ نکلا کہ خوشی ہو یا غمی ہو اس کا تعلق انفارمیشن سے ہے۔

سوال:۔ انفارمیشن کہاں سے آتی ہے؟

جواب:۔ اس انفارمیشن کا تعلق روح سے ہے۔

سوال:۔ روح سے جسم کا تعلق کیوں اور کسطرح ہے؟

جواب:۔ ہم دیکھتے ہیں کہ روح جسم سے رشتہ توڑ لیتی ہے تو کسی بھی انفارمیشن کا اثر جسم پر مرتب نہیں ہوتا۔ ایک آدمی مر گیا، اس کے کان میں کہا جائے تیرے بیٹے کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے یا بیٹا پیدا ہوا ہے۔ تو اس پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔

کیوں...؟

کان ہیں، دماغ بھی ہے۔

بات یہ ہے کہ روح نے اس physical body سے اپنا رشتہ توڑ لیا ہے۔

اب ہم اس طرح کہیں گے کہ جب تک روح کا تعلق جسم سے رہتا ہے، اس وقت تک انفارمیشن رہتی ہے اور جیسے ہی روح کا جسم سے رشتہ منقطع ہو جاتا ہے انفارمیشن کا عمل ختم ہو جاتا ہے۔

ہم لیکچر میں بتا چکے ہیں کہ مادی جسم روح کا لباس ہے۔ جب تک روح اس لباس کو پہنے رہتی ہے، اس میں حرکت رہتی ہے۔ بلکہ دماغ خیالات آنے کا ذریعہ ہے۔

خیالات کہاں سے آتے ہیں؟

یہ بات تو آپ سمجھ گئے ہیں کہ خیالات دماغ سے نہیں آتے۔ اگر خیالات دماغ میں سے آتے تو مردہ جسم بھی خیالات کو قبول کرتا۔ خوشی اور غم سے جسم متاثر نہیں ہوتا بلکہ روح کا لباس متاثر ہوتا ہے۔ جب تک روح اس جسم کو پہنے رہتی ہے، اثرات مرتب ہوتے رہتے ہیں اور روح جب اس لباس کو یعنی جسم کو اتار دیتی ہے تو کوئی تاثر قائم نہیں ہوتا۔

ہمیں بخوبی اندازہ ہو گیا ہے کہ ہمارا جسمانی وجود جس کو ہم physical body کہتے ہیں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اس کی حیثیت صرف اتنی ہے کہ روح نے اس کو اپنا لباس بنایا ہوا ہے۔ جب تک روح اس لباس کو پہنے رہتی ہے، جسم میں حرکت رہتی ہے۔ بالکل اس طرح جس طرح آپ کوٹ پہنے رہتے ہیں اور جسم کے ساتھ کوٹ بھی حرکت کرتا ہے۔

یہ کیا بات ہوئی؟

بات یہ ہوئی کہ دنیا کے چھ ارب انسان physical body کو اصل سمجھے ہوئے ہیں۔ جب کہ یہ اصل نہیں ہے۔ جب تک ہم اسے اصل سمجھتے رہیں گے ہم فکشن کی زندگی میں قید رہیں گے اور جب ہمارے اوپر یہ عقدہ کھل جائے گا کہ جس طرح کوٹ جسم کے بغیر حرکت نہیں کرتا، اسی طرح روح کے بغیر جسم حرکت نہیں کرتا تو ہم Fiction سے نکل کر Reality میں داخل ہو جائیں گے۔

جہاں Reality ہوتی ہے وہاں شک نہیں ہوتا۔ جہاں Fiction ہوتا ہے وہاں شک ہوتا ہے۔ جب تک انسان شک کی زندگی میں مبتلا رہے گا، تکلیف میں رہے گا۔ جتنا زیادہ شک بڑھ جائے گا اسی مناسبت سے مزاج میں تبدیلی آتی رہے گی اور ایک وقت ایسا آئے گا کہ شعور غیر متوازن ہو جائے گا۔ جب شعور غیر متوازن ہو جائے گا تو طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہو جائیں گی۔ مرگی، آسیب، کینسر، سل، دق، شوگر، بے خوابی، بلڈ پریشر، وغیرہ یہ سارے امراض اس بنیاد پر ہیں کہ ہم اس physical body کو اصل سمجھ رہے ہیں۔

روحانیت کہتی ہے کہ انسان کو اس بات کا ادراک ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس physical body کو روح کے تابع کیا ہے۔ روح physical body کے تابع نہیں ہے۔

خیالات کیوں آتے ہیں؟

میرے لیے بہت زیادہ محترم اساتذہ کرام، خواتین وحضرات

السلام علیکم۔

بلاشبہ یہ میرے لیے بڑی سعادت کی بات ہے کہ علم دوست طبقے میں اللہ کے فضل وکرم سے مجھ عاجز بندے کی پذیرائی ہوئی۔ اس میں خالصتاً اللہ تعالیٰ کا فضل میرے شامل حال ہے۔ میں اپنے بزرگوں سے، اساتذہ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا فرمائیں کہ میں جو کچھ عرض کروں وہ آپ سامعین کی ذہنی استعداد کے مطابق ہو۔ اللہ تعالیٰ مجھے توفیق عطا فرمائیں اور ان الفاظ سے میری معاونت فرمائیں جو الفاظ میرے لیے اور آپ کے لیے باعث نیکی اور خیر ہوں۔

میرے عزیز دوست پروفیسر جامی صاحب نے سورۃ الماعون کی تلاوت کی ہے۔ مجھے تحریک ہوئی کہ سورۃ میں آیت..... فویل للمصلین .....پس خرابی ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں کے بارے میں کچھ معروضات میں عرض کروں۔

یہ بات ہم جانتے ہیں کہ نماز فرض ہے۔ لیکن المیہ یہ ہے کہ نماز ایک ہفتے تک قضا ہو سکتی ہے، نوکری پر جانا ایک دن قضا نہیں ہوتا۔ نماز قضا ہو جاتی ہے، وقت پر نوکری پر جانا قضا نہیں ہوتا؟

اہمیت کس کو ہوئی؟ نوکری کو؟ پیسے کو؟ دولت کو؟ اگر اس پیسے کے ساتھ ساتھ، آپ نماز کو بھی اتنی اہمیت دے دیں تو دین و دنیا دونوں اچھے ہو جائیں گے۔

نماز کی نیت باندھنے کے بعد خیالات آنے شروع ہوتے ہیں تو کسی طرح رکتے ہی

نہیں اور بسا اوقات تو ایسا ہوتا ہے کہ آدمی سلام پھیرتا ہے تو اسے یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ میں نے نماز میں کون سی سورۃ پڑھی ہے۔ نمازی کہتے ہیں کہ کیا کریں؟ نماز میں تو خیال آتا ہے۔

آپ حضرات وخواتین سے یہ سوال ہے۔

ایک Accountant جب حساب کرتا ہے، اگر اس کی کیفیت ہماری نماز جیسی ہو جائے تو اسے کمپنی اسے کتنے دن ملازم رکھے گی؟

اس کا مطلب ہے کہ آپ کو آٹھ گھنٹے مسلسل ذہنی مرکزیت کی Practice ہے۔ لیکن پانچ منٹ نماز پڑھنے میں آپ کو مرکزیت حاصل نہیں ہوتی۔ توجہ فرمائیے۔ پروفیسر صاحبان لیکچر دیتے ہیں۔ میں بھی لیکچر دے رہا ہوں، مجھے پتہ ہے کہ کیا کہنا ہے۔ ادھر اُدھر ہو جاتا ہوں پھر مقصد پر آجاتا ہوں۔ لیکن نماز میں یہ ذہن کیوں حاصل نہیں ہوتا؟

میری سمجھ میں اسکی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہمارا تعلق دنیاوی معاملات کی نسبت کم ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

میں تمہارے اندر ہوں تم مجھے دیکھتے کیوں نہیں ہو۔ میں تمہاری رگِ جان سے زیادہ قریب ہوں۔ جہاں تم چار ہو، میں وہاں پانچواں ہوں۔ جو تم کررہے ہو وہ میں دیکھتا ہوں، جو تم چھپاتے ہو وہ میں جانتا ہوں۔ میں ہر چیز پر محیط ہوں۔ ہر چیز میرے احاطہ قدرت میں ہے۔ میں ہی ابتدا ہوں، میں ہی انتہا ہوں۔ میں ہی ظاہر ہوں اور میں ہی باطن ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

میرا تمہارے ساتھ تعلق ظاہر میں بھی ہے اور باطن میں بھی ہے میں ہی تمہاری اور کائنات کی ابتدا ہوں اور انتہا بھی میں ہی ہوں۔ میں تمہیں روز مار دیتا ہوں، صبح کو پھر زندہ کر دیتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کہتے ہیں میں تمہاری حفاظت کرتا ہوں۔ دکھ درد بیماریاں آتی ہیں تو ان کو تم

سے ہٹاتا ہوں۔ تمہیں رزق فراہم کرتا ہوں، زمین کو پھاڑ کر اس میں سے تمہارے لیے Food نکالتا ہوں۔ میں نے ایسے جانور بنائے ہیں جن کا تم گوشت کھاتے ہو۔ میں نے ایسے جانور تخلیق کئے ہیں جن کا تم دودھ پیتے ہو۔ تمہارا اللہ ایسا ہے جو گوبر کے بیچ میں سے نکال کر تمہیں دودھ پلاتا ہے۔ میں نے تمہارے لیے جانور بنائے تاکہ تم سواری کرو، میں نے ان کو تمہارے تابع کر دیا ہے۔ منہ زور جانور پر جب انسان بیٹھ جاتا ہے تو وہ تابع فرماں غلام کی طرح اس کی خدمت کرتا ہے۔

اللہ ہماری رگِ جان سے قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضرت محمد ﷺ نے فرمایا
.....الصلوٰۃ معراج المومنین......

نماز مومن کے لیے غیب کی دنیا میں داخل ہونے کا راستہ ہے۔ غیب کی دنیا میں داخل ہونے کا مفہوم ہے کہ جب انسان نماز قائم کرتا ہے تو بندہ کا تعلق اللہ سے جڑ جاتا ہے۔ یعنی وہ غیب کی دنیا میں چلا جاتا ہے۔ قرآن پاک میں تقریباً ڈھائی سو جگہ نماز کا ذکر ہے ایک جگہ بھی نہیں ہے کہ نماز پڑھو۔ ماشاءاللہ! اتنے سارے افراد بیٹھے ہیں بتایئے میری اصلاح ہو جائے گی۔ اگر کوئی آیت ہو بتایئے!.....

جہاں بھی نماز کا تذکرہ آیا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ صلوٰۃ قائم کرو۔ وہ لوگ جو صلوٰۃ قائم کرتے ہیں۔ ان کے لیے نماز اللہ اور بندے کے درمیان رابطے کا ایک مؤثر ترین ذریعہ ہے۔

جب ہم نماز پڑھتے ہیں۔ ہمارے ذہن میں یہ بات نہیں رہتی کہ نماز میں اللہ کے ساتھ ہمارا تعلق قائم ہے۔ دانشور کہتے ہیں کہ اللہ کو کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ ہم اللہ کو کیوں نہیں دیکھ سکتے؟ ہم تو ازل میں اللہ کو دیکھ چکے ہیں۔ ہم نے ازل میں اللہ کی آواز سنی ہے، ہم نے اللہ کی آواز کو سن کر عہد کیا ہے کہ اللہ ہمارا رب ہے۔

جب کائنات کو اللہ تعالیٰ نے مخاطب کر کے فرمایا..... الست بربکم...''میں تمہارا

رب ہوں''۔ تو روحوں نے کہا ''جی ہاں آپ ہمارے رب ہیں''۔ حضور پاک ﷺ نے فرمایا مومن کو مرتبۂ احسان حاصل ہوتا ہے۔ مرتبۂ احسان کا مطلب ہے کہ مومن یہ دیکھے کہ میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں، یا مومن یہ دیکھے کہ مجھے اللہ دیکھ رہا ہے۔ یعنی مومن میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ اللہ کو دیکھ سکتا ہے یا اس کو یہ یقین حاصل ہوتا ہے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ میں نے جو معروضات پیش کی ہیں اس سلسلے میں کوئی سوال کرنا ہو، تو سوال کیجئے میں حاضر ہوں۔

سوال:- روحانیت کے درجے پر فائز لوگ زمان و مکاں سے آزاد ہو جاتے ہیں، کیا ایسا شعوری طور پر ہوتا ہے یا لاشعوری طور پر ہوتا ہے؟ کیا عام آدمی بھی زمان و مکاں کی پابندی سے آزاد ہو سکتا ہے؟

جواب:- نفسیات میں، مابعد النفسیات میں اور میرا خیال ہے طبعیات میں بھی شعور اور لاشعور کا تذکرہ ہوتا ہے۔ شعور اور لاشعور دونوں بیک وقت انسان کے اندر کام کرتے ہیں۔ ماہرین یہ بتاتے ہیں کہ جب کسی چیز کا خیال آئے تو جہاں سے خیال چلا وہ لاشعور ہے اور اس خیال کی تکمیل شعور کرتا ہے۔

مثلاً ایک آدمی کو بھوک لگتی ہے بھوک کا خیال آیا یا جو Information ملی وہ لاشعور سے ملی ہے۔ لیکن جب اس نے کھانا کھایا تو یہ عمل شعوری عمل ہے۔ یعنی شعور لاشعور دونوں بیک وقت کام کرتے ہیں۔ اس کا قرآن پاک میں بھی تذکرہ ہے۔ انسان خواب دیکھتا ہے، انسان خواب میں وہ سب کام کرتا ہے، جو بیداری میں کرتا ہے۔ خواب میں اگر غسل واجب ہو جائے تو غسل کئے بغیر آدمی نماز نہیں پڑھ سکتا۔ جب کہ مادی جسم اس میں Involve نہیں ہوتا، جسم کو تو پتہ ہی نہیں ہوتا کہ کیا ہوا ہے۔ لاشعور اور شعور میں جیسا کہ ابھی بتایا گیا ہے Time&Space کا فرق ہے، جب انسان لاشعور میں چلا جاتا ہے تو اس کے اوپر سے Time&Space کی گرفت ٹوٹ جاتی

ہے، ختم نہیں ہوتی، گرفت ٹوٹ جاتی ہے۔ اگر ٹائم اسپیس ختم ہو جائے تو سونے والے آدمی کا جسم روشنیوں میں تحلیل ہو جائے گا۔ ٹائم اسپیس سے آزاد ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی زمین سے اڑ کر کہیں آسمان میں غائب ہو سکتا ہے۔...... بلکہ اس کی شعوری کیفیات لاشعور میں منتقل ہو جاتی ہیں۔ ہر آدمی روحانی اس لیے بن سکتا ہے کہ اس کی زندگی روح کے تابع ہے۔ کیونکہ آدمی روح کے علاوہ کچھ نہیں ہے، روح کے بغیر آدمی کا کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا، آدمی کی Reality روح ہے اور جسم روح کا لباس ہے۔ اس لیے ہر آدمی روحانی علوم سیکھ سکتا ہے۔



حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شب و روز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزیزان محترم، اساتذہ کرام، طلباء و طالبات!

السلام علیکم۔

سیرت طیبہ پر ۱۴۰۰ سال کے عرصے میں ہزاروں کتابیں لکھی گئیں ہیں اور ان کتابوں کو اگر صفحات کے اعتبار سے جانچا جائے تو لاکھوں صفحات میں رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ محفوظ ہے۔ چودہ سو سال میں جتنی کتابیں منظر عام پر آئی ہیں ہر کتاب میں مؤلف نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے بارے میں نئے انداز سے لکھا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کو اور رسول اللہ ﷺ کے رویوں کو اور رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے اعمال کو اپنے اسلوب کے مطابق مختلف طریقوں سے بیان کیا ہے۔ چودہ سو سال گذرنے کے باوجود ابھی تک رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے بے شمار گوشے ایسے ہیں جن پر سے ابھی پردہ نہیں اٹھا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مجھ عاجز مسکین بندے کو بھی توفیق عطا فرمائی ہے کہ میں نے اللہ کے محبوب بندے محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے کچھ پہلو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ اس طرح ہوا کہ خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا میں نے نہایت عاجزی اور انکساری کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں درخواست کی کہ

"یا رسول اللہ ﷺ آپ کی سیرت کے بارے میں چودہ سو سال میں بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن اتنا کچھ لکھے جانے کے باوجود یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آپ ﷺ کی زندگی اور آپ ﷺ کے مشن کے بارے میں اور آپ ﷺ کے اوپر اللہ تعالیٰ کی جو عنایات ہیں اس کا حق پورا ہو گیا

ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں معجزات کی تشریح کروں۔

شق القمر کیسے ہوا؟ کنکریوں نے کلمہ کس قانون کے تحت پڑھا؟ درخت آپ کے احترام میں جھک گئے، کس قانون کے تحت درخت جھک گئے۔ جنات نے قرآن سنا وہ ایک جگہ جمع ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ کا نبی ہوں، رسول ہوں۔ جنات نے کہا کہ اگر یہ درخت آپ ﷺ کی گواہی دے دے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم مسلمان ہو جائیں گے۔ اس درخت سے آواز آئی...... **لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ** ....تمام جنات نے سنا اور وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

پہلے زمانے میں تو یہ بات بڑی عجیب سی لگتی تھی لیکن آج کے دور میں یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ درخت باتیں بھی کرتے ہیں، درخت کے اندر زندگی بھی ہے۔ درخت کے اوپر اگر آپ کلہاڑی چلائیں اور جب اس کے اوپر چوٹ پڑتی ہے تو وہ روتا بھی ہے، چیختا بھی ہے اور اس کی آوازیں ریکارڈ بھی کر لی گئیں ہیں۔

بہر حال میرے اس چھوٹے سے منہ سے نکلی ہوئی بہت بڑی بات کو رسول اللہ ﷺ نے قبول فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق عطا فرمائی کہ میں نے جدوجہد کی، غور و فکر کیا اور الحمد اللہ تین جلدیں اللہ کے کرم اور رسول اللہ ﷺ کی نسبت سے لکھیں گئیں۔ پہلی جلد میں حضور ﷺ کی زندگی کے وہ تمام حالات و واقعات قلمبند کئے گئے ہیں جو آپ ﷺ کے ساتھ پیش آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے تبلیغ کے سلسلے میں جو تکلیفیں اُٹھائیں اور رسالت کے پیغام کو پہنچانے کے لیے جو صعوبتیں برداشت کیں ان کی تفصیلات درج ہیں۔ دوسری جلد میں سائنس کی بنیاد پر معجزات کی تشریح ہے اور تیسری جلد قصص القرآن کا حصہ ہے۔ قرآن پاک میں پیغمبروں کا تذکرہ ہے۔

ایک نشست میں مرشد کریم حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک

میں جو قصے بیان کئے ہیں، اللہ تعالیٰ کہانیاں نہیں سناتے۔ ان قصوں میں اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے اور پیغام چھپا ہوا ہے۔ میں نے اللہ کی دی ہوئی توفیق کے ساتھ تفکر کیا کہ پیغمبرانِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قصص میں اللہ تعالیٰ کا کیا پیغام ہے؟

جیسے حضرت یوسفؑ کے قصے میں خواب کا تذکرہ ہے۔ خواب کے بارے میں جب میں نے غور کیا تو یہ علم حاصل ہوا کہ خواب انسانی زندگی کا نصف حصہ ہے۔ اگر کسی انسان کی عمر اسی سال ہے تو چالیس سال وہ خواب کے حواس میں زندگی گذارتا ہے اور چالیس سال بیداری کے حواس میں زندگی گذارتا ہے۔ حضرت داؤدؑ کا قصہ ہے، حضرت یحییٰؑ کا قصہ ہے، حضرت سلیمانؑ کا قصہ ہے، حضرت عزیزؑ کا قصہ ہے۔

قرآن کریم میں جتنے پیغمبروں کے قصص ہیں۔ ان میں کوئی نہ کوئی پیغام ہے اور ساتھ ہی اس میں کوئی نہ کوئی فارمولا موجود ہے۔ میں نے اللہ کی دی ہوئی توفیق کے ساتھ قصص القرآن پڑھے اور اس کے بعد تورات، بائبل پڑھیں اور قرآن کریم کی مدد سے اُن قصوں میں اللہ کی حکمت کو تلاش کیا نتیجہ میں ایک کتاب بن گئی ''محمد رسول اللہ جلد سوئم''۔ اس طرح سیرت طیبہ پر یہ تین کتابیں سامنے آئی ہیں۔ چوتھی کتاب لکھنے کا ارادہ ہے۔ آپ سب سے درخواست ہے کہ آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے توفیق عطا فرمائے کہ وہ کتاب بھی منظر عام پر آ جائے۔

جب ہم رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کرتے ہیں تو پہلی بات ہمیں یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کی تعلیمات کا مکمل نچوڑ رسول اللہ ﷺ کی سیرت میں موجود ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے خود یہ فرمایا ہے کہ میں کوئی نئی بات نہیں کہہ رہا ہوں میں وہی بات کہہ رہا ہوں جو میرے بھائی پیغمبروں نے مجھ سے پہلے بیان کی ہے۔ سیرت کے حوالے سے ہمیں تین باتیں بطور خاص رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ملتی ہیں۔

پہلی بات یہ کہ کسی چیز کو حاصل کرنے کے لیے، کسی علم کو حاصل کرنے کے لیے، منزل

تک پہنچنے کے لیے مکمل جدوجہد کی ضرورت ہے اور مکمل جدوجہد کے ساتھ سازگار ماحول کا ہونا ضروری ہے۔ جب تک سازگار ماحول میسر نہیں آئے گا اس وقت تک کامیابی یقینی نہیں ہے۔

اساتذہ کرام کو تعلیمی ماحول فراہم نہ کیا جائے تو نہ اساتذہ کرام پڑھا سکتے ہیں اور نہ طلبہ پڑھ سکتے ہیں۔ یونیورسٹی علوم حاصل کرنے کے لیے ماحول فراہم کرتی ہے۔

مائی حلیمہ صاحبہ کے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے، وہاں فرشتوں کا آنا، سینہ کو کھول کر دل نکالنا، دل دھو کر دوبارہ سینہ میں رکھنا۔ یہ واقعہ کتابوں میں مذکور ہے لیکن تاریخی حوالوں سے اگر آپ دیکھیں تو اس قسم کے واقعات رسول اللہ ﷺ کو کئی دفعہ پیش آئے۔

رسول اللہ ﷺ غار حرا میں تشریف لے گئے، جہاں کوئی شور وشغف نہیں تھا، آبادی بھی کم تھی۔ سواری کے لیے اونٹ تھے، اونٹ کے چلنے سے تو ویسے ہی کوئی آواز نہیں ہوتی، تو اس ماحول سے دور ہو کر رسول اللہ ﷺ غار حرا میں تشریف لے گئے، الگ تھلگ ہو کر رسول اللہ ﷺ نے غار حرا میں اللہ کی نشانیوں پر غور وفکر فرمایا۔

غار حرا میں رسول اللہ ﷺ نے کونسی عبادت کی؟ اس وقت تک نماز تو فرض نہیں ہوئی تھی۔ حضرت محمد ﷺ نے غور وفکر کیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے وحی کا سلسلہ جاری ہوا۔ اللہ کی کتاب نازل ہوئی۔ اللہ کی کتاب کے بارے میں آپ جب غور کریں گے تو اس میں آپ کو یہ عنوانات ملیں گے۔

۱۔شریعت

۲۔تاریخ

۳۔معاد

جانوروں میں والدین کے احترام کا اور والدین کی محبت کا کوئی تصور نہیں ہے لیکن انسانوں میں والدین، اساتذہ، بزرگوں کے احترام کا حکم ہے۔ حقوق العباد پورے کرنے کا حکم

ہے۔ انسان ایک معاشرتی جانور ہے... معاشرہ کے حقوق کو کس طرح پورا کیا جائے؟ خود کس طرح خوش رہیں اور دوسروں کو کس طرح خوش رکھا جائے؟ شادی بیاہ کیسے ہو؟ قربانی کس طرح کریں؟ حج کے فرائض کیا ہیں؟ وضو، نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ یہ سب شریعت مطہرہ ہے۔

قرآن پاک کے دوسرے حصے میں اللہ کے پیغمبروں کا تذکرہ ہے۔ اللہ کے پیغمبروں کے تذکرے میں جب ہم تفکر کرتے ہیں تو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ ہے۔ گزرے ہوئے دور کو ہم تاریخ کے علاوہ کوئی دوسرا نام نہیں دے سکتے۔ ہمارے پاس تاریخ ہے کہ حضرت آدمؑ کس طرح زمین پر آئے؟ کس طرح ان کی اولاد پھیلی؟ ہابیل قابیل کا واقعہ، تخریب وتعمیر کا سلسلہ، انسان نے کس طرح ارتقا کیا، پہلے وہ جڑیں کھا کر گزارہ کرتا تھا پھر Stone Age آیا، آگ دریافت ہوگئی، Electricity دریافت ہوئی اور سائنس کا دور آگیا۔ ان حالات وواقعات کو ہم تاریخ کے علاوہ کوئی دوسرا نام نہیں دے سکتے۔ یعنی کہ قرآن کا دوسرا حصہ انسانی ارتقا کی تاریخ ہے.......

قرآن پاک میں تیسرا حصہ معاد ہے۔ معاد سے مراد ہے کہ انسان اس دنیا میں آنے سے پہلے کہاں تھا؟ دیکھئے! انسان کہیں تھا تو یہاں آیا ہے۔ کہاں تھا؟ تو ہم یہ آرام سے کہہ دیتے ہیں کہ انسان عالم ارواح میں تھا یعنی عالم ارواح بھی کوئی عالم ہے یہ ایک زون ہے۔ پھر اس دنیا میں اس نے زندگی گزاری۔ سوال یہ ہے کہ 40 سال، 50 سال، 100 سال، جتنی بھی عمر گزاری اور اس دنیا میں رہنے کے بعد وہ کہاں چلا جاتا ہے؟

مرنے کے بعد حشر نشر ہونا۔ دوبارہ پیدا ہونا، پیدا ہونے کے بعد حساب وکتاب ہونا۔ تعمیری عمل اور تخریبی عمل کی جزیات کا فیصلہ سننے کے بعد اس کا جنت میں جانا یا دوزخ میں رہنا یہ سب معاد ہے۔

سیرت طیبہ ﷺ کے حوالے سے ہمارے سامنے رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے تین

پہلو ہیں۔ایک پہلو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے۔ان کی والدہ محترمہ بھی تھیں اور والد صاحب قبلہ بھی تھے، رسول اللہ ﷺ نے کس طرح زندگی گذاری، حالات کا کس طرح مقابلہ کیا اور جب باشعور ہوئے تو کس طرح کاروبار کیا۔شادیوں میں حضور پاک ﷺ کا کیا کردار رہا؟ اولاد کے ساتھ کیسا سلوک فرمایا؟ بیگمات کے ساتھ رویہ کیسا تھا؟ پڑوسیوں کے حقوق کس طرح ادا کیئے؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے شب و روز کیسے گزرتے تھے؟

مذہبی حوالے سے کہا جاتا ہے کہ اسلام میں غربت ہے، افلاس ہے اور جو لوگ یہاں غریب ہوں گے، جنت میں امیر ہوں گے، جو یہاں مفلس ہوں گے انہیں اللہ تعالیٰ محلات عطا کرے گا۔ جب ہم رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے بارے میں تاریخ سے پڑھتے ہیں تو ہم جان لیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس تین اونٹنیاں تھیں۔رسول اللہ ﷺ نے ایک وقت میں چالیس اونٹ کی قربانی بھی فرمائی۔

رسول اللہ ﷺ کی دس ازواج مطہرات تھیں۔سب کے الگ الگ گھر تھے، سب کے الگ الگ خرچ بندھے ہوئے تھے۔رسول اللہ ﷺ اصحاب صفہ کے اخراجات پورے فرماتے۔رسول اللہ ﷺ کو خوشبو کا شوق تھا اور خوشبو پسند فرماتے تھے۔جو خوشبو رسول اللہ ﷺ استعمال فرماتے تھے، تاریخی حوالوں سے ہمیں اس خوشبو کا تذکرہ ملتا ہے وہ ''عود'' ہے (عود کی لکڑی اس وقت پانچ لاکھ روپے کلو ہے)۔رسول اللہ ﷺ نے کاروبار بھی کیا، رسول اللہ ﷺ کے کھجوروں کے درخت تھے۔بڑے بڑے وفود آتے تھے، ان وفود کو تحفے تحائف دیا کرتے تھے۔حضور پاک ﷺ کا دسترخوان بڑا وسیع دسترخوان تھا۔حضور ﷺ کے پاس بکریاں بھی تھیں۔

معاشرتی نقطۂ نظر سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ مسلمان غریب، مفلس اور مفلوک الحال ہوں۔مسلمان خوشحال نہیں ہوگا تو زکوٰۃ کہاں سے دے گا؟ مسلمانوں میں خوشحالی نہیں ہوگی تو مسلمان حج کیسے کریں گے؟ اسلامی حکومت کے پاس خزانہ نہیں ہوگا تو

گھوڑے، ہتھیار، فوج، توپ، میزائل کس طرح بنیں گے؟ اسلامی معاشرہ غریب اور مفلس و قلاش ہوگا تو زکوٰۃ اور صدقہ و خیرات کون دے گا؟ مساجد کیسے تعمیر ہوں گی؟ دین و دنیا کی ترقی میں مسلمان کس طرح دوسروں سے سبقت حاصل کریں گے؟

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اور اس ضابطۂ حیات میں تجارت اور صنعت بھی ہے، کھیتی باڑی بھی ہے۔اس ضابطۂ حیات میں فوج اور چھاؤنیاں بھی ہیں۔

حضرت عثمانؓ کا یہ حال تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک صاحب آئے انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے شہد چاہیئے۔فرمایا عثمانؓ کے پاس چلے جاؤ۔جب وہ شہد لینے کے لیے حضرت عثمانؓ کے پاس گئے تو وہاں بہت سارے اونٹ بیٹھے ہوئے تھے اور تھوڑے سے گیہوں گرے ہوئے تھے۔حضرت عثمانؓ ملازمین پر ناراض ہو رہے تھے کہ گیہوں زمین پر کیوں گرے۔اس شخص نے سوچا کہ اتنے سے گیہوں گرنے پر ملازم کو اتنا سخت سست کہہ رہے ہیں، مجھے شہد کیا دیں گے؟

سائل نے دوبارہ جا کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! مجھے شہد چاہیئے۔حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں کہا تو تھا کہ عثمانؓ کے پاس چلے جاؤ۔وہ پھر دوبارہ گئے تو اونٹ جا چکے تھے اور حضرت عثمانؓ حساب کتاب میں مصروف تھے۔منشی جی نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے بھیجا ہے ان صاحب کو شہد چاہیئے۔کہا کہ شہد دے دو۔منشی جی نے کہا کہ برتن دو۔اس شخص نے کہا کہ برتن تو میں نہیں لایا۔منشی جی نے حضرت عثمانؓ سے کہا یہ صاحب برتن نہیں لائے۔حضرت عثمانؓ نے فرمایا شہد کا کُپا دے دو۔(کُپے میں چھبیس، ستائیس کلو شہد آتا ہے) اس بندے نے کہا میں کُپا نہیں اٹھا سکتا، کمزور آدمی ہوں۔منشی جی پھر حضرت عثمانؓ کے پاس گئے۔حضرت عثمانؓ کو منشی جی کا بار بار آنا ناگوار گذرا۔انہوں نے فرمایا کُپا نہیں اٹھا سکتا تو اونٹ پر لاد کر لے جائے۔

دوستو! اس درجہ خیرات کب ممکن ہے ..... جب اللہ تعالیٰ کا فضل عام ہو، آدمی دل

کھول کر خرچ کرتا ہے۔ یہ کون نہیں جانتا حضرت عثمانؓ کی ساری دولت اسلام کی اشاعت پر خرچ ہوئی۔

اللہ کے محبوب ﷺ کے پاس سب کچھ ہوتے ہوئے، ہمارے آقا کی شان یہ تھی کہ وہ سادہ زندگی پسند فرماتے تھے۔ گھر کے کام خود کر لیتے تھے۔ کھجور کی چٹائی پر سو جاتے تھے۔ اپنے جوتے خود سی لیتے تھے۔ کائنات کے بادشاہ عوام جیسی زندگی بسر کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں مسلمانوں کی عزت وتوقیر اور معیشت کا یہ حال تھا کہ مسلمانوں میں زکوٰۃ لینے والا نہیں ملتا تھا۔

ہمارے اندر غریبی کا جو تصور ہے کہ مسلمان غریب ہوتا ہے، جو غریب ہوگا اسے جنت میں محل ملیں گے۔ یہ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟ حضور پاک ﷺ نے اپنی امت کیلئے افلاس اور تنگدستی سے اللہ کی پناہ مانگی ہے۔ ہر مسلمان کو، چاہے وہ خاتون ہو یا مرد ہو، یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ یہ کبھی نہیں چاہتے کہ رسول اللہ ﷺ کی امت غریب اور مفلوک الحال ہو۔ غربت اور مفلوک الحالی سے نجات کے لیے ہمیں اپنے دور کے مطابق عمل کرنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

جو قوم اپنی تبدیلی نہیں چاہتی اللہ بھی اسے تبدیل نہیں کرتا۔

دین اور دنیا کی ساری نعمتیں آپ کے پاس ہونی چاہئیں۔ لیکن سب ہوتے ہوئے ہمیں رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے مطابق سادہ زندگی گذارنی ہے، اللہ کے نام پر یتیموں، بیواؤں، معذوروں پر خرچ کرنا ہے۔ قوم کے بچوں کو تعلیم سے آراستہ کرنے کے لیے اسکول، کالج، یونیورسٹیاں کھولنی ہیں۔ اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چل کر ہمیں ایجادات کرنی ہیں۔

اپنے دور کے مطابق ہمیں سائنس پڑھنی ہوگی۔ ہمیں صنعت وحرفت میں آگے بڑھنا ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''اگر تمھیں چین میں علم ملے تو چین جاؤ''۔ ہم چین عربی

سیکھنے نہیں جاتے۔ چین کا نام رسول اللہ ﷺ نے اس لیے لیا کہ چین اتنا متمدن ملک تھا کہ چین میں پریس Press ایجاد ہو گیا تھا، ریشم کے کپڑے اور مختلف چیزیں بنتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صنعت وحرفت کے لیے، کاروبار کے لیے، اپنی معاشرت کو درست کرنے کے لیے اگر تمھیں عرب سے چین جانا پڑے تو وہاں جا کر علم سیکھو... یعنی خوشحال ہونے کے لیے دین کے ساتھ ساتھ سائنسی اور صنعت وحرفت کے علوم حاصل کرنا ضروری ہیں۔

میرے دوستو! میں عرض کرتا ہوں کہ ذہن میں یہ Concept کہ یہاں کی غریبی جنت میں کام آئے گی۔ شعور کے مطابق نہیں ہے۔ جہاں تک غریب امیر ہونے کا تعلق ہے، جو لوگ کوشش کرتے ہیں، جو لوگ جدوجہد کرتے ہیں، جو لوگ پڑھتے ہیں لکھتے ہیں وہ ترقی کرتے ہیں..... ایک آدمی جاہل ہے، ایک آدمی Ph.D ہے ظاہر ہے اس میں بڑا فرق پڑ جائے گا۔ یہ Concept بالکل صحیح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمان قوم کو غریب اور مفلوک الحال رکھنا چاہتے ہیں یا جاہل رکھنا چاہتے ہیں۔

اس کے بارے میں بھی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر علم سیکھنا فرض ہے''۔

تاریخی حوالوں سے جو قوم اپنی تاریخ سے واقف نہیں ہوتی، وہ ہمیشہ ذلیل وخوار ہوتی ہے، مردہ ہو جاتی ہے۔ جو قوم اپنی تاریخ کو یاد رکھتی ہے اس کے اندر ولولہ جوش ہوتا ہے اور اپنے اسلاف کی ترقی اور عروج کو دیکھتے ہوئے اس کے اندر ترقی اور عروج کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ ہم اپنے اسلاف کو بھول گئے ہیں۔ ہمارے اسلاف نے ایک ہزار ایک ایجادات کی ہیں۔

☆ ابن سینا میڈیکل سائنس کے ماہر تھے۔ انہوں نے علم ابدان کا نقشہ بنایا اور جسمانی حرارت ناپنے کا آلہ ایجاد کیا جو ''تھرمامیٹر'' کی صورت میں موجود ہے۔

☆ ابوبکر محمد بن زکریا الرازی کو سرجری میں مہارت حاصل تھی۔ آپریشن کے بعد جلد کو سینے

کا طریقہ بھی انہوں نے ایجاد کیا۔

☆ ابو القاسم عباس بن فرناس ہوا میں اڑنے کے تجربے کرتے رہے ان کی کوششوں کے نتیجہ میں ہوائی جہاز کی ایجاد ہوئی۔

☆ عبدالمالک اصمعی نے علم ریاضی، علم حیوانات، نباتات اور انسان کی پیدائش اور ارتقاء پر تحقیق کی۔

☆ ASTRONOMY، جیومیٹری کی بنیاد مسلمانوں نے ڈالی ، بلڈ سرکولیشن، ویکسینیشن، BONE FRACTURE، کے علوم مسلمانوں نے متعارف کرائے، TOWN PLANNING اور آج کے جدید کیمروں کی بنیاد کا سہرا بھی ان ہی کے سر ہے۔

اکثر علوم یورپ میں اسلامی دنیا سے منتقل ہوئے ہیں یہ بڑے بڑے سائنسدان، جو ساری دنیا پر حکمران ہیں، ان کی پوزیشن مسلمانوں سے زیادہ خراب تھی۔ تاریخ پر ہماری نظر ہونی چاہیئے۔

جو آدمی یہاں پیدا ہوا ہے اسے بہر حال دنیا چھوڑ کر جانا ہے۔ ہماری زندگی کا ایک رُخ ہمیں دنیاوی آسائش فراہم کرتا ہے اور ایک رخ ہمیں آخرت کی آسائش فراہم کرتا ہے۔ اس کے لیے ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ کی عملی زندگی ہے۔ آسان طریقہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو پسند فرمایا ہے، دنیاوی اعتبار سے ہو یا آخرت کے اعتبار سے ہو، اسے ہم اپنا لیں اور رسول اللہ ﷺ نے جو پسند نہیں فرمایا اسے ترک کر دیں۔

رسول اللہ ﷺ نے عفو و درگزر فرمایا، ہندہ جیسی خاتون کو معاف کر دیا۔ میں نے پڑھا ہے کہ وحشی جب رسول اللہ ﷺ کے سامنے آتا تھا تو شرمندہ ہوتا تھا اسے یاد آجاتا تھا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے چچا کا خون کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب محسوس کیا کہ وحشی شرمندہ ہوتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس سے کہو کہ میرے سامنے نہ آیا کرے۔ حضور ﷺ چاہتے

تھے کہ وحشی کو ندامت نہ ہو۔ عفو و درگزر کی یہ کتنی بڑی شان ہے کہ ہندہ کو معاف کر دیا۔ قرضے معاف کر دیئے۔ اپنے خاندان کے خون معاف کر دیئے۔ سیرت طیبہ ہمیں ہدایت دیتی ہے کہ جب ہم دنیاوی زندگی میں کسی ایسے موڑ پر آجائیں جہاں ہمیں معاف کرنا چاہیئے تو ہمیں معاف کر دینا چاہیئے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کی یہ پسندیدہ عادت ہے۔ جب خیرات کا مسئلہ ہو تو ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے سبق لینا چاہیئے اور دل کھول کر خیرات کرنی چاہیئے۔ جب فضول خرچی سے رکنے کا مسئلہ ہو تو ہمیں فضول خرچی سے بچنا چاہیئے۔ اسی طرح حقوق العباد، میاں بیوی کے حقوق، والدین کے حقوق، پڑوسیوں کے حقوق، ملک و قوم کے حقوق پورے کرنے چاہئیں۔

☆..........☆..........☆

(پروفیسر ڈاکٹر نورالدین جامی صاحب):- ماشاءاللہ خوشی ہوئی کہ آج محترم عظیمی صاحب نے سیرت رسول ﷺ پر اپنا لیکچر مرحمت فرمایا۔ آج کی گفتگو کے حوالے سے طلباو طالبات کے اذہان میں کوئی سوال ہو، وہ بلا جھجک سوال کر سکتے ہیں۔

سوال:- عظیمی صاحب! آپ نے فرمایا ہے کہ آنحضور ﷺ کے معجزات کی جو تفصیل اور استدلال ہے، وہ آج کل کے حوالے سے سائنسی دور میں بھی ثابت ہو چکا ہے۔ درختوں کا رونا باتیں کرنا ثابت ہو چکا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کنکریوں نے کلمہ کس طرح پڑھا؟ وضاحت فرمائیں۔

جواب:- پتھر پیدا ہوتے ہیں اور بچپن گزارتے ہیں اور جوان بھی ہوتے ہیں۔ جتنی بھی معدنیات ہیں، سب پتھروں میں شمار ہوتی ہیں۔ Silicon بھی معدنیات میں شامل ہے، Silicon کی وجہ سے آپ کے Mobiles اور Satellites وغیرہ چل رہے ہیں۔ یہ دھات سنتی بھی ہے، آپ کی آواز کو ذخیرہ بھی کرتی ہے، بعد میں واپس بھی کرتی ہے۔

سوال:- سوالات کے مختلف جواب پیش کئے جاتے ہیں؟ اس سلسلے میں وضاحت فرمائیں۔

جواب:- تبلیغی سلسلہ میں، میں Rome گیا۔ وہاں ایک مولوی صاحب مجھ سے بہت ناراض ہوئے کہ سیرت کی کتاب میں آپ نے حضرت موسیٰؑ کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ سب اسرائیلیات ہیں۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں کیا آپ اپنے اسلاف سے زیادہ جانتے ہیں؟ میں نے کہا کہ میں ایک معنی میں، اپنے اسلاف سے بہت زیادہ جانتا ہوں۔ میرے اسلاف کو Telephone کا پتہ نہیں تھا، کمپیوٹر کا پتہ نہیں تھا، موبائل کے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتے

تھے۔ میرے اباجی کے پاس سائیکل نہیں تھی۔ میں نے ترقی کر کے بیالیس 42 روپے میں سائیکل خریدی۔ میرے بچوں نے دس دس لاکھ روپے کی گاڑیاں خریدیں۔ میرے پوتے، نواسے کمپیوٹر استعمال کرتے ہیں۔ میرے پردادا نے ہوائی جہاز میں سفر نہیں کیا۔ آج ہوائی جہاز میں لوگ سفر کرتے ہیں۔ دل کی سرجری، گردوں کا ٹرانس پلانٹ پہلے زمانے میں نہیں ہوتا تھا۔ لڑائیاں لاٹھیوں اور تلواروں سے ہوتی تھیں۔ اب میزائل، ایٹم بم بن گئے ہیں۔

محترم مولانا صاحب! بات یہ ہے کہ جتنی ذہن میں بالیدگی آگئی ہے، جتنا ذہن میں ارتقا ہو گیا ہے، اس کے حساب سے اگر ہم اپنے بچوں کو کچھ پیش کریں گے تو وہ اسے اس لیے قبول نہیں کریں گے کہ ان کے ذہن بڑے ہو گئے ہیں۔ اپنے بچوں کے مقابلے میں ہمارے ذہن بہت چھوٹے ہیں۔ اس زمانے میں پانچ سال کا بچہ کمپیوٹر گیمز کھیلتا ہے۔ میرے پوتے کی عمر پانچ سال ہے۔ ایسے ایسے گیمز کھیلتا ہے، جو مجھے نہیں آتے۔ بتایئے! میرا پوتا مجھ سے زیادہ جانتا ہے یا میں زیادہ جانتا ہوں؟ اب آپ ہی بتایئے آپ اپنے دادا سے زیادہ جانتے ہیں، کیا آپ کے علم میں اضافہ نہیں ہوا؟ قرآن میں ہر چیز وضاحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں نے چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات کی وضاحت کر دی ہے۔



تزکیۂ نفس

محترم استاد جناب محمد نصیر خان صاحب، وائس چانسلر بہاء الدین زکریا یونیورسٹی
ستارہ امتیاز اساتذہ کرام، معزز مہمانان گرامی، طلبا و طالبات اور حاضرین مجلس!
السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

سیرت طیبہ کے موضوع پر بیٹی نے بہت اچھی آیات تلاوت کیں۔ قرآن حکیم کی یہ آیتیں تزکیۂ نفس کے بارے میں اور علم و حکمت کے بارے میں ہیں۔ ڈاکٹر نور الدین جامی صاحب نے بھی تزکیۂ نفس کے بارے میں قرآن حکیم کی آیت پڑھی۔

ترجمہ: ہمارے پیغمبر جو ہم نے بھیجے وہ تمہارا تزکیۂ نفس کرتے ہیں، تمہیں علم و حکمت کی باتیں سکھاتے ہیں۔ اور نبی کریم ﷺ کے آنے سے پہلے تم لوگ گمراہی میں تھے۔

تزکیۂ نفس سیرت طیبہ سے متعلق بہترین موضوع ہے اور چودہ سو سال سے اس کے اوپر مقالے، مضامین اور کتابیں لکھی جارہی ہیں، تقریریں کی جارہی ہیں، قرآن پاک کی تفسیر میں طویل ترین تحریریں لکھی گئیں ہیں۔

میں عرض کرتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ پر عمل کرنا ہی تزکیۂ نفس ہے۔

حضور ﷺ نے عمل کر کے ہمیں بتایا ہے کہ غصہ نہیں کرنا۔ معاف کرنا ہے، عفو درگزر سے کام لینا ہے۔ ہندہ کا واقعہ آپ کے سامنے ہے۔ اس سے بڑی اذیت اور اس سے بڑی تکلیف دنیا میں کوئی نہیں ہو سکتی کہ چہیتے چچا کا سینہ چاک کر کے کلیجہ نکالا جائے، اسے چبا کر اور حقارت سے تھوک دیا جائے۔ اس سے بڑی درندگی اور جرم دنیا میں نہیں ہو سکتا۔ لیکن جب

ہندہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اسلام قبول کرلیا اور اس نے معافی مانگی تو حضور پاک ﷺ نے اسے معاف کردیا۔

سیرت طیبہ آج کا موضوع ہے اس موضوع سے متعلق علم و حکمت کو تلاش کرنا ہمارا مقصد ہے۔ لیکن ہم چاہتے ہیں کہ یہ معلوم ہوجائے کہ ''نفس'' کیا ہے؟

ہمیں نفس کے بارے میں، قرآن سے جو استدلال ملتا ہے اور احادیث سے جو رہنمائی ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس نے اپنے نفس کو پہچانا، اس نے اپنے رب کو پہچان لیا''۔

اگر جسمانی وجود کا نام نفس ہے۔ اگر اپنی پہچان کا نام نفس ہے، اگر حواس کا نام نفس ہے تو ان حواس سے ہم اللہ کو نہیں پہچانتے۔

کون آدمی یہ کہہ سکتا ہے کہ میں اپنے آپ کو نہیں جانتا۔ اگر نفس سے مراد Physical Body ہے، اگر نفس سے مراد ہمارے حواس خمسہ ہیں..... سننا، دیکھنا، بولنا، چھونا، محسوس کرنا ہے۔ اگر نفس سے مراد سونا جاگنا، کھانا پینا، شادی بیاہ کرنا ہے۔ اگر بچوں کی محبت، والدین کی محبت نفس ہے۔ زندگی کے ان عوامل سے اللہ کو کسی نے نہیں پہچانا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

''نگاہ اس کا احاطہ نہیں کرسکتی اور وہ نگاہوں کا احاطہ کر لیتا ہے''۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ کوئی آنکھ اللہ کا ادراک نہیں کرسکتی اللہ خود آنکھ کا ادراک بن جاتا ہے۔

اگر نفس سے مادی وجود مراد ہے، ہاتھ، آنکھ، کان، پیر یا Physical Body مراد ہے۔ تو جب ہم مرجاتے ہیں، ہاتھ پیر، آنکھ، دماغ، دل کام نہیں کرتے۔ ہر چیز موجود ہوتی ہے۔ مرنے کے بعد اس مادی وجود کو قبر میں اتار دیا جاتا ہے۔ جسم کی طرف سے کوئی مزاحمت نہیں ہوتی۔ مرنے کے بعد ہندو ''مادی وجود'' کو چتا پر رکھ کر جلا دیتے ہیں، کوئی مزاحمت نہیں ہوتی۔ مادی وجود کو دفنا دیتے ہیں، جلا دیتے ہیں کوئی مزاحمت نہیں ہوتی، گدھ اور چیل کوے کھا جاتے

ہیں جسم کی طرف سے کوئی مزاحمت نہیں ہوتی۔ مردہ جسم کے پیر میں رسی باندھ کر، پورے ملتان شہر میں گھسیٹتے پھریں، یہ مادی وجود آپ سے نہیں کہے گا کہ مجھ پر ظلم کیوں کر رہے ہو؟ مردہ وجود کے آپ ٹکڑے ٹکڑے کر دیں، جسم ایک سسکاری بھی نہیں بھرے گا۔ سیدھی سی بات ہے مادی وجود نفس نہیں ہے۔ نفس وہ ہے جس نے مادی وجود کو متحرک کیا ہوا ہے، سنبھالا ہوا ہے، جس نے اس مادی وجود کو قوت سماعت، قوت بصارت اور قوت لمس منتقل کی ہوئی ہے۔

حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا، اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ مادی جسم کی معرفت سے صرف تحریکات عمل میں آتی ہیں۔

ہم اس بات کو جانتے ہیں کہ کروموسوم (Chromosome) کے بلاپ سے جب ماں کے پیٹ میں وجود بنتا ہے تو اس وجود میں حرکت اور حواس اس وقت پیدا ہوتے ہیں جب اس وجود کے اندر روح داخل ہوتی ہے۔ اگر اس وجود کے اندر روح داخل نہ ہو تو وجود کی نشوونما نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''ہم نے بجنی مٹی سے پتلا بنایا اور اس پتلے کے اندر اپنی روح پھونک دی'' اور جب ہم نے اس پتلے کے اندر اپنی روح پھونک دی تو پتلا چلنے پھرنے لگا، بولنے سننے لگا۔

مثال:

ایک Toy ہے، چابی سے چلنے والا کھلونا۔ اس میں چابی ہوگی تو چلتا ہے، اچھلتا ہے، دوڑتا ہے، آوازیں نکالتا ہے۔ لیکن جب اس کے اندر چابی ختم ہو جاتی ہے، وہ DeadBody کی طرح ڈھیر ہو جاتا ہے۔ نہ اچھلتا ہے، نہ کودتا ہے، نہ اس میں سے کوئی آواز نکلتی ہے۔

ہم کرنٹ کو نہیں دیکھ رہے ہیں جس سے وہ کھلونا چل رہا ہے۔ جب تک چابی اس کے اندر رہتی ہے، کھلونا اچھل کود کرتا رہتا ہے اور جب چابی ختم ہو جاتی ہے کھلونے میں حرکت نہیں

رہتی، لاش کی طرح ہو جاتا ہے۔

اسی طرح انسان کے اندر Energy ہے، توانائی اور طاقت ہے۔ اللہ کا امر ہے، اللہ کی پھونک ہے۔ اللہ کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے ''ہو جا'' اور وہ ہو جاتی ہے۔

کس طرح ہو جاتی ہے؟ پہلے اللہ تعالیٰ نے پتلا بنایا اور پتلے میں اپنی روح پھونکی۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اللہ کو پہچان لیا''۔ جس نے اپنی جان کو پہچان لیا، اس نے اللہ کو پہچان لیا۔ جس نے اپنے اندر اللہ کے امر کو پہچان لیا، اس نے اللہ کو پہچان لیا۔ جس نے اپنی روح کو پہچان لیا، اس نے اللہ کو پہچان لیا۔ روح اور جسم کے رشتہ کو سمجھنا تزکیۂ نفس ہے۔..... اور جب نفس کا تزکیہ ہو جاتا ہے تو علم و حکمت اللہ کی پہچان کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔

تزکیہ.......؟

جسم کا تزکیہ کیا ہے؟..........

جسم کا تزکیہ یہی ہو سکتا ہے کہ نہا لو، نماز ادا کرو، روزہ رکھو۔ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔ کسی کی دل آزاری نہ کرو۔ اللہ وحدہ لاشریک کی پرستش کرو، شریعت مطہرہ پر عمل کرو۔ غیر شرعی باتوں پر عمل نہ کرو۔ فی الوقت صورت حال یہ ہے کہ ایک آدمی اسی سال تک نماز پڑھتا ہے لیکن وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے عرفان الٰہی حاصل ہو گیا ہے۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ آپ نماز نہ پڑھیں۔ نماز فرض ہے، کسی حال میں نہیں چھوڑ سکتے۔ اگر ہم نماز ادا نہیں کریں گے تو تزکیۂ نفس تک ہم نہیں پہنچیں گے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور شریعت تزکیۂ نفس تک پہنچنے کا راستہ ہے۔ جب آدمی راستہ پر چلے گا ہی نہیں تو منزل تک کیسے پہنچے گا؟

انسان زندگی دو رخوں میں گزارتا ہے۔ زندگی کا ایک رخ یہ ہے کہ ہم چل پھر رہے

ہیں، شریعت مطہرہ پر عمل کر رہے ہیں، رزق کے حصول کے لیے محنت مزدوری کر رہے ہیں۔ میں آپ کو دیکھ رہا ہوں، آپ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ زندگی کا دوسرا رُخ یہ ہے کہ انسان جسمانی وجود کے بغیر زندگی گزارتا ہے۔

آپ سوچ رہے ہوں گے کہ جسمانی وجود کے بغیر انسان کیسے زندگی گذارتا ہے؟

عزیز طلبا اور طالبات اور اساتذہ کرام! غور فرمائیے۔

ہم رات کو سوتے ہیں۔ سونے کی حالت میں ہمارا جسمانی وجود چارپائی پر، زمین پر، فرش پر ہوتا ہے، ہم سو جاتے ہیں۔ ہمارے اندر سے ہم خود نکلتے ہیں۔ عورت کے اندر سے ایک عورت نکلتی ہے۔ مرد کے اندر سے ایک مرد نکلتا ہے۔ جوان آدمی کے اندر سے جوان آدمی نکلتا ہے۔ بوڑھی عورت کے اندر سے بوڑھی عورت نکلتی ہے۔ وہ عورت یا مرد چلتا ہے، پھرتا ہے، کھاتا ہے، ڈرتا اور خوش ہوتا ہے۔ ریگستان میں گھومتا ہے، باغوں کی سیر کرتا ہے، جنسی تلذّذ میں غسل واجب ہو جاتا ہے غسل کیئے بغیر نماز پڑھنا جائز نہیں۔

سانپ دیکھ کر آدمی خوف زدہ ہو جاتا ہے، دل دھڑکتا ہے، پسینہ میں شرابور ہو جاتا ہے، ہاتھ پیر سُن ہو جاتے ہیں۔

اس کے برعکس باغ، روشیں، گلاب کے تختے دیکھتا ہے۔ چنپا، چنبیلی، موتیا کے پھولوں کی خوشبو آتی ہے۔ تالاب میں مچھلیاں اور کنول کے پھول دیکھتا ہے۔ آبشاریں اور برف سے ڈھکی ہوئی پہاڑیاں دیکھتا ہے۔ آنکھ کھلتی ہے خوش ہوتا ہے۔

ایک بہن اپنے بھائی کو خواب میں دیکھتی ہے کہ اس کے سر پر سہرا بندھا ہوا ہے، اس کی شادی ہو رہی ہے۔ بہن اس طرح خوش ہوتی ہے جیسے سچ مچ اس کے بھائی کی شادی ہو رہی ہے۔ یہ ایسی حقیقتیں ہیں کہ کوئی انسان انکار نہیں کر سکتا۔ ہر آدمی اس زندگی سے لازماً گزرتا ہے۔

ایک رخ میں انسان جسمانی وجود کے ساتھ زندگی گزارتا ہے اور دوسرے رخ میں انسان مادی جسم کے بغیر خواب میں زندگی گزارتا ہے۔ سوال یہ ہے جب انسان جسمانی وجود میں زندگی گزارتا ہے تو بات سمجھ میں آتی ہے، لیکن وہی انسان جب جسمانی وجود کے بغیر زندگی گزارتا ہے اور زندگی کے تمام تاثرات اس پر مرتب ہوتے ہیں، چاہے پریشانی کے ہوں یا خوشی کے تو ہم کیسے یقین نہ کریں کہ انسان کے دو وجود ہیں اور دونوں بیک وقت متحرک اور فعال ہیں؟

سوال یہ ہے کہ وہ کون سا انسان ہے جو مادی وجود کے بغیر سفر کرتا ہے۔ مادی وجود کے بغیر سیر کرتا ہے۔ مادی وجود کے بغیر دہشت زدہ ہو جاتا ہے، اس طرح دہشت زدہ ہو جاتا ہے کہ جسم پسینہ میں شرابور ہو جاتا ہے؟

دراصل یہ ایک پردہ ہے جو انسان کو مادی وجود سے قریب کرتا ہے اور ایک دوسرا پردہ ہے جو انسان کو روحانی وجود سے قریب کرتا ہے۔ قرآن کی زبان میں اسے ظاہری اور باطنی رخ کہتے ہیں۔ انسان کا ایک ظاہری رخ ہے اور انسان کا ایک باطنی رخ ہے۔

حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق نفس کے تزکیہ کے بعد آدمی علم و حکمت سیکھ لیتا ہے۔

اب یہ بات ہماری سمجھ میں آ گئی ہے کہ انسان کے دو وجود ہیں۔ انسان کا ایک باطنی وجود ہے اور انسان کا دوسرا وجود ظاہری ہے۔ ہم مادی وجود میں پیدا ہونے کے بعد، 70، 80 سال زندگی گذارتے ہیں لیکن ہمارے باطنی وجود کی کوئی عمر متعین نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے ہزاروں سال گزاریں، ہوسکتا ہے کہ ہم لاکھوں سال باطنی وجود کے ساتھ زندگی گذاریں۔ میں نے عرض کیا ہے۔ مادی وجود (لباس) روحانی وجود کے تابع ہے۔ جبکہ روحانی وجود، مادی جسم کے تابع نہیں ہے۔

جن لوگوں نے اس علم و حکمت کو سمجھ لیا وہ سب ہاتھ اٹھا دیں۔ ماشاء اللہ! سارے Intelligent لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ الحمدللہ! سمجھدار لوگ ہیں۔ آپ سب میرے بچے

ہیں۔آپ سب میرے دوست ہیں۔ بچے اس لیے ہیں کہ یہاں میری عمر کا کوئی نہیں ہے۔ سب مجھ سے چھوٹے ہیں۔اساتذہ کی حیثیت سے آپ سب میرے لئے قابل احترام ہیں۔یاد رکھیے!اس وقت تقریر نہیں ہو رہی،کلاس ہو رہی ہے۔آپ کو حق ہے جو دل چاہے سوال کریں۔

عزیز دوستو! ہم اس نتیجے پر پہنچ گئے ہیں کہ جسمانی وجود Medium ہے۔اس میں ذاتی کوئی حرکت نہیں۔

میں پوچھتا ہوں کہ آدمی پانی پیتا ہے......وہ مرگیا...... پانی کیوں نہیں پیتا...؟

آدمی کھانا کھاتا ہے...وہ مرگیا...وہ کھانا کیوں نہیں کھاتا؟

پہلوان کشتی لڑتا ہے...پہلوان مرگیا...وہ کشتی کیوں نہیں لڑتا؟

کشتی تب لڑتا ہے جب اس کے اندر روح ہوتی ہے۔

سوال:- اصل آدمی کیا ہے؟

جواب:- .....روح ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ روح نے اللہ کو دیکھا ہے۔

اللہ نے روحوں سے مخاطب ہو کر فرمایا میں تمہارا رب ہوں۔روحیں آواز کی طرف متوجہ ہوئیں۔ روحوں نے آواز سنی۔

جیسے ہی روحوں نے آواز سنی قوت سماعت متحرک ہوئی،کان بن گئے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،تم میری سماعت سے سنتے ہو۔روحوں نے اللہ کی آواز سنی.....الست بربکم.....آواز سننے کے بعد روحیں اللہ کی طرف متوجہ ہوئیں تو انھوں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ موجود ہیں۔جیسے ہی روحوں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ سامنے موجود ہیں،بصارت منتقل ہوگئی۔

اللہ کی آواز آئی کان بن گئے،پھر اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوا،بصارت بن گئی اور روحوں نے اللہ کو دیکھا عرض کیا۔

.....جی ہاں، ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ آپ ہمارے رب ہیں۔

میرے دوستو! ہم ازل کے دن اللہ کی آواز سن کر،اللہ کو دیکھ کر اسکی ربوبیت کا اقرار کر چکے ہیں۔

روح نے اللہ کو دیکھا،روح نے اللہ کی آواز سنی۔روحوں نے اللہ کی ربوبیت کا اقرار کیا۔نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اللہ کے پیغمبرؑ جب نفسوں کا تزکیہ کرتے ہیں تو وہ انسانوں کو ایسی علم وحکمت کی باتیں بتاتے ہیں کہ انسان اگر ان کی طرف متوجہ ہو جائے تو وہ زندگی کا مقصد حاصل کر لیتا ہے۔

ماشاءاللہ! یہاں ڈین، چیئرمین، فیکلٹی کے معتبر،طلبا اور طالبات جمع ہیں۔

بتایئے! کون آدمی یہ کہہ سکتا ہے کہ میری روح نے اللہ کو نہیں دیکھا؟ روح اللہ کی آواز نہ سنتی تو کان نہ ہوتے۔اگر روح اللہ کو نہ دیکھتی تو آنکھیں نہ ہوتیں۔روح اللہ کو نہ دیکھتی تو آپ کے اندر تجسس پیدا نہ ہوتا،تفہیم پیدا نہ ہوتی،اقرار اور انکار کی حس پیدا نہ ہوتی۔

میں اس لیے سنتا ہوں کہ میرے کان اللہ کی آواز سن چکے ہیں۔میں اس لیے ساری دنیا کو روشن دیکھتا ہوں کہ میری آنکھ اللہ کو دیکھ چکی ہے۔میں اقرار اور انکار اس بنیاد پر کرتا ہوں کہ ازل میں اللہ کی ربوبیت کا اقرار کر چکا ہوں۔

تزکیۂ نفس سے مراد یہ ہے کہ انسان مفروضہ اور حقیقی حواس سے آگاہی حاصل کرے۔

اس کا طریقہ کار یہ ہے ہم اپنی روح،اپنے نفس سے واقف ہو جائیں۔

روح ہمارے اندر ہے۔روح ہمارا انر ہے۔روح ہماری اصل ہے۔

ہم جب روح کو ڈھونڈیں گے تو کیا کریں گے؟

اپنے اندر جھانکیں گے،اپنے اندر دیکھیں گے،اپنے اندر تلاش کریں گے۔

میرے دوستو! اپنے اندر جھانکنا مراقبہ ہے۔ مراقبہ کو انگریزی میں Concentration کہتے ہیں۔ اردو میں ارتکاز توجہ کہتے ہیں۔

اب ہمارے لیے کیا Syllabus بنا جس کو ہم آسانی سے Follow کر سکیں۔ سب سے پہلے ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کو پڑھنا ہوگا۔ اتنا پڑھنا ہوگا، اتنا پڑھنا ہوگا کہ حضور کا اسوۂ حسنہ ہمارے اوپر جاری وساری ہو جائے اور ہم اسلام میں پورے پورے داخل ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، ''میرے نبی اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتے، ہم جو کہتے ہیں وہی کہتے ہیں''۔ جب رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ پڑھ کر ہم اس کو اپنے اوپر نافذ کرلیں گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم بھی وہی کریں گے جو اللہ چاہتا ہے۔ یہ کوئی مشکل راستہ نہیں ہے۔ اس سے زیادہ دنیاوی علوم سیکھنا مشکل ہیں۔ میٹرک کرنے میں 35,600 گھنٹے لگتے ہیں۔

آپ روزانہ مراقبہ کریں، پندرہ منٹ صبح، پندرہ منٹ شام۔ مراقبہ میں اپنی Reality تلاش کریں، اپنی حقیقت تلاش کریں، اپنے نفس کو دیکھیں۔ آپ ضرور نفس سے واقف ہو جائیں گے۔ جو اپنے آپ کو جان لے گا وہ خدا کو پہچان لے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کا حامی وناصر ہو۔

میں اساتذہ کرام، ڈاکٹر ظفر اللہ صاحب، سعید صاحب، V.C. صاحب اور ڈاکٹر نور الدین جامی صاحب اور تمام حاضرین کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے یہاں بلایا اور میری باتیں سنیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو عمل کرنے کی توفیق دے۔

یہاں ملتان میں مراقبہ ہال قائم ہے اور اس کے نگران جناب کنور طارق عظیمی صاحب ہیں۔ مراقبے کے سلسلے میں مزید معلومات حاصل کرنے کے لیے یا مراقبہ سیکھنے کے لیے Centre موجود ہے اور سلسلہ عظیمیہ کے تحت اس وقت ساری دنیا میں 73 Centres کام کر رہے ہیں۔

آپ سے مؤدبانہ التماس ہے کہ آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے، اللہ کی دی ہوئی توفیق سے ہم نے جو رسول اللہ ﷺ کا روحانی اور تبلیغی مشن شروع کیا ہے، اللہ تعالیٰ اس میں ہمیں کامیابی عطا فرمائیں۔ (آمین یارب العالمین)

آپ حضرات کا بہت بہت شکریہ......!



ضروریات ہیں، باغات ہیں، لکڑی ہے، سیمنٹ ہے، لوہا ہے یعنی دنیا اسے کہتے ہیں جس میں رہنے والوں کی ضروریات کی چیزیں موجود ہوں۔ اگر یہ سب چیزیں نہیں ہوں گی تو ہم اسے دنیا نہیں کہیں گے۔

اسوقت ہم بہاء الدین زکریا یونیورسٹی میں موجود ہیں۔ یونیورسٹی میں کمرے نہ ہوں، الگ الگ ڈیپارٹمنٹ نہ ہوں، اساتذہ نہ ہوں تو اس کو ہم یونیورسٹی نہیں کہیں گے۔ یونیورسٹی کا مطلب یہ ہے کہ یونیورسٹی میں مختلف شعبے ہوں، مختلف ڈیپارٹمنٹ ہوں، مختلف Faculties ہوں، اساتذہ ہوں، چیئرمین ہو، وی سی ہو۔

اسی طرح گھر ہے، گھر میں کچن نہ ہو، کمرے نہ ہوں، باتھ روم نہ ہو، ڈرائنگ روم نہ ہو، ہوا نہ ہو، بجلی اور روشنی نہ ہو، پنکھے نہ ہوں تو ہم گھر کو گھر نہیں کہیں گے۔

کہا جاتا ہے کہ اس وقت دنیا میں چھ ارب انسان بستے ہیں۔ پرندے کتنے ہیں؟ اگر مکھی مچھروں کو شمار کیا جائے تو ان کی تعداد کھربوں ہوگی۔ درخت کتنے ہیں، حشرات الارض کتنے ہیں، چوپائے کتنے ہیں؟ پھر اسی Globe کے اندر جنات آباد ہیں، وہ کتنے ہیں؟ اس کا کوئی شمار نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ،

''اللہ کی باتیں تم شمار کرنے لگو تو تمھارے سارے سمندر روشنائی بن جائیں اور زمین کے اوپر جتنے درخت ہیں وہ سب قلم بن جائیں۔ سمندر کا پانی روشنائی بن کر خشک ہو جائے گا، درخت ختم ہو جائیں گے لیکن پھر بھی اللہ کی باتیں باقی رہیں گی۔''

.....الحمد للہِ رب العالمین.....سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو عالمین کو وسائل فراہم کرتا ہے۔ ربوبیت کا مطلب ہے، کفالت کرنا، وسائل پیدا کرنا، ان وسائل کو مخلوق تک پہنچانا۔ اللہ مخلوق کی کفالت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک کائنات بنائی جس میں اربوں، کھربوں دنیائیں ہیں۔ کروڑوں سورج ہیں، کروڑوں چاند ہیں اور ارب در ارب درخت

ہیں۔ ہوا ہے، آکسیجن ہے، گیسز ہیں۔ اب باقی رہا تقسیم کا مرحلہ.....اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ..... اے محمد ﷺ ہم نے تمھیں رحمت للعالمین بنا کر بھیجا ہے تاکہ تم کائنات میں توازن قائم کر کے رحمت کے ساتھ ان وسائل کو تقسیم کرو۔

میں نے آپ کے سامنے دنیاؤں کا تذکرہ کیا ہے۔ روحانی بزرگ کہتے ہیں کہ.....

قرآن پاک میں لوح محفوظ کا ذکر ہے، قرآن پاک میں کتاب المبین کا بھی تذکرہ ہے۔ یہ بزرگ کائناتی سسٹم کے بارے میں بتاتے ہیں کہ ایک کتاب المبین ہے۔ ایک کتاب المبین میں تیس کروڑ لوح محفوظ ہیں۔ آپ کتاب المبین کو ایک کتاب سمجھ لیں تو اس کتاب کے اوراق تیس کروڑ ہیں۔ ہر لوح محفوظ پر اسی ہزار حزیرے ہیں۔ ہر حزیرے میں ایک کھرب آباد نظام اور بارہ کھرب غیر آباد نظام ہیں، ایک نظام کسی ایک سورج کا دائرہ وسعت ہے۔ یہ ایک بڑا طویل حساب ہے۔ ہم نے کئی دفعہ کمپیوٹر پر کوشش کی کہ اس کو trillian،billion کسی بھی صورت سے بیان کر سکیں، لیکن ہمیں کامیابی نہیں ہوئی۔ بات وہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمھارے سارے سمندر روشنائی بن جائیں اور تمھارے سارے درخت قلم بن جائیں، اللہ کی باتیں باقی رہیں گی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سب تعریفیں میرے لیے ہیں اور میں عالمین کو پیدا کر کے ان کے لیے وسائل فراہم کرتا ہوں اور ان وسائل کی تقسیم سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے کرائی جاتی ہے۔ یہ بات تو آپ کے سامنے آ گئی کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کائنات بنائی اور اس کائنات میں اربوں، کھربوں عالمین ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سارا سسٹم کیوں بنایا ہے اور اس کے پیچھے کیا مقصد ہے؟

آپ کوئی عمارت بناتے ہیں، اس کے پیچھے مقصد ہوتا ہے کہ اس عمارت میں ہسپتال قائم ہوگا۔ کوئی اور عمارت بناتے ہیں کہ یہاں یونیورسٹی بنے گی۔ کوئی اور عمارت بناتے ہیں یہ

ہمارا گھر ہے، ہم یہاں رہائش اختیار کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ

''ہم نے انسان کو اور جنات کو اس لیے تخلیق کیا ہے تاکہ یہ ہماری عبادت کریں''۔

(اور عبادت کے ذریعے ہمارا تعارف حاصل کریں) ہمارا عرفان حاصل کریں۔ یعنی کائنات اس لیے بنائی گئی کہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ مخلوق اللہ تعالیٰ کو پہچانے۔

ترجمہ : میں چھپا ہوا خزانہ تھا، میں نے مخلوق کو محبت کے ساتھ تخلیق کیا کہ لوگ مجھے پہچانیں، مجھے جانیں۔ میرا تعارف حاصل کریں۔ (حدیث قدسی)

عزیز طالبات اور طلبا غور کیجیے!

ایک ماں ہے، ماں کو اگر بچہ نہ پہچانے یا باپ کو اس کا بیٹا نہ پہچانے تو ماں باپ کے اوپر کیا گزرے گی؟ اس کو ہم سب بہت اچھی طرح محسوس کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے تعارف کے لیے یہ ساری کائنات بنائی۔ اس تعارف کے لیے ضروری تھا کہ کوئی قاعدہ ہو، کوئی ضابطہ ہو۔ جیسے آپ حساب سیکھنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ Maths نہیں پڑھیں گے، آپ کو حساب نہیں آئے گا۔ Maths اس وقت پڑھیں گے جب پہلے سے Maths موجود ہوگا۔ گنتی ہوگی، اکائیاں ہوں گی، ضرب، تقسیم کے فارمولے ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے تعارف کے لیے ایک پروگرام ترتیب دیا، اپنے عرفان کے لیے علم متعین کیا۔ اپنی صفات کا علم۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو بنایا۔ یہ آپ سب نے پڑھا بھی ہے سنا بھی ہے۔

ترجمہ..... کہ جب اللہ تعالیٰ نے کہا کہ میں زمین میں اپنا نائب اور خلیفہ بنانے والا ہوں اور آدمؑ کی تخلیق ہوگئی تو فرشتوں نے کہا کہ یہ خون خرابہ اور فساد برپا کرے گا۔

اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو علم الاسماء سکھایا..... اس کے بعد فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا کہ ہم نے تجھے جو علم سکھایا ہے وہ فرشتوں کے سامنے بیان کر۔ آدمؑ نے اللہ کی صفات کا علم فرشتوں کے سامنے بیان کیا تو فرشتوں نے کہا کہ آپ کی ذات برحق ہے۔ ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا آپ نے ہمیں سکھا دیا ہے...... علم الاسماء کا یہ سلسلہ آدم علیہ السلام سے شروع ہوا۔ پھر آدمؑ جنت میں رہے۔ جنت میں سے اس دنیا میں آئے اور اس دنیا میں آنے کے بعد آدمؑ کی نسل چلی، اس نسل میں پیغمبروںؑ کا سلسلہ شروع ہوا۔ حضرت نوحؑ کے بعد حضرت ابراہیمؑ تشریف لائے۔ حضرت ابراہیمؑ کے بعد حضرت اسحٰقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت شعیبؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ، حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ یہ اس علم کا تسلسل ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو سکھایا تھا اور اس علم میں بنیادی بات یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو اپنی صفات کا علم سکھا کر فرشتوں سے کہا کہ تم سجدہ کرو۔ (سجدہ سے مراد یہ نہیں ہے کہ آدمؑ کو تم اپنا رب تسلیم کرلو یا خدا تسلیم کرلو) اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمؑ کی حاکمیت کو تسلیم کرلو۔ فرشتوں نے سجدہ کیا، شیطان نے سجدہ نہیں کیا اور شیطان مردود قرار پایا۔

کائناتی نظام اور علم الاسماء کی بنیاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ میرے علاوہ دوسرا کوئی رب نہ ہو، معبود نہ ہو۔ واحد ذات اللہ کی ہے جو پرستش اور عبادت کے لائق ہے۔ ہر پیغمبرؑ نے توحید کا پرچار کیا ہے۔ شرک سے منع کیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ میں آپ نے پڑھا ہے جب انہیں اللہ کی تلاش ہوئی اور انھوں نے دیکھا کہ لوگ جن بتوں کو پوجتے ہیں۔ ان کے اوپر مکھیاں بیٹھی رہتیں اور وہ مکھیوں کو اڑا نہیں سکتے تھے۔ کتے آکر پیشاب کر دیتے ہیں تو وہ اسے منع نہیں کر سکتے۔

حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ یہ معبود نہیں ہو سکتے۔ یہ کیسے اللہ ہو سکتے ہیں؟ جن کے اپنے اندر نہ کوئی حرکت ہے، نہ کوئی اختیار ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے ستاروں کو دیکھا۔ انہوں نے سوچا

یہی اللہ ہیں۔ چاند کو دیکھا تو انھوں نے کہا یہ اللہ ہے۔ پھر سورج کو دیکھا کہا یہ اللہ ہے۔ آخر میں جب سورج بھی غروب ہو گیا۔ انھوں نے کہا ''چھپنے والا، گھٹنے والا اللہ نہیں ہو سکتا'' اور اس طرح انھوں نے اللہ کی شناخت کی۔ اللہ کو پہچان کر، اللہ کی واحدانیت کا اقرار کیا اور شرک سے بیزاری کا اظہار کیا۔

یہ حضرت ابراہیمؑ کی تعلیم ہے۔ یہی حضرت اسمٰعیلؑ کی تعلیم ہے اور یہی حضرت اسحٰقؑ کی تعلیم ہے اور یہی آخری نبی رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات ہیں کہ عبادت اور پرستش کے لائق اللہ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے اور ہر پیغمبرؑ نے اسی بات کا اعادہ کیا ہے کہ ہم شرک سے بیزاری کا اعلان کرتے ہیں۔ اللہ وحدہ لاشریک ہے۔ وہی پیدا کرتا ہے، وہی زندہ رکھتا ہے۔ وہی وسائل فراہم کرتا ہے۔ وہی موت دیتا ہے۔ جب تک اس کا دل چاہے دنیا میں رکھتا ہے اور جب اس کا دل چاہتا ہے وہ دنیا سے بلا لیتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو جو بات ہمیں نمایاں نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی اور رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا ہر کردار اس بات کی شہادت فراہم کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ اللہ کی معرفت سوچتے تھے۔ ہر چیز کا رخ اللہ کی طرف موڑ دیتے تھے اور یہی بات رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو بتائی۔ یہی بات صحابہ کرامؓ نے کر کے دکھائی اور یہی بات آج بھی اولیاء اللہ اور اللہ دوست لوگوں میں موجود ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو لوگ راسخ فی العلم ہوتے ہیں یا علم حقیقت سے واقف ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے علم میں مستحکم ہو جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ یہاں کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے جو اللہ کی طرف سے نہ ہو......... عالم ارواح سے آنا، جینا، مرنا، ہوا کا چلنا، سمندر میں لہریں اٹھنا، چشمے ابلنا، بارش برسنا، دن نکلنا، رات کا ہونا، دن میں سے رات نکلنا اور رات میں سے دن نکلنا۔ دن پر سے رات کو ادھیڑ لینا اور رات پر

سے دن کو ادھیڑ لینا، بادشاہت عطا کرنا، بادشاہی لے کر فقیر کر دینا، موسموں کو تبدیل کرنا، ماں کے پیٹ میں طرح طرح کی تصویریں بنانا جو کچھ بھی ہے من جانب اللہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ تمام پیغمبران علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علم اور اس کے پیچھے واحد مقصد کا تسلسل ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ صرف اور صرف اللہ کی ذات پرستش اور عبادت کے لائق ہے۔ جب انسان اس بات سے واقف ہو جاتا ہے تو اس کی زندگی کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ اگر انسان اللہ کی وحدانیت اور اللہ کی ربوبیت اور اللہ کی خالقیت کا پوری طرح ادراک نہیں کرتا تو اس کی زندگی کا مقصد پورا نہیں ہو گا۔...... وہ اس دنیا میں بھی گھاٹے میں رہے گا اور آخرت میں بھی گھاٹے میں رہے گا۔

رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ جب ہم پڑھتے ہیں تو ہمیں یہ علم حاصل ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا اخلاق کیسا تھا۔ حضور پاک ﷺ کی معاشی اور معاشرتی زندگی کیسی تھی۔ حضور پاک ﷺ کا رہن سہن کیسا تھا۔ حضور پاک ﷺ کا اپنے پڑوسیوں کے ساتھ، اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ، اپنے رشتے داروں کے ساتھ کیسا سلوک تھا؟ اس کے ساتھ سیرت طیبہ کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ انسان کے اندر سے شرک ختم ہو جائے۔ اگر سیرت طیبہ کا مطالعہ کرنے کے بعد انسان کے اندر شرک کا شائبہ بھی ہے تو رسول اللہ ﷺ کی سیرت میں حکمت اور دانائی اور اس کے اندر اللہ تعالیٰ کے جو انوار و تجلیات ہیں ان سے وہ محروم رہے گا۔ اخلاق و آداب کے ساتھ ساتھ ہمارے اندر عملاً شرک سے بیزاری ہونی چاہیئے۔ ہمیں شریعت و طریقت پر صدق دل سے عمل کرنا چاہیئے۔

میلاد النبی ﷺ بڑی سعادت ہے۔ بہت بڑی نیکی ہے کیونکہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس میں نعتیں پیش کی جاتی ہیں۔ ذکر نبی ہوتا ہے اخلاق حسنہ پر تقاریر ہوتی ہیں۔ تزکیہ نفس کی باتیں ہوتی ہیں۔ میں نے دیکھا ہے، خود محسوس کیا ہے کہ...... ماحول میں نور کی

بارش ہوتی ہے۔فرشتے آسمان سے اترتے ہیں۔حاضرین وجدانی کیفیت میں سرشار ہو جاتے ہیں۔لیکن جیسے ہی ہم پنڈال یا مجلس سے باہر آتے ہیں۔وہی ہمارے شب و روز ہوتے ہیں۔ہم وہ سب کام شروع کر دیتے ہیں جن سے ہمارے آقا ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

ہم رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کے سلسلے میں ایک جگہ اکٹھے ہوئے۔سب نے درود شریف پڑھا۔درود شریف کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ درود شریف ایک ایسی فضیلت ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اللہ اور اس کے فرشتے درود پڑھتے ہیں۔اللہ اور اللہ کے فرشتے، رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی درود بھیجو۔

ہر مسلمان جانتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پر کوئی آدمی درود پڑھتا ہے تو حضور پاک ﷺ کو درود پہنچتا ہے۔یہ بات ٹھیک ہے۔ہم ابھی اس قابل نہیں ہوئے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوں۔لیکن رسول اللہ ﷺ تو ہمیں دیکھ رہے ہیں۔ اگر ہمیں اس بات کا یقین حاصل ہو جائے کہ ہم نے درود شریف پڑھا ہے۔رسول اللہ ﷺ ہمیں دیکھ رہے ہیں۔اس یقین کے بعد بتائیے کیا ہمارے اندر ایمان پختہ نہیں ہو جائے گا؟ ضرور ہو جائے گا۔

ہم کہتے ہیں اللہ دیکھ رہا ہے۔اللہ حاضر و ناظر ہے۔کوئی بھی آدمی جب گناہ کرتا ہے تو وہ اس بات کا اطمینان کر لیتا ہے کہ ”مجھے کوئی دیکھ تو نہیں رہا؟“ ایک آدمی چوری کرتا ہے۔اس بات کا اطمینان کر لیتا ہے کہ ”مجھے کوئی دیکھ نہیں رہا ہے۔“ جب اسے یقین ہو جاتا ہے کہ کوئی نہیں دیکھ رہا تب وہ چوری کرتا ہے۔اگر ہمیں اس بات کا یقین ہو کہ اللہ دیکھ رہا ہے تو ہم چوری کیسے کر سکتے ہیں، برائی کس طرح سرزد ہو سکتی ہے؟

اس کا مطلب ہے کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے یہ صرف زبانی بیان ہے۔ اقرار بالسان ہے۔تصدیق بالقلب نہیں ہے۔اگر تصدیق بالقلب ہو جائے کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے تو ہم

ہر اس بات سے خود بخود رک جائیں گے، جو اللہ کے لیے ناپسندیدہ ہے اور جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کا اگر ہم مطالعہ صدق دل سے کریں تو منکشف ہوگا کہ رسول پاک ﷺ اللہ کے ساتھ وابستہ ہیں۔آپ ﷺ کی ہر سوچ اللہ کی معرفت ہے۔اللہ کی معرفت ہی آپ ﷺ سوچتے ہیں، اللہ کی معرفت ہی آپ ﷺ پیغام پہنچاتے ہیں، اللہ کی معرفت ہی آپ ﷺ نے دین اسلام پھیلایا۔

قرآن کریم اور احادیث پڑھ کر ہمارے اندر تبدیلی کیوں نہیں آتی؟

میں سمجھتا ہوں تبدیلی اس لیے نہیں آتی کہ ہمارے اندر یقین کرنے کی جو ایجنسی ہے ہم نے اس کو بیدار کرنے کے لیے جدوجہد نہیں کی۔یونیورسٹی میں آپ لوگ تشریف لاتے ہیں۔ اگر آپ کلاس میں نہ آئیں، لیکچر نہ سنیں، اس کے نوٹس نہ لیں۔گھر جا کر ہوم ورک نہ کریں تو آپ امتحان میں پاس نہیں ہوں گے۔دین کی باتیں ہم اس طرح سنتے ہیں جس طرح کہانیاں سنتے ہیں۔....آپ میرے بچے ہیں....آپ سے درخواست ہے کہ سیرت طیبہ ﷺ اس طرح پڑھیں کہ آپ کے ذہن میں رسول اللہ ﷺ کے اخلاق حسنہ اور اللہ کے رابطہ کا نقش بن جائے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ رابطے کا بہت آسان طریقہ یہ ہے کہ ہر انسان اپنی زندگی کے بارے میں سوچے کہ وہ کس طرح پیدا ہوا؟ کس طرح بڑا ہوا؟ کس طرح جوان ہوا؟ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کو عقل و شعور دیا؟ آنکھیں دیں، آنکھ نہ ہو اللہ تعالیٰ دماغ نہ دے تو انسان کچھ نہیں کر سکتا؟ Handy Cap بچے بھی تو ہوتے ہیں۔آپ سوچیں آپ کے لیے اللہ تعالیٰ نے سارا انتظام کیا ہوا ہے۔غذا کا، ہوا کا، پانی کا، تو جب آپ اپنی زندگی کے بارے میں سوچیں گے تو لازماً یہ یقین آپ کے اندر پیدا ہو جائے گا کہ جو کچھ ہے درو بست ہے سب کا سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

.....اے پیغمبر ﷺ کہہ دیجئے میری نماز، میری قربانی، میرا مرنا، میرا جینا سب اللہ کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس میں رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے جو اعمال ووظائف ہیں، ان میں تفکر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ جب تک ہم تفکر نہیں کریں گے، میلاد النبی ﷺ کی محفلیں ہوتی رہیں گی، سیرت طیبہ ﷺ پر کلاسیں بھی ہوتی رہیں گی لیکن ہمیں علم الاسماء حاصل نہیں ہوگا۔

سوال:- رسول اللہ ﷺ کی سیرت میں اگر ہم غور کریں تو ہم میں تبدیلی آئے گی تو وہ تبدیلی کیسی ہوگی؟ جب کہ ہم سب یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہا ہے پھر بھی ہمارے اندر تبدیلی پیدا نہیں ہوتی۔

جواب:- تبدیلی اس لیے نہیں ہوتی کہ ہمیں صرف اطلاع ہے کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔ اطلاع یقین میں تبدیل نہیں ہوئی اگر اطلاع یقینی درجہ حاصل کرلے کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے تو ضرور تبدیلی واقع ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے حوالے سے جب آپ غور کریں گے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حضرت جبرائیلؑ تشریف لاتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی یہ بھی سیرت طیبہ ہے کہ ان پر قرآن نازل ہوتا تھا۔ جب ہم قرآن میں تفکر کریں گے تو قرآن کے مفہوم اور حکمت سے واقف ہو جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کو دیکھا، بہت قریب سے دیکھا ہم بھی اللہ کو دیکھنے کا یقین حاصل کرسکتے ہیں۔ جب تک یقین کا پیٹرن ہمارے اندر نہیں بنے گا ہم حکمت ودانائی سے محروم رہیں گے اور یقین کے پیٹرن کے لیے ضروری ہے کہ ہم کسی چیز کے اوپر تفکر کریں، غور وفکر کریں۔ غور وفکر سے خود بخود انسان کے اندر یقین مستحکم ہو جاتا ہے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

☆-----☆-----☆

عالم اسلام میں اضطراب کیوں ہے

بہاولپور یونیورسٹی میں خطاب

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں:

ترجمہ: اگر ہم نے یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتار دیا ہوتا تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دبا جا رہا ہے اور پھٹ پڑتا۔ یہ مثالیں ہم لوگوں کے سامنے اس لیے بیان کرتے ہیں کہ وہ (اپنی حالت پر) غور کریں۔ وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، غائب اور ظاہر ہر چیز کا جاننے والا، وہی رحمٰن اور رحیم ہے۔ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ بادشاہ ہے نہایت مقدس، سراسر سلامتی، امن دینے والا، نگہبان، سب پر غالب، اپنا حکم بہ زور نافذ کرنے والا، اور بڑا ہی ہو کر رہنے والا۔ پاک ہے اللہ اس شرک سے جو لوگ کر رہے ہیں۔ وہ اللہ ہی ہے جو تخلیق کا منصوبہ بنانے والا اور اس کو نافذ کرنے والا اور اس کے مطابق صورت گری کرنے والا ہے۔ اس کے لیے بہترین نام ہیں۔ ہر چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے اس کی تسبیح کر رہی ہے، اور وہ زبردست اور حکیم ہے۔ (سورۃ حشر ۲۱۔۲۴)

صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد وسلم۔

بہاولپور یونیورسٹی اساتذہ کرام، عزیزان گرامی قدر، محترم بزرگوں، عزیز دوستوں اور طلبا وطالبات!

السلام علیکم!

بہاولپور شہر میرے لیے نسبی اور علمی اعتبار سے ایک ورثہ ہے۔میرے دادا حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ جامعہ عباسیہ میں 1922 یا 23 میں صدر مدرس تھے۔حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ میرے والد حضرت حاجی انیس احمد انصاری کے سگے پھوپھا تھے۔میرے ابا جی بچپن میں ہی یتیم ہو گئے تھے۔پھوپھی اور پھوپھا نے ان کی پرورش کی۔اس زمانے میں یہاں بجلی نہیں تھی، ریل گاڑی بھی نہیں چلی تھی۔وہ بیل گاڑی میں تشریف لائے تھے۔سہارنپور یو پی انڈیا کا ایک بڑا شہر ہے۔حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ جامعہ عباسیہ میں کافی عرصہ تک درس و تدریس میں مشغول رہے۔پھر وہ واپس سہارنپور تشریف لے گئے اور وہاں سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور وہیں ان کا وصال ہو گیا۔الحمدللہ جنت البقیع میں ان کی قبر شریف موجود ہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کو حاجی امداد اللہ مکیؒ سے خصوصی فیض حاصل تھا۔مولانا رشید احمد گنگوہی کے آپ مرید اور خلیفہ تھے۔قطب ارشاد شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب حضرت سہارنپوریؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔درس و تدریس میں احادیث پڑھانا اور احادیث کی تشریح کرنا ان کا موضوع تھا۔بذل المجہود۔شرح ابوداؤد، دس سال پانچ ماہ دس دن میں دو ہزار صفحات پر اور پانچ جلدوں پر مشتمل تھی۔آپ کی مشہور زمانہ کتاب کی تقریب رونمائی میں آپؒ نے علمائے مدینہ اور احباب کی ضیافت کا اہتمام فرمایا۔

پاکستان بننے سے پہلے میرے والد صاحب حضرت حاجی انیس احمد انصاری بہاولپور تشریف لائے۔1939ء میں صادق آباد میں مقیم ہوئے۔صادق آباد میں میرے بڑے بھائی حضرت مولانا محمد ادریس انصاری صاحبؒ نے بہت ساری کتابوں کا ترجمہ کیا اور کئی کتابیں لکھیں جو مقبول عام ہوئیں۔'میری نماز'، 'مسلمان خاوند'، 'مسلمان بیوی'، 'اسلام کا اصلاحی پروگرام'

اس کے علاوہ اور دوسری کتابیں تصنیف و تالیف کی ہیں۔ان کتابوں کو عوام بہت ذوق و شوق سے پڑھتے ہیں۔مولانا ادریس صاحبؒ نے کسی کتاب کے اوپر 'جملہ حقوق محفوظ' نہیں لکھوایا۔چھاپنے کی عام اجازت تھی۔جس کا دل چاہے وہ یہ کتابیں چھاپ سکتا ہے۔حضرت مولانا زکریا صاحبؒ شیخ الحدیثؒ نے بھی کسی کتاب پر جملہ حقوق محفوظ نہیں کئے۔وہ فرماتے تھے کہ علم کے جملہ حقوق نہیں ہوتے۔علم نوع انسانی کے لیے ورثہ ہے۔علم جب کاغذ پر منتقل ہوتا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے دماغ میں ایسے خیالات کا نزول کرتا ہے کہ وہ خیالات الفاظ کا جامہ پہن کر کاغذ پر منتقل ہو جاتے ہیں اور نوعِ انسانی اس سے استفادہ کرتی ہے۔

خاندانی اعتبار سے الحمدللہ! رسول ﷺ کے میزبان حضرت ابوایوب انصاریؓ کے شجرہ سے وابستہ ہوں۔آپ سے دعا کی درخواست ہے اور میری بھی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے بزرگوں اور اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور صرف پدرم سلطان بود والی بات نہ ہو۔

ایک آدمی کہتا ہے کہ میرے ابا بادشاہ تھے۔ٹھیک ہے بھائی! تمھارے ابا بادشاہ تھے، تم تو چپراسی بھی نہیں ہو۔ہال میں ایسی بزرگ ہستیاں بھی موجود ہیں جن کے والدین نے حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کو دیکھا ہے۔میرے لیے یقیناً بہت بڑا اعزاز ہے کہ ایسی ہستیاں میرا لیکچر سننے کے لیے تشریف لائیں میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں۔

اس وقت کی صورت حال بڑی عجیب ہے۔ہم دیکھتے ہیں کہ عالم اسلام اضطراب، بے چینی، پریشانی اور ابتلا میں مبتلا ہے۔ایسا لگتا ہے کوئی یار و مددگار نہیں ہے۔اغیار کا تسلط ہے۔ہر جگہ مسلمان قوم بے عزت ہے۔دست نگر، مفلس اور قلاش ہے۔قرض میں جکڑی ہوئی ہے۔ہر شخص اغیار کے ہاتھوں میں رہن رکھا ہوا ہے۔انتہا یہ ہے کہ ہم علوم میں بھی دوسروں کے

محتاج بن گئے ہیں۔اگر مغرب سے علم نہ آئے تو ہم تہی دست ہیں۔اس وقت جتنی Technology ہے وہ سب باہر سے منتقل ہوتی ہے۔

جب ہم تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں اور اپنے اسلاف کے کارناموں پر غور کرتے ہیں تو ہم ہر جگہ فاتح کی حیثیت سے نظر آتے ہیں۔تاریخ میں ہمارا نام ہے، ہمارا وقار ہے، ہماری عزت ہے۔جو Position آج امریکہ اور یورپ کی ہے کبھی مسلمانوں کی تھی۔ہمارے علم سے دوسروں نے خوشہ چینی کی ہے۔یورپ میں جتنی بڑی بڑی یونیورسٹیاں ہیں، جتنے بڑے بڑے کالج ہیں، وہ ہمارے اسلاف کی لکھی ہوئی کتابوں سے مستفید ہوتے ہیں۔کوئی بھی علم ہو، جغرافیہ کا علم ہو، طب کا علم ہو، آسمانی علوم ہوں، زمینی علوم ہوں، زمین کی پیمائش ہو، جس علم کے بارے میں بھی آپ تاریخ پڑھیں گے آپ کو ایک ہی بات نظر آئے گی کہ یورپ اندھیرے میں گم تھا۔انھوں نے عربی کتابوں کے تراجم کئے اور اپنی لائبریریوں میں ان کو جمع کیا اور اپنی یونیورسٹیوں میں ان کتابوں کو داخل نصاب کر کے انھوں نے علم حاصل کیا۔مسلمانوں سے ایک ہزار ایک Inventions منسوب ہیں۔

آج کی نشست میں سوچنا یہ ہے کہ جب ہم اپنے اسلاف کے اعمال کا، اپنے اسلاف کے کارناموں کا، اپنے اسلاف کے خصائل کا، اخلاق کا، رہن سہن کا، تمدن کا، معاشرت کا تجزیہ کرتے ہیں تو کیا ہم وہ سب کرتے ہیں جو ہمارے اسلاف کرتے تھے۔مثلاً اگر ہمارے اسلاف اللہ وحدہ لاشریک کی پرستش کرتے تھے، الحمدللہ ہم بھی مشرک نہیں ہیں۔اگر ہمارے اسلاف رسول اللہ ﷺ سے محبت کرتے تھے، اللہ کا بڑا انعام ہے کہ ہم بھی رسول اللہ ﷺ سے محبت کرتے ہیں۔اگر ہمارے اسلاف نماز پڑھتے تھے ہم بھی الحمدللہ وہی نمازیں ادا کرتے ہیں جو ہمارے اسلاف ادا کرتے تھے۔ایسا نہیں ہے کہ نماز میں کوئی تبدیلی ہوگئی ہو۔فجر، ظہر، عصر، مغرب، عشاء کے اوقات وہی ہیں۔پانچ وقت نمازوں میں رکعتوں کا جو تعین ہے

الحمدللہ وہ بھی وہی ہے۔ہم نمازیں پڑھتے ہیں۔حج اور عمرہ کرتے ہیں۔زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ہم اللہ اور رسول ﷺ کے نام پر خیرات کرتے ہیں۔اللہ رسول ﷺ کے نام پر جو اجتماعات ہوتے ہیں ان میں شریک ہوتے ہیں۔

بہاولپور یونیورسٹی میں آج کا پروگرام اس کا شاہد ہے۔ماشاءاللہ! ہال بھرا ہوا ہے۔ہم سب اس لیے جمع ہوئے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کی باتیں سنیں گے۔

ہم اولی العزم اسلاف، نیک سیرت اور ارادے کے پکے بزرگوں کی اولاد ہیں پھر کیوں ذلیل وخوار ہیں؟

یہ ایک بڑا سوال ہے۔خدانخواستہ اگر روزے میں تبدیلی ہو جاتی، استغفراللہ۔کوئی نماز کے بارے میں کہتا کہ نماز غیر ضروری ہے۔کوئی جھوٹ کو سچ کی جگہ استعمال کرتا تو بھی ہم کہہ سکتے تھے کہ رہنما اصول نہیں رہے۔اس لیے ہم پریشان ہیں، سب کا ایمان ہے، سب کا یقین ہے کہ نماز بندہ کسی حال میں نہیں چھوڑ سکتا۔روزہ فرض ہے۔استطاعت ہو تو حج فرض ہے۔پہلے حج میں چند سو بندے جاتے تھے۔اب حج میں پچیس لاکھ بندے ہوتے ہیں۔اتنی بڑی تعداد میں بندے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کیوں جاتے ہیں؟ اس لیے کہ دل میں جذبہ ہے، دل میں عشق ہے۔آرزو اور تمنا ہے کہ ہماری عاقبت سنور جائے، ہمارے گناہ دھل جائیں۔ہماری غلطیوں کا کفارہ ہو جائے۔لیکن پچیس لاکھ کے اجتماع کے باوجود ہماری کوئی آواز نہیں ہے ہماری کوئی طاقت نہیں ہے۔اس لیے کہ اغیار نے طے کرلیا ہے کہ ہمارے وجود کو برقرار نہیں رہنے دیں گے۔مسلمانوں کی دھاک کو ختم کردیا جائے گا۔

آپ نے کبھی سوچا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

ہمارے اسلاف نماز پڑھتے تھے۔ان کو خشوع وخضوع حاصل ہوتا تھا، انھیں اللہ سے قربت حاصل تھی۔ہماری صورت یہ ہے کہ ہم عشاء کی نماز میں سترہ رکعت نماز پڑھتے ہیں۔سترہ

رکعت کی نماز میں ہم چونتیس سجدے کرتے ہیں، سترہ رکوع ہوتے ہیں، پچانوے بار اللہ بڑا ہے کہتے ہیں۔ نمازی نیت باندھتے وقت 'اللہ اکبر' (اللہ بڑا ہے) کہتا ہے، رکوع میں جاتے وقت 'اللہ اکبر' (اللہ بڑا ہے) کہتا ہے، سجود میں جاتے وقت 'اللہ اکبر' (اللہ بڑا ہے) کہتا ہے۔ لیکن ہمیں مرتبہ احسان حاصل نہیں ہوتا۔ ہم نہیں دیکھتے کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔ ہم نہیں دیکھتے، ہم اللہ کو دیکھ رہے ہیں۔

کتنی عجیب بات ہے کہ ہم گھر سے باہر نکلتے ہیں، مسجد جاتے ہیں، مسجد میں جا کر وضو کرتے ہیں، ہمارے کپڑے پاک صاف ہوتے ہیں، نیت باندھ کر 'اللہ اکبر' کہتے ہیں ہاتھ اٹھا کر خود کو اللہ کے سامنے Surrender کرتے ہیں، ہاتھ باندھ کر اعلان کرتے ہیں کہ اللہ سب سے بڑا ہے۔ الحمد شریف پڑھتے ہیں..... **الحمد لله رب العالمين** ..... سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو عالمین کا رب ہے۔ اللہ رحمٰن و رحیم ہے۔ اللہ یوم حساب کا مالک ہے۔ ہم تیری ہی مدد چاہتے ہیں، تیری ہی اعانت کے طلب گار ہیں۔ اے اللہ! ہمیں سیدھے راستے پر قائم رکھ۔ ان لوگوں میں ہمارا شمار کر جن پر تیرا انعام ہوتا ہے اور ان لوگوں سے ہمیں محفوظ فرما جو مغضوب ہیں، تیرے ناپسندیدہ ہیں۔

عشاء کی سترہ رکعتوں میں آپ سترہ دفعہ سورۃ فاتحہ پڑھتے ہیں، دعا بھی مانگتے ہیں، سلام بھی پھیرتے ہیں۔ کئی مرتبہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہمیں یہ بھی پتہ نہیں ہوتا کہ 'سبحان ربی العظیم' تین دفعہ پڑھا ہے یا نہیں۔ نماز میں جو سورتیں پڑھتے ہیں، وہ یاد نہیں رہتیں، ہم نے کون سی سورۃ پڑھی ہے۔

میری سمجھ میں اس کی وجہ یہ آتی ہے کہ ہمارے اسلاف قول و فعل کے سچے تھے۔ ہمارے اسلاف میں قناعت تھی۔ ہمارے اسلاف میں اس بات کا یقین تھا کہ جو کچھ ہم کھاتے پیتے ہیں، جو کچھ ہم خرچ کرتے ہیں اور جو کچھ ہم دیتے ہیں، یہ سب اللہ کی طرف سے ہے یعنی

اللہ کی قربت کا احساس ان کے اندر موجود تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے انوار نبوت ان کے سینوں میں جگ مگ کرتے تھے۔

آپ کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا، آپ جانیں اللہ جانے۔ میں جب اپنا محاسبہ کرتا ہوں، میں خود کو جھوٹ کا مرقع نظر آتا ہوں۔ اب آپ سب اپنے اپنے بارے میں سوچیں، غور کریں، کیا ہمیں اپنے اسلاف کی طرح اللہ کی ذات پر یقین ہے۔ ہم منافقت تو نہیں کر رہے ہیں؟ میرا یہ خیال ہے کہ شاید ہی کوئی بندہ یہ کہے گا کہ ہم منافقت سے آزاد ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے عروج کا زمانہ زوال میں منتقل ہو گیا ہے۔

الحمد اللہ! قرآن میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، اللہ تعالیٰ نے حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔ جب قرآن کے نقطے میں، زبر میں، زیر میں، حروف میں، لفظ میں، آیت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تو ہم لوگ قرآن کے انوار سے کیوں محروم ہیں؟

ہمارے بچوں کو انگریزی کی Dictionaries حفظ ہیں۔ Actors, اور Actoresses کے پورے پورے نام یاد ہیں لیکن نماز میں چار سورتیں یا آٹھ سورتیں پڑھی جاتی ہیں ان کے ترجمے یاد نہیں ہیں۔ آدمی Ph.D ہو جاتا ہے، آدمی بیرسٹر بن جاتا ہے، آدمی Professor بن جاتا ہے، آدمی جنرل منیجر بن جاتا ہے وہ بغیر پڑھے لکھے تو نہیں بن جاتا۔

کیا یہ المیہ نہیں ہے کہ ہمیں چھوٹی چھوٹی سورتوں **الحمد شریف، قل ھو اللہ شریف، انا اعطینک الکوثر، سورۃ کافرون، قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس** ، کے ترجمے یاد نہیں۔

اگر یاد ہیں۔ ہاتھ اٹھائیں، کتنے بہن بھائیوں کو یاد ہیں۔

اتنے بڑے مجمع میں دس لوگوں نے ہاتھ اٹھائے ہیں۔ جب آپ کو وہ سورتیں جو آپ پانچ وقت نماز میں دہراتے ہیں اس کا ترجمہ یاد نہیں ہے تو آپ کا اللہ سے کیسے رابطہ ہوگا؟ ہمیں

پتہ ہی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کیا فرما رہے ہیں۔ جب کہ ہم دوسرے علوم میں ماہر ہیں۔ وضاحت یہ ہوئی کہ ہمارے اسلاف میں اور ہم میں یہ فرق ہے کہ ہمارے اسلاف کے اعمال، افعال اور کردار میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ وابستگی تھی۔ وہ ہم سے بہت زیادہ اللہ اور رسول ﷺ کو مانتے تھے۔ ہم بھی مانتے ہیں، الحمدللہ! ہم بھی مواحد ہیں، ہم بھی مسلمان ہیں؟ لیکن ہمارے اندر وہ لگن، تڑپ، تجسس، تحقیق، تفکر اور تلاش نہیں رہی جو ہمارے اسلاف میں تھی۔

ہمارے اسلاف میں جسمانی تقاضوں کے ساتھ ساتھ روحانیت سے وابستگی تھی، وہ اپنا محاسبہ کرتے تھے۔ اپنی روح سے واقف تھے۔ یہ سب باتیں ہمیں نظر نہیں آتیں۔

اب میں خواتین و حضرات سے سوال کرتا ہوں۔ ہمارا جسمانی وجود کیا ہمارا اصلی جسم ہے؟

اس کا علمی، عقلی، شعوری اور مدلل جواب یہ ہے کہ مادی جسم ہمارا اصلی وجود نہیں ہے۔ کیوں نہیں ہے؟ اس لیے نہیں ہے کہ جسمانی وجود باقی نہیں رہتا، مسلسل تغیر پذیر ہے۔ ایک دن کے بچے کی جب دو دن عمر ہوتی ہے تو پہلا دن غائب ہو جاتا ہے۔ کدھر گیا پہلا دن؟ غائب ہو گیا۔ ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ پہلے دن پر موت وارد ہو گئی۔ پھر ایک دن کا بچہ ایک سال کا ہوا۔ میرا سوال ہے کہ ایک سال کدھر گیا؟ اس پر بھی موت واقع ہو گئی۔ پھر بچہ بارہ سال کا ہو گیا، بارہ سال کہاں گم گئے؟ بچہ جوان ہوا۔ بوڑھا ہوا اور اس دنیا سے چلا گیا اس طرح چلا گیا کہ غائب ہو گیا۔

انسان ہر وقت موت اور زندگی سے ردّ و بدل ہو رہا ہے۔ موت سے زندگی نکل رہی ہے اور زندگی سے موت نکل رہی ہے۔ ہم سب عالم ارواح سے یہاں آئے ہیں اور آتے ہی ردّ و بدل اور تغیر شروع ہو گیا ہے۔ تغیر کی انتہا یہ ہے کہ آدمی اس دنیا سے غائب ہو جاتا ہے۔

ہمارے اسلاف اس بات کو جانتے تھے۔ وہ قرآن کے احکامات پر عمل کرتے تھے۔

قرآن میں تفکر کرتے تھے۔ ان کو یقین تھا کہ یہ دنیا عارضی ہے۔ اس دنیا کے بعد ایک اور دنیا ہے جو آخرت کی دنیا ہے۔ ہمیں وہاں جا کے یہاں کا حساب کتاب چکانا ہے۔ ہمارے اسلاف ایمان اسی طرح رکھتے تھے جس طرح اللہ پر اور اللہ کے رسول ﷺ پر ہمارا ایمان ہے لیکن وہ ایمان کے مفہوم سے باخبر تھے، ہم ایمان کے مفہوم سے باخبر نہیں ہیں۔ ہمارے اسلاف اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب تھے، ہم صرف اقرار باللسان میں محدود ہو کر رہ گئے ہیں۔

اب سوچنا یہ ہے کہ ہم اس ذلت، رسوائی اور محرومی کی زندگی سے کس طرح آزاد ہو سکتے ہیں؟ سیدھی بات ہے کہ اپنے اسلاف کی سیرت، اپنے اسلاف کے معاملات پر غور کریں، ان کے نقش قدم پر چلیں، انشاءاللہ عروج حاصل ہو جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ ہمارے سامنے ہے۔ کوئی آدمی یہ نہیں کہہ سکتا کہ رسول اللہ ﷺ کے عفو و درگزر سے ہم واقف نہیں ہیں۔ گھر گھر میں فساد برپا ہے، میاں بیوی میں لڑائی ہے، اولاد باپ سے خفا ہے، باپ اولاد سے خفا ہے۔ کہا جاتا ہے Generation Gap آ گیا ہے۔ ہم ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہیں، ہر آدمی دوسرے کی اصلاح کے لیے کوشاں ہے، اپنی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا کوئی آدمی نہیں سوچتا کہ میری بھی اصلاح ہونی چاہیئے۔

مسلمانوں کے باعزت ہونے کا باوقار ہونے کا اور پوری دنیا پر غلبہ حاصل کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کو بار بار پڑھیں، اللہ کے محبوب ﷺ نے جن باتوں کو پسند کیا ہے وہ باتیں احیار کر لی جائیں اور جن باتوں سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے ان کو چھوڑ دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے سب کچھ کر کے دکھا دیا ہے۔ جنگِ احد میں پیش آنے والا ہندہ کا واقعہ ہمارے سامنے ہے۔ دھوکہ سے شہید کرا کے حضرت امیر حمزہؓ کا پیٹ چاک کیا، پیٹ چاک کر کے جگر نکالا اس کو چبا کر تھوکا، شہدا کے ناک کان کاٹے، رسی میں پرو کے ہار بنایا، اس ہار کو گلے میں پہن کر رقص کیا۔ لیکن جب ہندہ مسلمان ہوئی تو حضور پاک ﷺ نے

اس کو معاف کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا کے سارے قرضے، قرضوں پر سود معاف کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ اور ان کے صحابہؓ کو اہل مکہ نے کتنی اذیتیں اور تکلیفیں پہنچائیں، ہجرت پر مجبور کر دیا گیا، چہیتی بیوی حضرت خدیجہؓ نے ہر چیز رسول اللہ ﷺ پر نثار کر دی، شعب ابی طالب میں جب وہ بیمار ہوئیں مشرکین نے دوا بھی نہیں جانے دی۔ اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کی ساری غلطیوں اور کوتاہیوں کو معاف فرما دیا۔

ہم رسول اللہ ﷺ کے پیروکار ہیں، ان سے محبت کرتے ہیں۔ کیا ہم لوگوں کو معاف کرتے ہیں؟ باہر کو چھوڑیئے، گھروں میں دشمنیاں پل رہی ہیں۔ محترم دوستو! ہم اس لیے پریشان ہیں، اس لیے بے سکون ہیں، طرح طرح کی بیماریوں میں اس لیے مبتلا ہیں کہ ہم نے اپنے اسلاف کے راستوں کو چھوڑ دیا ہے۔ ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں، مسلمانوں کی اولاد ہیں، مسلمانوں کی نسلیں ہیں، لیکن ہمارے اسلاف اور ان کے اعمال میں اور ہمارے اعمال میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد، صحابہ کرامؓ کی زندگی ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ صحابہ کرامؓ کے بعد تابعین کی زندگی ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ تابعین کے بعد تبع تابعین کی زندگی ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے اور تبع تابعین کے بعد اولیاء اللہؒ جو رسول اللہ ﷺ کے علوم کے وارث ہیں، ان کی زندگی ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔

اگر ہم جانتے بوجھتے روشنی ہوتے ہوئے اندھیروں میں بھٹکتے رہیں تو اس میں ہمارے اسلاف کا قصور نہیں ہے، ہمارا اپنا قصور ہے۔ اولیاء اللہ کی ڈیوٹی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کے ہر پہلو کو رسول اللہ ﷺ کی امت کے سامنے پیش کریں اور اس بات کی تائید اور تاکید کریں کہ اگر رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ پر رسول اللہ ﷺ کے امتیوں کا پورا پورا عمل نہیں ہوا تو مسلمان قوم کبھی ذلت و رسوائی سے نہیں بچ سکتی۔ ہرگز ایسی قوم کو عروج حاصل نہیں ہوتا جو اپنی نبی ﷺ کی سیرت کے مطابق زندگی نہیں گزارتی۔

اگر مسلمانوں کو عروج حاصل کرنا ہے تو آسان نسخہ یہ ہے۔ اللہ کے محبوب، جن کے لیے اللہ نے ساری کائنات بنائی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کو حرز جاں بنائیں۔ فروعات میں نہ پڑیں، تفرقہ نہ ڈالیں، متحد ہو کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لیں، تفرقہ کو ختم کر دیں۔

سورۃ بقرہ کی پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ یہ کتاب نہیں ہے شک اس میں۔ اس میں کسی قسم کا شک نہیں ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جب کتاب میں شک و شبہ نہیں ہے تو جس انسان کے ذہن میں شکوک و شبہات ہوں گے، وہ اس کتاب سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا؟ اللہ کی کتاب میں شک و شبہ نہیں ہے، اس کتاب کو وہی سمجھے گا جس کے ذہن میں اللہ کی ذات پر مکمل یقین ہو۔ یہ کتاب ان لوگوں کو ہدایت دیتی ہے جو متقی ہیں۔ چونکہ اس کتاب میں شک نہیں ہے اس لیے شکی مزاج لوگ، جن کا یقین متزلزل ہے، اس کتاب سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ یہ کتاب ان لوگوں کو ہدایت دیتی ہے جو متقی ہیں۔

متقی لوگ کون ہیں؟ متقی لوگ وہ ہیں جن کو غیب پر یقین ہے۔

کسی بات کے بارے میں بغیر دیکھے یقین نہیں ہوتا؟ یقین کے لیے ضروری ہے کہ مشاہدہ ہو۔

آپ کسی عدالت میں گواہ کی حیثیت سے جاتے ہیں۔ جج پوچھے گا آپ جس کے بارے میں گواہی دے رہے ہیں کیا آپ نے اسے چوری کرتے دیکھا ہے؟ آپ کہیں نہیں میں نے نہیں دیکھا۔ کیا عدالت آپ کی گواہی کو معتبر مان لے گی؟ عدالت کہے گی کہ جس نے دیکھا ہے وہ آکر گواہی دے۔

جو لوگ غیب پر یقین رکھتے ہیں، یعنی غیب کو دیکھتے ہیں۔ صلوٰۃ قائم کرتے ہیں۔ صلوٰۃ قائم کرنے سے مراد ہے کہ ان کا ذہن اللہ کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے۔ ان کو مرتبہ احسان حاصل ہوتا ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ مجھے اللہ دیکھ رہا ہے یا وہ دیکھتے ہیں کہ میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں اور جو کچھ وہ خرچ کرتے ہیں، اس کے بارے میں وہ جانتے ہیں کہ یہ سب کچھ اللہ کا دیا ہوا ہے۔

آپ گندم کھاتے ہیں اللہ زمین نہ بناتا، زمین بنجر ہوتی، سنگلاخ چٹانیں ہوتیں، گندم کا دانہ کیسے اگتا، کیا گندم کا دانہ اللہ کا دیا ہوا نہیں ہے؟ ہم گوشت کھاتے ہیں، کیا بھیڑ، بکریاں، گائے، بیل اللہ کے بنائے ہوئے نہیں ہیں؟ ہم پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے کیا پانی انسانوں نے بنایا ہے؟ ہم ہوا کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے، ہم آکسیجن کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے، آکسیجن اور پانی انسانوں نے نہیں بنائے۔ میں اور آپ پیدا ہوئے، اللہ نہ چاہتا تو میں اور آپ پیدا نہ ہوتے۔ پیدا ہونے کے بعد ماں کے سینے کو اللہ دودھ سے بھر دیتا ہے، اس میں آپ نے اور میں نے کوئی تگ و دو نہیں کی ہے۔ ہم نے سوا دو سال ماں کا دودھ پیا ہے، دودھ کی کلیاں کرتے رہے۔ کیا یہ دودھ اللہ کا دیا ہوا نہیں تھا؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، تمھارا اللہ وہ ہے جو تمھیں گوبر کے بیچ میں سے دودھ نکال کر پلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمھاری حیثیت تو یہ ہے کہ اگر مکھی تمھارا رزق لے کر اڑ جائے تو تم مکھی سے اپنا رزق نہیں چھین سکتے۔ مکھی مچھر کی مثالیں دینے سے اللہ نہیں شرماتا۔ آپ کھانا کھا رہے ہیں، مکھی آ کر کھانے پر بیٹھ گئی، آپ کا کھانا لے کر اڑ گئی، مکھی سے رزق چھین کر دکھایئے۔ آپ مکھی کو تو مار سکتے ہیں لیکن رزق نہیں چھین سکتے۔

جب انسان اللہ کی کتاب پڑھتا ہے اور اس کے اندر شک، شبہ اور وسوسہ نہیں ہوتا تو اس کے اندر یقین کا Pattern بن جاتا ہے اور انسان جان لیتا ہے کہ سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ ہی ابتدا ہے، اللہ ہی انتہا ہے، وہی ظاہر ہے، وہی باطن ہے۔ اللہ ہر چیز پر محیط ہے، ہر شئے اللہ کے احاطۂ قدرت میں ہے۔ ہر چیز اللہ کی طرف سے آ رہی ہے اور اللہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں تمھاری رگ جان سے زیادہ قریب ہوں یعنی جتنے آپ اپنے سے قریب ہیں، اللہ اس سے کہیں زیادہ آپ سے قریب ہے۔ لیکن اگر آپ آنکھیں بند کر لیں اور دیکھنا ہی نہ چاہیں تو آپ کو کون جگائے گا۔ میری والدہ صاحبہ، اللہ انھیں غریق رحمت کرے،

فرمایا کرتی تھیں ''سوتے ہوئے کو تو جگایا جا سکتا ہے اور جو جاگتا ہوا سو رہا ہے اسے کون جگائے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''میں تمھارے اندر ہوں، تم مجھے دیکھتے کیوں نہیں ہو''۔

سب سے بڑے نجات دہندہ، رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات ہمیں یہی بتاتی ہیں کہ بندے کا اللہ سے قریب ترین تعلق ہے۔

آپ پی ایچ ڈی کر لیتے ہیں کیا کبھی آپ نے یہ سوچا ہے کہ ہم نے ان علوم کو حاصل کرنے میں کتنا وقت لگایا ہے۔ بیس سال تو لگ ہی جاتے ہیں۔

کیا ہماری ذمہ داری نہیں ہے کہ ہم یہ بھی سوچیں کہ اللہ کے اور اسکے رسول ﷺ کے علوم سیکھنے میں ہم نے کتنا وقت دیا ہے۔ پانچ وقت کی نماز میں کتنا وقت لگتا ہے ہمارے پاس تو نماز قائم کرنے کا وقت بھی نہیں ہے۔ کیا اس سے بڑی کوئی بد نصیبی اور محرومی ہو سکتی ہے۔

ماشاءاللہ یہاں خواتین کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے۔ اسلام سے پہلے خواتین کا کیا حال تھا، تاریخ اٹھا کر دیکھئے۔ عورتیں بھیڑ بکریوں کی طرح بکتی تھیں۔ پھر قیمت لگتی تھی۔ عورتوں کو ہتھکڑیاں ڈال کر کھونٹے سے باندھ دیا جاتا تھا۔ تذلیل کا ایک نشان تھی عورت۔ رسول اللہ ﷺ جب تشریف لائے انھوں نے عورت کو وہ عزت و مرتبہ عطا فرمایا، جو عورت کو کبھی حاصل نہیں ہوا تھا۔ فرمایا ماں کی نافرمانی سے آدمی کے اوپر جنت حرام کر دی گئی ہے۔ میاں بیوی دونوں ایک دوسرے کا لباس ہیں۔ ماں کے قدموں میں جنت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی زبانی فرمایا اگر تمھاری ماں یا باپ، تمھیں آواز دیں تو نیت توڑ کر، پہلے ماں کی خدمت کرو، ماں کا کہنا مانو، اس کے بعد نماز قائم کرو۔ سبحان اللہ، رسول اللہ ﷺ اور اللہ نے عورت کو کتنی عظمت عطا فرمائی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے عورت کو جو مقام عطا کیا ہے وہ مقام تاریخ میں عورت کو کبھی نصیب نہیں ہوا۔ کیا ہم سب مردوں اور عورتوں پر یہ فرض نہیں ہے کہ ہم اپنے رسول ﷺ کے

احکامات کی تعمیل کریں۔

ایسا نہیں ہے کہ ہم لوگ بیوقوف ہیں یا ہمارے اندر سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو گئی ہے، سوچنے سمجھنے کی صلاحیت تو ہمارے اندر ہے۔ ہم دنیاوی علوم پڑھتے ہیں، سیکھتے ہیں، اگر ہمارے اندر سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہ ہوتو ہم ان علوم میں کس طرح مہارت حاصل کر سکتے ہیں۔ خواتین سے التماس ہے کہ وہ تاریخ اسلام ضرور پڑھیں۔ اس بات کو یاد کریں کہ رسول اللہ ﷺ نے عورت کے اوپر کتنا احسان فرمایا ہے، رسول اللہ ﷺ نے عورت کو کتنا بلند مقام عطا فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ”بے شک مسلمان مرد، اور مسلمان عورتیں، اور ایمان والے اور ایمان والیاں، فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں، سچے مرد، سچی عورتیں، صبر کرنے والے مرد، صبر کرنے والی عورتیں اور عاجزی کرنے والے مرد، عاجزی کرنے والی عورتیں، خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں، روزے رکھنے والے مرد، روزے رکھنے والی عورتیں، اپنی عصمتوں کی حفاظت کرنے والے مرد، اپنی عصمتوں کی حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کو بہت یاد کرنے والے مرد اور اللہ کو بہت یاد کرنے والی عورتیں۔ ان سب کے لیے اللہ تعالیٰ نے بخشش اور بڑا اجر تیار کر رکھا ہے“۔

ہم نے مسلسل ساڑھے تین سال جدوجہد اور کوشش کی، سلسلہ عظیمیہ کے کارکنان نے میری مدد کی اور نتیجے میں ہم ایک سو ایک 101 اولیاء اللہ خواتین تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس کتاب میں عورت کی مجبوری کی داستان تاریخ کے حوالے سے بیان کی گئی ہے۔ چین میں عورت کا کیا حال تھا، یورپ میں عورت کی تذلیل کس طرح ہوتی تھی۔ عرب میں عورت کی کیا وقعت تھی، ہندوستان میں عورت کو ستی ہونا پڑتا تھا، زندہ عورت کو خاوند کے ساتھ جلا دیا جاتا تھا۔ وہ سب اس کتاب میں بیان ہوا ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ خواتین اپنے آپ کو جاننے کے

لیے، اپنے حقوق کی پہچان کے لیے رسول اللہ ﷺ کے احسانات کو یاد کرنے کے لیے کتاب ”ایک سو ایک اولیاء اللہ خواتین“ کا ضرور مطالعہ کریں۔

مرد حضرات میرے بھائی ہیں، میرے بزرگ ہیں، میرے دوست ہیں ان سے اور خواتین سے میری درخواست ہے کہ اگر آپ کو سکون چاہیئے، اگر آپ کو دنیا کی عزت درکار ہے اگر آپ آخرت میں آرام چاہتے ہیں اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رہنا چاہتے ہیں، جنت میں جانا چاہتے ہیں تو اس کا واحد حل یہ ہے کہ آپ قرآن میں تفکر کریں۔ چھوٹی چھوٹی سورتوں کا ترجمہ یاد کریں اور آداب زندگی سیکھیں۔ اساتذہ اور والدین کا احترام کریں، ان کی خدمت کریں۔ اللہ کے علاوہ کسی کی پرستش نہ کریں۔ دولت پرستی بھی شرک ہے۔ دولت پرستی سے بچیں۔ اللہ نے دولت خرچ کرنے کے لیے دی ہے، پرستش کے لیے نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے اخلاق حسنہ کے مطابق زندگی گزاریں۔ کسی سے آپ کو تکلیف پہنچ جائے تو اسے معاف کر دیں۔ آپ سے کسی کی دل آزاری ہو جائے تو آپ اس سے معافی مانگ لیں۔ غصہ نہ کریں۔ جو لوگ غصہ نہیں کرتے اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں اللہ ایسے احسان کرنے والے بندوں سے محبت کرتا ہے یعنی جن لوگوں میں معاف کرنے کا حوصلہ اور جذبہ نہیں ہوتا وہ اللہ کی رحمت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ پہلے اپنی اصلاح کیجئے پھر دوسروں کی اصلاح کی طرف دھیان دیجئے۔ جس آدمی کی خود اصلاح نہیں ہوتی وہ دوسروں کی اصلاح کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ چھوٹوں کے ساتھ شفقت سے پیش آیئے انھیں ٹافیاں اور کھلونے دیجئے۔ انھیں اولیاء اللہ اور پیغمبروں کے قصے سنایئے تاکہ ان کے شعور میں اللہ کی صفات کا ذخیرہ ہو جائے۔ بچپن کی سنی ہوئی اور سیکھائی ہوئی بات آخر وقت تک یاد رہتی ہے۔

آپ سب حضرات وخواتین کا شکریہ (خدا حافظ)

☆-----☆-----☆

روحانی علوم اور خواتین

سوال : کیا خواتین روحانی علوم سیکھ سکتی ھیں؟ کیا مرد اورعورتوں میں روح الگ الگ ھوتی ھے ؟

اعوذ باالله من الشیطن الرجیم۔

بسم الله الرحمن الرحیم۔

ان المسلمین والمسلمات والمومنین والمومنات والقانتین والقانتات والصادقین والصادقات والصابرین والصابرات والخاشعین و الخاشعات والمتصدقین والمتصدقات والصائمین والصائمات والحافظین فروجھم والحافظات اعد الله لھم مغفرة و اجرا عظیما۔

قاری صاحب نے قرآن پاک کی جو آیتیں تلاوت کی ہیں ان میں مرد حضرات اور خواتین کے اعمال وکردار کا محاسبہ اور اعمال کی جزاوسزا کا مفصل بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ''پس تحقیق مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں'' اب غور کریں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلم اور مومن کو الگ الگ کر دیا ہے۔ اس کا مطلب ہے مومن الگ Category ہے اور مسلم الگ Category ہے۔ اسلام الگ Category ہے اور ایمان الگ Category ہے۔

''پس تحقیق مسلمان مرد مسلمان عورتیں، مومن مرد مومن عورتیں، قناعت کرنے والے مرد اور قناعت کرنے والی عورتیں، سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتیں، روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور اپنی

شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والی عورتیں، اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور اللہ کا ذکر کرنے والی عورتیں، اللہ تعالیٰ کے پاس ان لوگوں کا اجر ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائیں گے اور ان کو اجر عظیم عطا کریں گے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ''یہ کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں لیکن ابھی ان کے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا''۔ جب ہم اس آیت مبارکہ پر غور کرتے ہیں تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو مرد مسلمان ہوئے وہ بھی اللہ کے یہاں معزز ہیں اور جو عورتیں اسلام لائیں وہ بھی اللہ کے یہاں معزز ہیں۔ لیکن جو مرد وعورتیں ایمان اور یقین کی دولت سے مالا مال ہیں۔ ان کے لیے اللہ کے یہاں خصوصیت اور اجر عظیم ہے۔ ایمان کا ترجمہ یقین ہے۔ یقین اس وقت مستحکم ہوتا ہے جب مشاہدہ ہوتا ہے۔ جب تک ہم دیکھ نہیں لیتے، اس وقت تک ہمارے اندر یقین کی تکمیل نہیں ہوتی۔

غور کیجئے! عدالت میں ایک مرد یا عورت گواہ کی حیثیت سے کٹہرے میں کھڑے ہیں۔ عدالت حلف لیتی ہے۔ جو کہو گے اللہ رسول کو حاضر وناظر جان کر سچ کہو گے۔ عدالت قرآن اٹھواتی ہے۔ ایک آدمی گواہ کی حیثیت سے پیش ہوا کہ فلاں بندے نے چوری کی ہے۔ عدالت اس سے پوچھتی ہے تم نے چوری کرتے دیکھا ہے؟ تو گواہ کہتا ہے میں نے چوری کرتے نہیں دیکھا، میں نے سنا ہے۔ عدالت اس کی گواہی تسلیم نہیں کرے گی اور عدالت کہے گی کہ اس آدمی کو پیش کیا جائے جس نے چوری کرتے دیکھا ہے۔

ایمان کا مطلب ہے یقین حاصل کرنے والے مرد اور یقین حاصل کرنے والی عورتیں۔ مشاہدہ کرنے والے مرد اور مشاہدہ کرنے والی عورتیں۔ دیکھنے والے مرد اور دیکھنے والی عورتیں۔ دیکھنے سے مراد..... ایک دیکھنا ظاہری دیکھنا ہے اور ایک دیکھنا غیب کی دنیا میں دیکھنا ہے۔ مومن کی شان یہ ہے کہ اس کے اندر یقین کا پیٹرن بن جاتا ہے اور اس یقین کی بنیاد پر وہ اپنی زندگی کے اصول وضوابط مرتب کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عورت اور مرد کے درجے متعین کیے ہیں۔ مرد نماز قائم کرتا ہے اور عورت بھی نماز قائم کرتی ہے، اس کو جتنا ثواب ملے گا عورت کو بھی اتنا ہی ثواب ملے گا۔ مرد حج کرتا ہے، عورت بھی حج کرتی ہے، اس کو جتنا ثواب ملے گا عورت کو بھی اتنا ہی ثواب ملے گا۔ قرآن پاک میں جہاں مردوں کی فضیلت کا تذکرہ ہے کہ مردوں کو عورتوں کے اوپر فضیلت ہے۔ مرد حاکم ہیں عورتوں پر۔

''رجال'' کہتے ہیں مردوں کو، 'قوامون' معنی فضیلت، 'علی النساء' عورتوں کے اوپر۔ مردوں کو عورتوں کے اوپر فضیلت ہے۔ اب کیسی فضیلت ہے؟ سب کو نہیں ہے، بعض مردوں کو بعض عورتوں پر فضیلت ہے۔ سب کو فضیلت نہیں ہے بعضوں کو بعض پر فضیلت ہے۔

مردوں کو عورتوں کے اوپر اس لیے فضیلت ہے کہ وہ اپنا مال خرچ کرتے ہیں، محنت مزدوری کرتے ہیں، بچوں کی پرورش کا انتظام کرتے ہیں۔ جب عورتیں بھی معاش میں شریک ہو جائیں اور ملازمت اختیار کر لیں تو فضیلت کے بارے میں بہت زیادہ سوچنا پڑے گا۔ مرد کو اس لیے فضیلت حاصل ہے کہ وہ اپنا مال خرچ کرتا ہے۔ مگر اب مرد بھی ملازمت کرتا ہے اور عورت بھی۔ بیوی کی تنخواہ ہے 12 ہزار روپے میاں کی تنخواہ ہے 5 ہزار روپے تو دونوں گھر کے اخراجات پورے کرتے ہیں۔ اب کیا صورت حال ہوگی؟ اس سلسلے میں ہمیں علماء کرام سے رجوع کرنا چاہیے۔

صحابہ کرامؓ کی زندگی اور صحابیاتؓ کی زندگی میں ہمیں نظر آتا ہے کہ جس طرح صحابہ کرامؓ جہاد میں شریک ہوئے، اسی طرح ہماری ماؤں نے بھی شرکت کی۔ نرسنگ کا کام کیا، مرہم پٹی کی، لاشیں اٹھانے کا کام کیا۔

حضرت بی بی خدیجہؓ کاروبار کرتی تھیں۔ حضور پاک ﷺ کے زمانے میں بہت ساری خواتین تھیں جو کاروبار کرتی تھیں۔ بہت ساری خواتین تھیں جو ملازمت کرتی تھیں۔

جہاں تک عورت اور مرد کے حقوق کا تعلق ہے، اللہ تعالیٰ نے عورتوں اور مردوں کی Duties الگ الگ کی ہیں۔ مثلاً عورت کو یہ سعادت حاصل ہے کہ وہ ماں بن جاتی ہے، مرد کو یہ سعادت حاصل ہے کہ وہ باپ بن جاتا ہے۔ لیکن جب ہم عورت اور مرد دونوں کا موازنہ کرتے ہیں تو عورتوں کی ڈیوٹی، مردوں کی ڈیوٹی سے بالکل مختلف ہے اور مرد حضرات کی ڈیوٹی عورتوں کی ڈیوٹی سے بالکل مختلف ہے۔ Duties الگ الگ ہونے سے عورت اور مرد کے درجے میں فرق واقع نہیں ہوتا۔

تعلیم حاصل کر کے عورتیں مفتی بن سکتی ہیں، شیخ الحدیث بن سکتی ہیں۔ عورت فتویٰ دے سکتی ہے۔ حضرت امّ ورقہؓ کو حضور پاک ﷺ نے اپنے گھر میں امامت کرانے کی اجازت دی تھی اور ان کا موذن مرد تھا۔ ان کی امامت کا سلسلہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانے تک قائم رہا۔

لوگ کہتے ہیں کہ عورتوں پر وحی نازل نہیں ہوتی۔ سوال یہ ہے کہ کون سی وحی نازل نہیں ہوتی۔ وحی تو شہد کی مکھی پر بھی نازل ہوتی ہے۔ قرآن پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی پر وحی کی۔ اللہ نے فرشتے کے ذریعہ حضرت مریم پر وحی کی۔ عورتیں فرشتے دیکھ لیتی ہیں۔ عورتوں نے جنت کی سیر کی ہے۔ تاریخ پڑھ کر مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ جتنے اولیاء اللہ کے تذکرے ہیں تقریباً اس میں تمام مرد حضرات کے نام ہیں۔ عورتیں کیا ولی اللہ نہیں ہوتیں؟ بہرحال میں نے ریسرچ کی، پتہ نہیں کہاں کہاں سے کتابیں منگوائیں۔ اس میں ہم نے غیر مذاہب عورتوں کی بھی تاریخ پڑھی، خواتین اسلام کی تاریخ پڑھی۔ تلاش کے بعد ہمیں 101 اولیاء اللہ خواتین مل گئیں۔ میں نے کتاب 101 اولیاء اللہ خواتین میں اس تاریخ کو ضم کر دیا۔

مردوں اور عورتوں کے مساوی حقوق ہیں...... اس لیے کہ اگر بیویوں کے اوپر شوہروں کے حقوق ہیں تو شوہر کے اوپر بیوی کے حقوق ہیں۔ اگر شوہر بیوی سے خدمت لیتے ہیں

تو بیویاں بھی مردوں سے خدمت لے سکتی ہیں۔الٰہی نظام کے تحت عورت اور مرد دونوں کو اللہ تعالیٰ نے صلاحیتیں عطا کی ہیں اور اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ مرد اپنی صلاحیتوں سے واقف ہوکر زندگی میں استفادہ کریں اور عورتیں اپنی صلاحیتوں سے واقف ہوکر استفادہ حاصل کریں۔اگر ماں ولی اللہ ہے، باپ بھی ولی ہے دونوں کے بچوں کی تربیت اچھی ہوگی۔اگر ماں اور باپ دونوں اللہ سے کوئی رشتہ ناطہ نہیں رکھتے تو اولاد کی تربیت اچھی نہیں ہوگی۔اگر ماں باپ روحانی صلاحیتوں کو استعمال کریں، روحانیت سیکھیں جس طرح دنیا کا علم حاصل کرنے میں اپنی صلاحیتیوں کو استعمال کرتے ہیں تو معاشرہ روحانی بن جائے گا۔دنیا میں سے حسد اور خودغرضی ختم ہوجائے گی۔ہم سب زمین کے باسی ایک دوسرے کے دوست بن جائیں گے۔اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نام کا بول بالا ہوگا۔

ہمارے دانشور اس بحث میں پڑے ہوئے ہیں کہ خواتین کو کتنے حقوق دینے چاہئیں۔ پاکستان بننے سے پہلے یہ بات عام تھی کہ لڑکیوں کو تعلیم نہ دی جائے۔یہ بات بڑی عجیب لگتی ہے کہ لڑکیوں کو اس لیے نہ پڑھایا جائے کہ اگر وہ پڑھ لکھ گئیں تو عشقیہ خط لکھیں گی۔کیا مرد عشقیہ خط نہیں لکھ سکتا؟

حضور ﷺ نے فرمایا ہے، ’’علم سیکھنا ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر فرض ہے‘‘۔جب علم کے بارے میں ہم سوچ بچار کرتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہمارے لیے مشعل راہ ہے کہ اگر تمھیں علم چین میں ملے تو تم چین جاؤ۔مقصد یہ ہے علوم جہاں ملیں، جس خطے میں بھی ہوں، آپ وہ سیکھیں۔اس زمانے میں چین متمدن ملک تھا۔چین میں کپڑوں کے کارخانے تھے۔روشنائی ایجاد ہوگئی تھی، کاغذ کی صنعت تھی، پریس ایجاد ہوگیا تھا۔اطلس وکمخواب چین سے آتے تھے۔

علم کے سلسلے میں کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ علم صرف مرد ہی سیکھے گا اور عورت نہیں سیکھ

سکتی۔جہاں تک صلاحیت کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے جب عورت اور مرد دونوں کو تخلیق کیا تو دونوں کو اللہ نے صلاحیتیں عطا کیں ہیں۔اس دور میں چین میں پچیس 25 فیصد عورتیں پائلٹ ہیں۔جب حکمرانی کی طرف نظر اٹھتی ہے کئی ملکوں کی سربراہ خواتین ہیں۔وزیراعظم ہیں، صدر ہیں، اسٹیٹ بینک کی گورنر ہیں، امریکہ میں خواتین بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں۔جب ہم میڈیکل سائنس کی طرف آتے ہیں تو عورتیں ہر قسم کی ڈاکٹر ہیں، Sergeon ہیں، آپریشن کرتی ہیں۔یونیورسٹیوں میں پروفیسر، وائس چانسلر، ڈیپارٹمنٹ کی چیئرپرسن، Dean خواتین ہیں۔اسی صورت سے خواتین کاروبار میں، بینکنگ میں بڑا کردار ادا کر رہی ہیں۔پاکستان اور ہندوستان میں خواتین وزیراعظم ہوئی ہیں۔کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں یہ کہا جائے کہ اس شعبے میں خواتین نہیں ہیں۔

میں نے جہاں تک تفکر کیا ہے، مجھے تو کوئی شعبہ ایسا نظر نہیں آتا کہ جس کے بارے میں کہا جائے کہ عورت اس میں کام نہیں کرسکتی۔دو آنکھیں عورت کی ہیں، دو آنکھیں مرد کی ہیں۔فی زمانہ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ عورت نازک اندام ہے، کمزور ہے۔آج کی نشست میں ماشاءاللہ عورتوں کی نمائندگی مردوں سے زیادہ ہے۔تعلیمی میدان کا یہ حال ہے کہ لڑکے زیادہ فیل ہوتے ہیں، لڑکیاں زیادہ پاس ہوتی ہیں۔بہاء الدین زکریا یونیورسٹی میں ایم اے کے 60 Students ہیں جن میں 40 خواتین ہیں 20 مرد ہیں۔

ہم برملا اعلان کرسکتے ہیں اپنے بچوں، بیٹوں اور بڑوں سے معذرت کے ساتھ کہ جس طرح مرد معاشرہ 5 ہزار سال سے قائم ہے اب یہ معاشرہ تبدیل ہو رہا ہے۔میں نے اپنا مشن بنایا ہے کہ اپنی بہو بیٹیوں کو میں اس بات سے آگاہ کروں کہ زمانہ تبدیل ہو رہا ہے۔ساری دنیا میں خواتین برسرِ اقتدار آجائیں گی۔لہٰذا ان کے اوپر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ دنیاوی علوم کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کے علم کو سیکھیں۔اگر انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے علم کو نہ سیکھا اور

خواتین نے انبیاء کی تعلیمات کونہیں اپنایا تو جس طرح یہ معاشرہ مرد حضرات کی وجہ سے خراب ہوا ،فساد برپا ہوا....خواتین کے دور حکومت میں بھی فساد برپا ہوجائے گا اور انسان کو چین وسکون نہیں ملے گا۔

لوگ کہتے ہیں بڑی ترقی ہوئی ہے۔ ایٹم بم بن گئے ہیں۔ایک ایٹم بم سے تین لاکھ آدمی مرجائیں گے۔ ہائیڈروجن، نیپام بم وغیرہ وغیرہ بن گئے ہیں۔ ایسے بم بھی بنالئے گئے کہ وہ ہوا میں Burst ہونگے اور فضا میں سے آکسیجن ختم ہوجائے گی۔ بے شمار مخلوق مرجائے گی۔ اس ترقی کو آپ فساد کے علاوہ کوئی نام نہیں دے سکتے۔ لیکن ہم یہ نہیں کہتے کہ علمی ترقی نہیں ہوئی ہے۔

علمی ترقی ضرور ہوئی ہے۔اتنی زیادہ ترقی ہوئی ہے کہ سویا ہوا شعور بیدار ہوگیا ہے،لیکن اس ترقی کی چکاچوند میں انسان بے حال ہوگیا ہے۔طرح طرح کی بیماریوں نے اسے جکڑ لیا ہے، بے زاری اور پریشانی مسلط ہوگئی ہے، بیمار لوگوں سے ہسپتال بھر گئے ہیں،غربت کے عفریت نے ایک مخصوص طبقے کے علاوہ عوام کو جکڑ لیا ہے۔

اگر ہم جان لیوا پریشانیوں اور بے سکونی سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں سائنسی علوم کے ساتھ ساتھ روحانی علوم بھی سیکھنے ہونگے۔قرآن پاک کے علوم کے مقابلے میں ہمیں جو علوم حاصل ہیں وہ اتنے محدود ہیں جو نا قابلِ ذکر ہیں۔الٰہی علوم کے مقابلے میں انکی حیثیت شاید صفر سے ملتی جلتی ہے۔اگر ہم سکون حاصل کرنا چاہتے ہیں، اگر ہم دنیا میں خوفناک تصادم سے بچنا چاہتے ہیں تو اس کا ذریعہ بُجز علومِ روحانی کے کچھ نہیں ہے! اور روحانی علوم حاصل کرنے کے لیے ہمیں قرآن پاک سے رجوع کرنا پڑے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔" کہ ہم نے قرآن پاک میں ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات کی وضاحت کردی ہے"۔

ہر مذہب میں ، ہر کتاب میں ، بائبل میں ، تورات میں ، بھگوت گیتا میں اشارات ملتے ہیں، آخری کتاب قرآن حکیم میں تفصیل کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ......

اس دنیا کا وجود اس طرح شروع ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو جمع کیا اور فرشتوں سے کہا" میں اس زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں"۔دیکھئے ! بہت غور طلب بات ہے، ماشاء اللہ آپ سب علمی ذہن رکھتے ہیں .....میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں، اس کا مطلب یہ ہے کہ آدم کی تخلیق سے پہلے زمین موجود تھی۔ یہ بات میں اس لیے عرض کررہا ہوں تاکہ آپ کو سوالات کرنے میں آسانی ہو۔فرشتوں نے کہا آدم زمین میں فساد برپا کردے گا۔ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو علوم سکھائے اور آدمؑ سے فرمایا کہ ہم نے تجھے جو علوم سکھائے ہیں فرشتوں کے سامنے بیان کر۔ جب آدمؑ نے علوم بیان کئے تو فرشتوں نے کہا کہ ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا آپ نے ہمیں سکھادیا ہے۔

آدمؑ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا" اے آدم تو اور تیری بیوی جنت میں رہو" اور جنت میں جہاں سے دل چاہے خوش ہو کر کھاؤ پیو، جنت کا پورا رقبہ تمھارے تصرف میں ہے۔ اگر تم اس درخت کے قریب چلے گئے۔تو تمھارا شمار ظالموں میں ہوگا۔

آپکا بہت شکریہ............ میں بہاء الدین زکریا یونیورسٹی کے قابل احترام اساتذہ اور طلباوطالبات کا شکرگذار ہوں کہ انھوں نے یہ روحانی لیکچر سنا اور مجھے عزت بخشی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو۔(آمین یارب العالمین)

السلامُ علیکم ورحمۃ اللہ

انشاء اللہ اگلی نشست سوال و جوابات کی ہوگی۔طلباوطالبات سے درخواست ہے وہ اجتماعی نوعیت کے سوالات لکھ کرلائیں۔

آج انشاء اللہ سوال و جواب کی نشست ہوگی۔ محترم پروفیسر نورالدین جامی صاحب، اساتذہ کرام بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان اور عزیز طالبات وطلبا!

السلام علیکم۔

آپ سوال کیجیے میں اپنی محدود معلومات کے مطابق انشاء اللہ جواب پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔

سوال:- اگر مرد اور عورت دونوں کی صلاحیتیں برابر برابر ہیں تو عورت کو وہ درجہ کیوں نہیں دیا گیا جو مرد کا ہے؟

جواب:- بھئی سیدھی سی بات ہے، معاشرے پر مرد کا قبضہ ہے۔ جب معاشرے پر عورت کا قبضہ ہوگا تو عورت مرد کو درجہ نہیں دے گی۔

سوال:- آپ نے ایمان اور اسلام کو الگ الگ کیوں بیان کیا ہے؟

جواب:- ایمان اور اسلام کو میں نے الگ الگ بیان نہیں کیا، قرآن بیان کرتا ہے۔ قرآن کہتا ہے ”یہ کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں لیکن ابھی ان کے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا“۔ اسلام یہ ہے کہ آپ اللہ کو وحدہ لاشریک مانیں اور رسول پاک ﷺ کو آخری رسول اور نبی تسلیم کریں اور کہیں..... **لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ** ......اب آپ مسلمان ہوگئے۔ لیکن یہ اقرار باللسان ہے۔ ہم نے زبان سے اقرار کیا کہ اللہ وحدہ لاشریک ہے، اس کے علاوہ کوئی پرستش کے لائق نہیں ہے اور محمد ﷺ اللہ کے نمائندے، Messenger اور رسول ہیں۔

ہر مسلمان کو نماز قائم کرنی ہے، روزہ رکھنا ہے، استطاعت ہو تو حج کرنا ہے وغیرہ وغیرہ۔ ایک آدمی ساری زندگی نماز پڑھتا ہے اور اس کا تعلق اللہ سے قائم نہیں ہوتا۔ نماز کا حق پورا نہیں ہوا بلکہ اس کی سورہ الماعون میں وعید ہے۔ ”پس خرابی ہے ان

نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں۔“

ایک آدمی اکاؤنٹنٹ ہے۔ وہ صبح سے شام تک حساب کی میز پر بیٹھا رہتا ہے اگر اس کا ذہن اِدھر اُدھر بھٹکتا رہے تو حساب صحیح نہیں ہوگا۔ آپ ہمیں بتایئے ایسا آدمی جو منتشر ذہن ہو اس کو کمپنی کتنے دن ملازم رکھے گی؟.....وہ حساب کر رہا ہے، اس کو خیالات آتے ہیں تو دو اور دو چار، چار اور چار نو، نو اور بارہ بیس۔ ٹھیک میزان نہیں لگائے گا اس لیے کہ ذہن منتشر ہے۔ آپ یہ بتائیں ادارہ اسے کتنے دن ملازم رکھے گا؟

ہم نماز کیوں پڑھتے ہیں؟.....

ہم نماز اس لیے پڑھتے ہیں کہ ہمارا اللہ سے تعلق قائم ہو جائے۔ وضو کا اہتمام کرتے ہیں تا کہ ہمارے اندر پاکیزگی پیدا ہو۔ مصلّیٰ بچھاتے ہیں اور کہتے ہیں 'اللہ اکبر' اس کا مطلب ہوا کہ اب ہم اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ اللہ سے بڑا کوئی نہیں ہے۔ 'اللہ اکبر' اللہ سے بڑا کوئی نہیں ہے۔ فوراً ہی بیوی یا شوہر کا خیال آجاتا ہے۔ آپ یہ بتائیں نعوذ باللہ! بیوی بڑی ہے، شوہر بڑا ہے یا اللہ بڑا ہے۔ جب آپ یہ کہتے ہیں 'اللہ اکبر' اب اللہ کے علاوہ کوئی بڑا نہیں ہے۔ میں اللہ کے سامنے کھڑا ہوں، اللہ کے سامنے جھک رہا ہوں، اللہ کے سامنے سجدہ کر رہا ہوں.....میں نے عشاء کی سترہ رکعتیں پڑھیں اور ایک دفعہ بھی میرا ذہن اللہ کی طرف نہیں گیا۔

اسلام اور ایمان کی Definition یہ ہے 'اقرار باللسان' اسلام ہے اور 'تصدیق بالقلب' ایمان ہے۔

سوال:- بچپن سے سنتے آئے ہیں کہ خواتین ناقص العقل ہوتی ہیں۔ کیا یہ بات صحیح ہے اگر یہ سچ ہے تو اس کے پیچھے کیا Logic ہے؟

جواب:- پیارے دوستو! کیا سارے ہی مرد ذہین ہوتے ہیں، کم عقل نہیں ہوتے۔ کیا پاگل خانوں میں ساری عورتیں ہی ہوتی ہیں، مرد نہیں ہوتے؟ دیکھئے مرد بھی ذہین اور ہوشیار ہوتے ہیں، عورتیں بھی ذہین اور ہوشیار ہوتی ہیں۔ ایسے مرد بھی ہیں جو عورتوں کو بیوقوف بناتے ہیں اور ایسی عورتیں بھی ہیں جو مردوں کو بیوقوف بناتی ہیں۔

ایک خاتون نے اپنا قصہ سنایا۔ اس کے شوہر یکا یک مذہبی ہوگئے داڑھی رکھ لی اور پانچ وقت کے نمازی بن گئے۔ بیوی بہت خوش ہوئی کہ شوہر متقی اور نمازی ہوگئے۔ کچھ دن کے بعد مسجد میں جا کر تہجد کی نفلیں ادا کرنے لگے۔ بیوی نے خاوند کی اور زیادہ خدمت شروع کردی۔ کئی سال تک یہ معاملہ چلتا رہا۔ ایک روز انکشاف ہوا کہ خاوند صاحب نے دوسری شادی کی ہوئی ہے۔ وہ مسجد میں تہجد ادا کرنے نہیں جاتے بلکہ دوسری بیوی کے گھر تشریف لے جاتے ہیں۔

کیا عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں؟ یہ بات مرد حضرات کہتے ہیں۔

میں نے روحانی ڈائجسٹ میں ایک مضمون لکھا تھا۔

ایک صاحب کی شیر سے ملاقات ہوگئی، شیر انسان کی زبان سمجھتا تھا۔ ان دونوں کی آپس میں بحث ہوگئی۔

شیر نے کہا کہ میں زیادہ طاقتور ہوں۔ انسان نے کہا میں زیادہ طاقتور ہوں۔ دونوں نے بڑی دلیلیں دیں۔ شیر نے کہا کہ میں تیز بھاگ سکتا ہوں انسان اتنا تیز نہیں بھاگ سکتا، میرے ہاتھ کی گرفت ایسی ہے کہ میں ایک دفعہ اگر بیل کی گردن پکڑلوں تو وہ خود کو چھڑا نہیں سکتا، ہرن کی کمر پکڑلوں تو وہ بھاگ نہیں سکتا۔ انسان اور شیر دونوں میں خوب بحث ہوئی۔

انسان نے ایسی دلیل پیش کی کہ شیر گھبرا گیا، اس کے پاس کوئی جواب نہیں رہا۔

شیر بولا! بھائی انسان تیری بات اونچی ہوتی ہے۔

یہ بتا کہ تیرے پاس ثبوت کیا ہے کہ انسان شیر سے زیادہ طاقتور ہے۔ انسان نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک تصویر نکالی۔ تصویر یہ تھی کہ شیر کے اوپر آدمی بیٹھا ہوا ہے۔ اس نے کہا یہ دیکھو۔ شیر بڑا پریشان ہوا، اس نے سوچا بڑا پکا ثبوت ہے، شیر بکری کی طرح سر جھکائے کھڑا ہے اور آدمی اس پر بیٹھا ہوا ہے۔ شیر سوچتا رہا، سوچتا رہا، بالآخر شیر نے پوچھا بھائی آدمی یہ بتا کہ یہ تصویر کس نے بنائی ہے؟

انسان نے بنائی ہے۔

شیر بولا' پھر تو مسئلہ حل ہوگیا، جس وقت شیر تصویر بنائے گا اس وقت شیر آدمی کے اوپر ہوگا اور آدمی شیر کے نیچے۔

عورت کو ناقص العقل مرد کہہ رہے ہیں۔ جس دن عورت برسراقتدار آئے گی اس وقت عورت ذہین ہوگی اور مرد ناقص العقل سمجھا جائے گا اور یہ بات دور نہیں ہے۔

سوال:- جس طرح جسم میں پانچ حسیں کام کرتی ہیں کیا اسی طرح روح میں پانچ حواس کام کرتے ہیں؟

جواب:- انسان کا اگر ہم تجزیہ کریں، ان ہڈیوں کے ڈھانچے پر اللہ تعالیٰ نے عجیب سسٹم بنایا ہوا ہے، لگتا ہے ایک صندوق ہے ایک صندوق کے اندر ایک جگہ دل لٹکا ہوا ہے، پھیپھڑے ہیں، گردے ہیں، سب کو اللہ نے صندوق میں رکھا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے روئی رکھی۔ روئی کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے گوشت بنایا۔ اس کے اوپر اللہ تعالیٰ نے پٹیاں باندھی یعنی پٹھے کس دیئے..... پھر گوشت رکھ کر اوپر پٹیاں باندھ دیں، یعنی گوشت پٹھوں کے اوپر کھال منڈھ دی۔ آدمی اسے کہتے ہیں جس کے اندر حرکت ہو، جو سنتا، بولتا، دیکھتا اور چلتا پھرتا ہو۔ اسے گرمی سردی کا احساس ہو، اس کے اندر محبت ہو۔ اس کے اندر غصہ، انتقام ہو، معافی اور عفو درگزر ہو۔ اگر یہ

چیزیں نہیں ہوں گی تو ہم اسے آدمی نہیں کہیں گے لیکن ایک بات اور سوچنے کی ہے، وہ یہ کہ آدمی چلتا کب ہے؟

جواب:۔ جب ضرورت ہو۔

اسے چلنے کی تحریک کہاں سے ملتی ہے؟

جواب:۔ دماغ سے.....

دماغ میں تحریک کہاں سے ہوتی ہے۔ آپ نے ٹی وی دیکھا ہے، ٹی وی میں تصویر کہاں سے آرہی ہے۔ بوسٹر سے آرہی ہے۔ بوسٹر میں کہاں سے پہنچی؟ ٹی وی اسٹیشن سے پہنچی۔

آپ جانتے ہیں۔ انسان پانچ حواس رکھتا ہے، سننا، دیکھنا، محسوس کرنا چھونا اور بولنا۔ دو انسان آپ کے سامنے ہیں، ایک انسان میں ہوں، ایک انسان وی سی صاحب ہیں، ہم دو انسان آپ کے سامنے بیٹھے ہیں۔ وی سی صاحب سوچ رہے ہیں، دیکھ رہے ہیں، بات کر رہے ہیں، میں بھی سوچ رہا ہوں، بات کر رہا ہوں۔ بیٹھے بیٹھے اچانک میرا دل فیل ہو جاتا ہے اور میں مر جاتا ہوں لیکن میں کرسی پر بیٹھا رہتا ہوں۔ وی سی صاحب مجھ سے بات کرتے ہیں.... میں جواب نہیں دیتا؟ کیوں جواب نہیں دیتا؟

میں اس لیے بات نہیں کرتا کہ میری روح نکل گئی ہے۔

وی سی صاحب اس لیے بات کر رہے ہیں کیونکہ ان کے اندر روح موجود ہے۔

یہ ایک بات ہوئی، دوسری بات یہ ہے کہ آپ کو بھوک لگی ہے، آپ کھانا کھاتے ہیں۔ میں Dead Body ہوں، میں کھانا کیوں نہیں کھاتا، آپ کھانا کیوں کھا رہے ہیں؟ اس لیے کہ آپ کے اندر روح ہے۔ میں اس لیے کھانا نہیں کھا رہا ہوں کہ میرے اندر روح نہیں ہے۔ آپ کو کسی نے تھپڑ مارا، آپ کا ردّ عمل ہوگا آپ اسے بھی دو تھپڑ ماریں گے۔ میں مردہ ہوں، کسی نے میرا ہاتھ کاٹ دیا، میں کچھ بھی نہیں کہتا..... کیوں؟ اس لیے کہ میرے جسم میں روح نہیں

ہے۔

پتہ چلا کہ انسان جو دو رخوں سے تخلیق ہوا ہے۔ ایک رخ جسم ہے، ایک رخ روح ہے، لیکن اصلی رخ جسم نہیں ہے، روح ہے۔ میرے کان ہیں، آپ کے بھی کان ہیں۔ آپ آواز سن رہے ہیں، میں نہیں سن رہا ہوں اس لیے کہ میں Dead Body ہوں۔ آپ اس لیے سن رہے ہیں کہ آپ کے اندر روح موجود ہے اور آپ زندہ ہیں۔ لُب لباب یہ نکلا کہ Physical Body کو روح نے اپنا Medium بنایا ہوا ہے۔ دنیا کی اکثریت Medium کو اصل سمجھتی ہے۔ بس یہی لاعلمی ہے جسکی بنا پر ہم اپنے مقصد حیات سے بے خبر ہیں اور پریشان و بے سکون ہیں۔

آپ حضرات کا بہت شکریہ اللہ حافظ ونگہبان۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

☆-----☆-----☆

خالق اور خالقین کی تعریف

کرم فرمابزرگو، اساتذہ کرام، طلبا وطلبات!

السلام علیکم۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ، "میں تخلیق کرنے والوں میں بہترین خالق ہوں"۔ آیت مبارکہ ہماری راہ نمائی کرتی ہے کہ تخلیق کا وصف اللہ تعالیٰ مخلوق کو بھی عطا کرتا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ تخلیق میں کوئی ان کا ثانی نہیں ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جب تخلیق کا ذکر فرمایا ہے تو اس میں جمع کا لفظ استعمال کیا ہے۔ سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو عالمین کا رب ہے۔ رب سے مراد یہ ہے کہ عالمین میں جتنی بھی مخلوقات ہیں، ان مخلوقات کو پیدا کرتا ہے اور پیدا کرنے کے بعد ان کو زندہ رہنے کے لیے وسائل فراہم کرتا ہے۔

مخلوق ایک نہیں ہے۔ بے شمار مخلوقات ہیں۔...... عالمین میں کتنی مخلوقات ہیں؟ اس کا کوئی شمار نہیں۔

حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا اللہ تعالیٰ آپ دوبارہ کیسے زندہ کریں گے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تمہیں یقین نہیں ہے؟ حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا یقین تو ہے دل کا اطمینان چاہتا ہوں۔ اللہ نے فرمایا کہ چار پرندے لو، ان کو اپنے آپ سے مانوس کرو، ان کو ذبح کر کے، ایک پہاڑی پر رکھ دو اور کہو کہ اللہ کے حکم سے اُڑ کر آؤ۔ جب تم بلاؤ تو تمہارے پاس آجائیں گے اور اللہ کے حکم سے پرندے زندہ ہوکر حضرت ابراہیمؑ کے پاس آگئے۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ اس کی تشریح کرتے ہیں کہ چار پرندوں کا گوشت ہڈی سمیت ایک جگہ ذبح کر کے رکھ دیا گیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے ان پرندوں کو بلایا، چار پوائنٹ بن گئے۔

مثلاً یوں سمجھئے، ایک مور ہے ایک کبوتر ہے ایک مرغی ہے ایک چڑیا ہے۔ چار پرندوں کے گوشت اور ہڈیاں اُٹھ کر ایک ایک پوائنٹ پر آ کر جمع ہوتی گئیں اور چاروں پرندے زندہ ہوگئے۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو تخلیق کا اختیار دیا ہے۔ لیکن وہ وسائل کا پابند ہوکر تخلیق کرتا ہے۔ اللہ کے علاوہ جتنے تخلیق کرنے والے ہیں وہ اللہ کے علم کے تحت کسی تخلیق کو وسائل کے ساتھ بنانے پر مجبور ہیں۔ وسائل کی موجودگی کے بغیر کوئی تخلیق نہیں ہوسکتی۔ جبکہ اللہ تعالیٰ وسائل کے پابند نہیں ہیں۔ اللہ کی تخلیق میں وسائل بھی خود بخود تخلیق ہوتے ہیں۔

اللہ نے حضرت ابراہیمؑ سے فرمایا کیا تمھیں یقین نہیں ہے کہ مرنے کے بعد ہم دوبارہ زندہ کردیں گے۔ حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا مجھے یقین ہے لیکن میں اطمینانِ قلب چاہتا ہوں۔ اگر کوئی بندہ اللہ کی تخلیق میں تصرف کرنے کے لیے یا اللہ کی کائنات میں کسی چیز کو دیکھنے کے لیے اپنا اطمینان چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے منع نہیں کرتے۔ اگر اللہ تعالیٰ منع کرتے تو یہ نہ کہتے کہ کیا تمھیں یقین نہیں ہے۔ اس امر سے اللہ تعالیٰ کا مزاج اقدس اور اللہ تعالیٰ کی عادت شریف کا پتہ چلتا ہے کہ اگر بندہ کائنات کی کھوج میں اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنا چاہے تو اللہ تعالیٰ اسے مواقع فراہم کرتے ہیں۔

سائنٹسٹ جب کسی چیز کی تلاش میں لگ جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں کامیابی عطا کرتا ہے۔ انسانوں کے لیے عام دعوت ہے۔ جو بھی کھوج لگائے گا اللہ تعالیٰ کا قانون اسکی مدد کرے گا۔ ہر انسان کے دماغ میں کمپیوٹر نصب ہے۔ اس کمپیوٹر کو جو بھی چلانا چاہے، کمپیوٹر چل پڑے گا۔

حضرت محمد ﷺ کے اوپر کائناتی دستاویز اور تسخیرِ کائنات کی کتاب قرآنِ حکیم نازل کی گئی ہے۔ دین و دنیا کی چھوٹی بات اور بڑی سے بڑی بات قرآن پاک میں وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔

خالقین کے لفظ میں اتنی وسعت ہے کہ اگر انسان غور کرے تو اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کے ایسے علوم منکشف ہوتے ہیں کہ جن علوم کو سیکھ کر، اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت سے انسان واقف ہوسکتا ہے۔ تعویذ لکھنا، جادو کا توڑ کرنا، جن بھوت اتارنا، روحانیت نہیں ہے۔ یہ ایک ماورائی علم ہے۔ جو ہر انسان مشق کر کے سیکھ سکتا ہے۔ روحانیت یہ ہے کہ کائنات کے تخلیقی فارمولے آپ کے اوپر منکشف ہوں۔ اگر تخلیقی فارمولے انسان کے اوپر منکشف نہیں ہوئے تو انسان روحانیت سے واقف نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''ہم نے زمین میں آسمانوں میں جو کچھ ہے سب کا سب تمھارے تابع کردیا ہے، چاند کو، سورج کو، ستاروں کو''۔

ہمارے مفسرین اور دانشور علماء اپنی تفسیروں میں تسخیر کا مطلب بتاتے ہیں کہ سورج اور چاند کو دھوپ اور روشنی پر مامور کیا گیا ہے، وہ خدمت کرتے ہیں۔ سورج دھوپ اور روشنی دیتا ہے اور چاند زمین کو چاندنی سے منور کرتا ہے۔ سورج کی ڈیوٹی ہے کہ وہ کھیتیاں پکائے اور چاند کی ڈیوٹی ہے کہ وہ مٹھاس پیدا کرے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ اگر مسخر ہونے کا مطلب یہی ہے تو گھوڑا بھی دھوپ سینک رہا ہے۔ گھوڑا بھی دن کی روشنی میں دیکھ رہا ہے۔ سورج کی شعاعوں سے ہاتھی اور چیونٹی بھی فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

تسخیر کا مطلب ہے کہ انسانوں کے علم میں یہ بات آجائے کہ چاند، سورج، ستارے، زمین و سموات اور موالید ثلثہ کی تخلیق میں کون سے عناصر کام کر رہے ہیں۔ اس تخلیق میں کتنا نور اور روشنی کام کر رہی ہے۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ روحانیت کا ایک ہی منشا ہے، وہ یہ کہ بندہ اللہ کو کتنا جانتا ہے اللہ سے کس حد تک اس کا رابطہ ہے؟

روحانیت یہ ہے کہ اللہ سے بندہ کو قربت حاصل ہوجائے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ، حضور پاک ﷺ کا جبہ شریف لے کر حضرت اویس قرنیؓ کی خدمت میں تشریف لے گئے،

حضرت علیؓ خاموش رہے۔ حضرت عمرؓ نے تین باتیں ان سے عرض کیں۔

حضور پاک ﷺ نے فرمایا ہے کہ آپ دعا کریں اور یہ جبہ مبارک آپ کو بھجوایا ہے۔

حضرت عمرؓ نے کہا آپ کو اللہ کے رسول ﷺ سے اتنی قربت ہے کبھی آپؓ حضور ﷺ کی زیارت کے لیے نہیں آئے۔

یہ بات حضرت اویس قرنیؓ کو پسند نہیں آئی انھوں نے پوچھا اے عمرؓ تم نے حضرت محمد ﷺ کو دیکھا ہے؟

حضرت عمرؓ نے کہا ہاں میں نے دیکھا ہے۔

حضرت اویس قرنیؓ نے کہا بتاؤ حضور پاک ﷺ کی بھنویں ملی ہوئی ہیں یا الگ الگ ہیں۔

حضرت عمرؓ خاموش رہے۔

حضرت اویس قرنیؓ نے کہا ملی ہوئی ہیں۔

حضرت عمرؓ نے نذرانہ پیش کرنا چاہا۔ حضرت اویس قرنیؓ نے فرمایا میرے پاس دو دینار ہیں، اگر تم اس بات کی ضمانت دیتے ہو کہ دو دینار ختم ہونے سے پہلے میں مروں گا نہیں تو میں قبول کر لیتا ہوں۔ حضرت عمرؓ رونے لگے اور کہا کاش! میری خلافت کو کوئی دو پیسے میں خرید لے۔ حضرت اویس قرنیؓ نے فرمایا اے عمرؓ! جس چیز کو چھوڑا جاتا ہے اس کی قیمت نہیں لگاتے، اسے پھینک دیتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کوئی نصیحت فرمایئے۔

حضرت اویس قرنیؓ نے فرمایا کہ اے عمرؓ! تم اللہ کو جانتے ہو؟ حضرت عمرؓ نے عرض کیا جی ہاں میں اللہ کو جانتا ہوں۔

پھر پوچھا ''کیا اللہ تمہیں جانتا ہے؟

جواب دیا جی ہاں اللہ مجھے جانتا ہے۔

حضرت اویس قرنیؓ نے فرمایا اب تمہیں نصیحت کی ضرورت نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے کہ ہم روحانیت کے صحیح اصول، روحانیت کے صحیح طریقے، روحانیت کے صحیح نتائج کو سمجھیں اور پھر سبقاً سبقاً روحانیت پڑھیں۔ روحانی علوم سیکھنے کے لیے وقت نکالیں، روحانی علوم کی قیمت لگالیں، اس لیے کہ کوئی علم وقت دیئے بغیر نہیں آتا۔

اس وقت عالم یہ ہے جس کو دیکھو روحانی بنا ہوا ہے۔ جن اتارنے والے روحانی بابا ہیں۔ غیب کا انکشاف کرنے والے اور جھوٹی سچی بات کرنے والے بابا ہیں۔ پیروں مریدوں کا بھی ایک گروہ ہے۔ کون روحانی ہے؟ اس کے بارے میں کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ روحانی بندہ اللہ سے واقف ہوتا ہے اللہ اس کو جانتا ہے۔ روحانی بندہ کا اللہ کے اوپر یقین ہوتا ہے کہ وہی پیدا کرتا ہے وہی رزق دیتا ہے وہی موت وحیات پر قدرت رکھتا ہے اگر انسان کا اللہ سے تعلق قائم نہ ہوا اور وہ اللہ کی معرفت نہ سوچتا ہو تو وہ روحانی انسان نہیں ہے۔

سوال:- درخواست ہے کہ فرشتوں کے بارے میں وضاحت فرمائیں؟

حضرت قلندر بابا اولیاءؒ اپنی کتاب لوح وقلم میں فرماتے ہیں۔

مقرّب فرشتوں کی پرواز جہاں تک ہے اس حد کا نام ''سدرۃ المنتہیٰ'' ہے۔ ملائکہ مقربین سدرۃ المنتہیٰ سے آگے نہیں جاسکتے۔ سدرۃ المنتہیٰ سے نیچے ایک اور بلندی ہے اس بلندی کی وسعتوں کو بیت المعمور کہتے ہیں۔

سدرۃ المنتہیٰ اور بیت المعمور کی حد میں رہنے والے اور پرواز کرنے والے فرشتے تین گروہوں پر مشتمل ہیں۔ ایک گروہ اللہ تعالیٰ کے سامنے رہ کر تسبیح میں مشغول ہے۔ دوسرا گروہ اللہ تعالیٰ کے احکام، عالم تک پہنچاتا ہے اور تیسرا گروہ ان فرشتوں کا ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکامات کو اپنے حافظے میں رکھتے ہیں۔

فرشتوں کی تعریف اس طرح ہے۔

1- ملائکہ مقربین یا ملاءِ اعلیٰ

2- ملائکہ روحانی

3- ملائکہ سماوی

4- ملائکہ عنصری

اساتذہ کرام، طلبا وطلبات کا بہت شکریہ۔

(خداحافظ)

☆------☆-------☆

روحانی استاد

شاگرد کو روحانی طرز فکر کس طرح حاصل ہوتی ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔

کوئی بھی علم ہو وہ استاد کے بغیر نہیں آتا۔ لوہار کو بھی استاد کی ضرورت ہے۔ بڑھئی کو بھی استاد کی ضرورت ہے۔ جب بچہ اسکول میں جاتا ہے تو اس کو استاد a b,c,d پڑھاتا ہے اور وہ اس کی رہنمائی میں بغیر چوں و چرا کئے استاد کی بات کو مان لیتا ہے۔ اور a,b,c,d یاد کر لیتا ہے۔ a,b,c,d کے بعد استاد حروف کے جوڑ سکھاتا ہے۔ حروف کے جوڑ کے بعد جملے بنانا سکھاتا ہے اور نتیجے میں وہ بچہ بولنے بھی لگتا ہے اور لکھنے بھی لگتا ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ کوئی بھی علم سیکھنے کے لیے استاد کا ہونا ضروری ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ طالب علم کو اپنی بات منوانے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر کوئی شاگرد استاد کی بات پر بغیر چوں و چرا کیے عمل نہیں کرے گا، وہ علم نہیں سیکھ سکتا۔ مثلاً آدمی انگریزی میں Ph.D ہے۔ اس نے اردو نہیں سیکھی۔ وہ اردو پڑھنا چاہتا ہے، جب وہ اردو ٹیچر کے پاس جائے گا، وہ ٹیچر اس کو A,B,C نہیں پڑھائے گا، ا، ب، ج، پڑھائے گا۔ اگر Ph.D آدمی یہ سوال کر دے کہ 'ا' کیوں ہے اور 'ب' کیوں ہے اور 'ج' کیوں ہے تو وہ کبھی بھی اردو نہیں سیکھ سکے گا۔ حالانکہ وہ Ph.D ہے، انگلش میں ماسٹرز ہے، لیکن اسے دوسری زبان سیکھنی ہے تو اس کو اسی پوزیشن میں آنا پڑے گا جس پوزیشن میں بچہ a,b,c,d پڑھنے کے وقت ہوتا ہے۔

استاد کی طرز فکر کا مطلب یہ ہے کہ استاد کے ذہن میں جو کچھ ہے اسے آپ من و عن قبول کر لیں۔ ایک آدمی چار زبانیں پڑھا ہوا ہے، سندھی نہیں جانتا۔ جب سندھی پڑھے گا تو وہ

صرف سندھی زبان کی طرف متوجہ ہوگا۔ استاد کے اندر علم کا جو ذخیرہ ہے، وہ اس کو عقل استعمال کئے بغیر قبول کرنا ہے۔

یہی بات روحانیت کی بھی ہے۔ سائیکالوجی، پیرا سائیکالوجی کے علم کی بھی ہے، میتھ اور علم سیارگان کی ہے۔ بے شمار علوم ہیں، جن میں روحانی علوم بھی ہیں۔ ایک آدمی کی عمر 25 سال ہے۔ جب وہ روحانی استاد کے پاس جائے گا تو وہ اس کو چند الفاظ تلقین کرے گا کہ یہ پڑھو۔ اگر وہ ان الفاظ کو a,b,c,d کی طرح قبول کر لیتا ہے تب تو وہ روحانی علوم سیکھے گا ورنہ وہ روحانی علوم نہیں سیکھ سکتا۔

علوم سیکھنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ تختی، سلیٹ، کاپی اور پین کی ضرورت پڑتی ہے اور ایک طریقہ یہ ہے کہ کاپی، سلیٹ کچھ نہ ہو، محض ذہنی ربط اور تعلق ہو۔ جیسے مادری زبان ہے۔ مادی زبان میں تختی اور قلم کی ضرورت نہیں پڑتی لیکن بچہ مادری زبان بولنے لگتا ہے۔

سوال:۔ بچہ مادری زبان کیسے سیکھ لیتا ہے؟

ماں جو لفظ بولتی ہے وہ روشنیوں میں تحلیل ہو کر بچے کے شعور پر لکھے جاتے ہیں۔ جیسے میں بول رہا ہوں۔ آپ میری آواز سن رہے ہیں۔ آپ یہ کہیں گے کہ میرے کان سن رہے ہیں۔ کان تو سن رہے ہیں، اگر میری زبان سے نکلے ہوئے الفاظ ہوا کے دوش پر آپ کے کانوں تک نہ پہنچیں تو آپ نہیں سن سکتے تھے۔

جو کچھ ہم بولتے ہیں وہ لفظ روشنیوں میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔ آج کل کے زمانے میں اس کا سمجھنا کچھ مشکل کام نہیں ہے۔ ٹی وی پر ایک صاحب تقریر کر رہے ہیں وہ تقریر آپ یہاں بیٹھے سن رہے ہیں۔

کس بنیاد پر سن رہے ہیں؟

کیوں سن رہے ہیں؟

اسلام آباد سے پروگرام چل رہا ہے یہاں آپ کس طرح سن رہے ہیں؟

لہروں کے ذریعے سن رہے ہیں.....

منہ سے جو لہریں نکلیں، ٹرانسمیٹر نے ان لہروں کو پکڑا اور فضا میں نشر کر دیا، ریڈیو، وائرلیس اور ٹی وی نے ان لہروں کو آپ تک پہنچا دیا۔ اسی طرح ہر انسان کے دماغ کے اندر ایک ٹی وی سیٹ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا نظام ہے کہ ہم جو کچھ بولتے ہیں پہلے سے اس کے لفظ متعین ہیں۔ مثلاً میں کہتا ہوں پانی۔ پانی یہاں موجود نہیں ہے۔ گلاس بھی نہیں ہے جس میں پانی رکھا ہوا ہے۔

آپ نے کیسے سمجھا پانی؟ پانی کی کوئی تصویر نہیں بنی، مگر میرے ذہن میں پانی کا جو تصور ہے، وہ تصور لہروں کے ذریعے آپ کے دماغ میں منتقل ہوا نتیجے میں پانی سمجھ کر آپ نے مجھے پانی دے دیا۔

ہماری گفتگو کا سارا محور تصور کے اوپر قائم ہے۔ اگر ہمارے ذہن میں کسی چیز کا تصور نہیں ہوگا اور ہمارے ذہن میں کسی چیز کی شکل وصورت نہیں آئے گی تو ہم اسے بیان نہیں کر سکتے۔ ہمارے شعور میں پانی کا تصور موجود ہے۔ جب بھی ہمیں اس تصور سے کام لینے کی ضرورت پیش آتی ہے، ہمارے اندر اس کا تقاضا پیدا ہوتا ہے۔

ایک آدمی بول رہا ہے، کان لہریں catch نہیں کر رہے، کان آواز کی لہروں کو اپنے اندر جذب نہیں کرتے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ آواز نہیں سنیں گے۔ کانوں کا سننا، دماغ کا محسوس کرنا، آنکھوں کا دیکھنا، یہ سب ایک نظام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا لہروں کا نظام ہے، یہاں جو بھی کچھ ہو رہا ہے وہ لہروں کے ذریعہ ہو رہا ہے۔

سوال:۔ حالات ایسے ہیں کہ روحانی استاد کم ہیں، سیکھنے والے زیادہ ہیں۔ کیا طریقہ اختیار کیا جائے کہ ایک آدمی سے بہت سارے لوگ علوم سیکھ لیں۔ روحانیت کا کوئی اسکول نہیں ہے، کالج

نہیں ہے، یونیورسٹی نہیں ہے؟

جواب:۔ اس کا طریقہ یہ ہوگا۔ کہ شاگرد استاد سے ذہنی رشتہ قائم کرے اور مراقبہ میں اس کا تصور کرے۔ قانون کے مطابق استاد اور شاگرد دونوں روشنیوں کے اجسام ہیں۔ جب شاگرد استاد کا تصور کرے گا تو استاد کی روشنیاں شاگرد کے ذہن میں منتقل ہونگی اور ان روشنیوں کے واسطے سے روحانی علوم شاگرد کے اندر منتقل ہو جائیں گے۔ ہمارا مشاہدہ اور تجربہ یہ ہے کہ جب ہم کسی سرسبز و شاداب درخت کے نیچے کھڑے ہوتے ہیں تو ہمیں سکون ملتا ہے۔ سکون اس لیے ملتا ہے کہ درخت کا سبز رنگ ہمارے انر میں ذخیرہ ہو جاتا ہے۔ اس ہی طرح جب ہم روحانی استاد کا تصور کرتے ہیں تو اس کے اندر کا علم، اس کے اندر کا سکون، اس کے اندر کا ذوق وشوق اور اس کے اندر سے قربت کا احساس شاگرد کے اندر منتقل ہو جاتا ہے۔

سوال:۔ روحانی علوم حاصل کرنے میں زیادہ وقت کیوں لگتا ہے؟

جواب:۔ کسی بھی علم کو جب ہم سیکھنا چاہتے ہیں تو اس میں وقت ضرور لگتا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ علم کو آپ پانی میں گھول کر شربت کی طرح پی لیں۔ شربت پینے کے پیچھے وقت کی کارفرمائی ہے، میں نے ایک گلاس پانی لیا اور اس میں چینی کے دو ٹیبل سپون ڈالے، اس میں زیادہ سے زیادہ آپ کا ایک منٹ صرف ہوا اور میں نے شربت پی لیا۔ لیکن اگر ہم یہ تلاش کریں کہ جو شربت ہم نے ایک یا آدھے منٹ میں پیا وہ کس طرح بنا تو یہ منٹوں کا نہیں مہینوں کا عمل ہے۔

توجہ فرمائیے!

کسان نے زمین میں، کھیت بنائے پھر ہل چلایا۔ اس کے بعد گنا بویا۔ مہینوں میں گنے بڑے ہوئے۔ وہاں سے گنے بیلنے پر گئے۔ وہاں ان کا رس نچوڑا گیا۔ پھر اس رس کو پکایا گیا۔ پکانے کے بعد اس رس کو گھوٹا گیا، تب چینی یا گڑ بنا۔ پھر وہ چینی بوریوں میں جمع ہوئی۔ ٹرکوں میں لاد دی گئی، ٹرکوں کے ذریعے منڈیوں میں پہنچی۔ آڑھتی نے خوردہ فروشوں کو فروخت

کیا۔ آپ دکان میں گئے۔ آپ نے چینی خریدی۔ چینی کے دو چمچے گلاس میں لے کر اسے گھولا تب شربت بنا۔ ہم کسی بھی طرح اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتے کہ ایک منٹ میں شربت پی لیا گیا۔ اس لیے کہ اگر کھیت میں گنا نہیں بویا جائے گا، شربت نہیں بنے گا۔

سوچنے کی بات ہے کہ آپ نے چینی پانی میں ملائی اور شربت تیار ہو گیا۔ چینی کا شربت تو آدھے منٹ میں بن جاتا ہے۔ لیکن چینی تیار ہونے میں مہینوں کا وقت لگتا ہے۔ یعنی شربت بنانے کے لیے لوازمات کئی مہینوں میں پورے ہوتے ہیں۔ شربت کے لیے پانی اور چینی لازم و ملزوم ہیں۔ شربت کے لیے ضروری ہے کہ چینی ہو۔ چینی کے لیے ضروری ہے گنا ہو۔ گنے کے لیے ضروری ہے زمین ہو۔ کام آپ آدھے منٹ میں کر رہے ہیں، شعور اس کو آدھا منٹ سمجھ رہا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ آدھے منٹ کا کام مہینوں پر محیط ہے۔ اس سارے Process میں کم از کم چھ مہینے لگیں گے۔

اب پانی کی طرف آیئے! پانی اگر نہر سے آ رہا ہے تو پہلے پانی صاف ہو گا۔ پھر مشینیں اسے Pump کریں گی۔ پھر پانی نلکوں میں آئے گا، اس Procces میں کافی وقت درکار ہے۔ دنیا میں کوئی بھی کام ایسا نہیں ہے کہ جو وقت کا محتاج نہ ہو۔ جس میں ٹائم نہ لگتا ہو۔ جب شربت بنا کر پینے میں چھ مہینے کا وقفہ درکار ہے تو بغیر وقت کے آپ علم کیسے سیکھ سکتے ہیں؟ یہ ایک مثال ہے۔ اس کے علاوہ اور مثالیں ہیں۔

کھانا پکا کر دسترخوان پر لگا دیا گیا۔ زیادہ سے زیادہ پندرہ بیس منٹ میں آدمی نے کھانا کھا لیا۔ کھانے کے پیچھے بھی ایک پروسس ہے۔ گیہوں کا بونا، اس کا کٹنا، بوریوں میں بھرنا، آٹا پیسنا، گوندھنا، توے پر روٹی پکنا۔ یہ سب وقت کی کارفرمائی ہے۔ اس لیے کہ اگر گیہوں نہیں ہو گا، آپ روٹی نہیں کھا سکتے۔ آپ نے گوشت کھایا۔ دو گھنٹے گوشت پکنے میں لگ جاتے ہیں۔

بکری کے بچے ہوں گے، وہ بڑے ہوں گے، پھر انہیں ذبح کیا جائے گا، قصائی کی

دکان پر گوشت فروخت ہو گا۔ ہم قصائی کی دکان سے گوشت خریدیں گے۔

یہاں دنیا میں کوئی ایک چیز ایسی نہیں ہے جو وقت کے پیمانوں میں بند نہ ہو اور وقت کے پیمانوں سے آزاد ہو۔ اگر کوئی چیز وقت کے پیمانوں سے آزاد نہیں ہے تو علوم بھی وقت کے پیمانوں میں بند ہیں۔ لہٰذا علوم سیکھنے میں وقت لگتا ہے۔ آپ Ph.D کرتے ہیں۔ لیکن جب آپ وقت کا حساب لگائیں گے تو پتہ چلے گا تعلیم میں چوبیس پچیس سال لگ گئے ہیں۔ البتہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب وقت گزر جاتا ہے تو وقت کی نفی ہو جاتی ہے۔

آپ نے شادی کی، بچے ہوئے۔ اس میں بھی وقت درکار ہے۔ بچے پیدا ہوں گے، جوان ہوں گے، ان کی شادیاں ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ماں کا ادب کرو، احترام کرو، تمھیں نو مہینے اپنے پیٹ میں لئے پھرتی ہے"۔ بچہ دنیا میں آیا، سوا دو سال تک دودھ پیا، جوان ہوا۔ اس نے تعلیم حاصل کی۔

ان تشریحات سے یہ قانون واضح ہوا کہ اس دنیا میں جو کچھ ہے وہ وقت کے اندر بند ہے۔ وقت کا پابند ہے۔ آدمی جوان ہوتا ہے۔ جوان ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ایکدم جوان ہو جائے۔ پیدائش سے جوانی تک اٹھارہ سال گزرتے ہیں۔ ان شب و روز کے گھنٹے بنائیں اور گھنٹوں کے منٹ بنائیں دیکھیں آدمی کتنی دیر میں جوان ہوا ہے۔ تو معلوم ہو گا کہ کتنے وقفوں میں آدمی جوان ہوا ہے، 94,60,800 منٹ میں جوان ہوا۔

یہ سوال کہ روحانی علم حاصل کرنے میں زیادہ وقت کیوں لگ جاتا ہے؟

زیادہ وقت نہیں لگتا، وقت اتنا ہی لگتا ہے جتنا دوسرے علوم سیکھنے میں لگتا ہے۔ البتہ روحانی علوم اور مادی علوم میں فرق ہے۔ فرق یہ ہے کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے پہلے دن، عالم ارواح سے آتا ہے۔ عالم ارواح میں سے آنے کا مطلب ہے کہ بچہ جب اس دنیا میں آتا ہے تو اس کے شعور میں روحانیت کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ وہ عالم روحانیت کے زون سے

یہاں دنیا میں آیا ہے۔ جیسے جیسے وہ دنیا میں وقت گذارتا ہے روحانی علوم پردہ میں جاتے رہتے ہیں اور دنیاوی علوم سامنے آتے رہتے ہیں۔

.....اس بات سے آپ سب واقف ہیں.....آپ نے ضرور دیکھا ہوگا کہ چھوٹے بچے کے سامنے زور سے بولیں تو بچہ چونک جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے ذرا اونچی آواز بچے کے شعور کے لیے ایک دھماکہ ہے۔ اگر بچے کے شعور کے لیے دھماکہ نہ ہوتا تو چونکتا نہیں، ڈرتا نہیں۔ کئی دفعہ بچہ اونچی آواز سن کر روتا ہے۔ بچہ جب اس دنیا میں آتا ہے تو اس دنیا کے شعور سے بالکل بے خبر ہوتا ہے۔ آہستہ آہستہ جب شعور عادی ہو جاتا ہے تو بچہ بندوق کی آواز سے بھی نہیں ڈرتا۔ وہ خود بندوق چلاتا ہے اور شکار کھیلتا ہے۔ توپ کے گولے کی آواز سے اسے کچھ نہیں ہوتا۔ چھوٹے بچے کے سامنے کرخت آواز سے بولا جائے تو بچہ رونے لگتا ہے۔ اس کو آواز بری لگتی ہے۔ ماں باپ اسے سینے سے لگاتے ہیں، تھپکتے ہیں، پیار کرتے ہیں، اس کے سامنے ہنستے ہیں، تب بچہ چپ ہوتا ہے۔ بچے کا شعور گلاب کی پنکھڑی کی طرح ہے، نازک، ملائم اور جلد مرجھا جانے والا۔

اللہ تعالیٰ نے نوع انسانی کو خصوصیت کے ساتھ تفکر کی دعوت دی ہے۔ جب آدمی تفکر کرنے لگتا ہے تو ہر چیز میں تفکر کرتا ہے۔ تفکر نہیں کرتا تو کسی چیز میں بھی نہیں کرتا۔ ایک بدصورت آدمی بچے کے سامنے آجائے، بچہ ڈر جاتا ہے، رونے لگتا ہے۔ کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ خوبصورت آدمی ذہنی طور پر بدصورت ہوتا ہے۔ اس کے ذہن میں بدصورتی ہوتی ہے۔ اس کے اندر کبر ہوتا ہے، غرور ہوتا ہے، نفرت کے جذبات ہوتے ہیں۔ اس کے اندر خود غرضی ہوتی ہے۔ لیکن بچہ اس خوبصورت چہرے کو دیکھ کر ڈر جاتا ہے۔ کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک کالے آدمی کو دیکھ کر بچہ خوش ہوتا ہے مسکراتا ہے۔ کالے کلوٹے آدمی سے بچہ کیوں نہیں ڈرتا؟ اس لیے نہیں ڈرتا کہ بچے کا لاشعور دیکھ رہا ہے کہ کالا آدمی اندر سے خوبصورت ہے۔ اسکے اندر غرض نہیں ہے۔ لالچ نہیں

ہے۔ ضد نہیں ہے۔ اس کے اندر حسد نہیں ہے۔

یہ تو ہوا بچوں کا معاملہ، اب بڑے بوڑھوں کی طرف آجائیں۔ نہایت خوبصورت شکل کی دادی اماں ہیں۔ کئی دادیاں ایسی ہوتی ہیں کہ بچے ان کی گود میں گھستے ہیں۔ ان کو جا کر سلام کرتے ہیں۔ ان سے دعائیں لیتے ہیں۔ ان کے روئی کے گالے جیسا ہاتھ سر پر پھرا کے خوش ہوتے ہیں اور کئی بوڑھے آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ لوگ ان کے پاس جاتے ہوئے گھبراتے ہیں۔ یہ ایسی مثالیں ہیں جن سے سب واقف ہیں اور سب ان حالات سے گزرتے ہیں۔ بوڑھے آدمی کے شعور میں معصومیت ہے، بوڑھے آدمی کے شعور میں نیکی ہے، بوڑھے آدمی میں محبت ہے، شفقت ہے تو ہر آدمی اس کے پاس جا کر خوش ہوگا۔ سلام کرے گا، اس کے آگے جھکے گا اس سے دعائیں لے گا۔

مقصد یہ کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے اس وقت دنیاوی شعور اس کے اندر صفر کے برابر ہوتا ہے۔ صرف اس کے اندر روحانیت ہوتی ہے۔ آپ نے یہ بھی دیکھا ہے کہ بچہ لیٹا ہوا ہے۔ اس کے پاس کوئی نہیں ہے اور وہ کلکاریاں بھرتا ہے!.....ہم کہتے ہیں کہ یہ فرشتے دیکھ رہا ہے۔ بچہ لیٹا ہوا ہے، کھیل رہا ہے، کھیلتے کھیلتے ایک دم منہ بناتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کوئی بری شکل اس کے سامنے آگئی ہے۔ وہ بری شکل ہم بڑوں کو نظر نہیں آتی، فرشتہ بھی ہم بڑوں کو نظر نہیں آتا، بچوں کو نظر آتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس کے اندر وہ شعور کام کر رہا ہے جو شعور عالم غیب میں دیکھتا ہے، جو شعور روحانی دنیا کو دیکھتا ہے۔

جیسے جیسے وقت گزرتا ہے، روحانی شعور پردے میں چلا جاتا ہے اور دنیاوی شعور غالب آجاتا ہے۔ بچہ لکھتا پڑھتا ہے، کاروبار کرتا ہے، شادی کرتا ہے۔ اب تیس سال اس کی عمر ہوگئی۔ پورے 30 سال دنیا کے شعور کو بالغ کرنے اور روحانی شعور کو نظر انداز کرنے میں صرف کر دیتا ہے۔ 30 سال دنیاوی شعور میں گذار کر وہ روحانیت سیکھنا چاہتا ہے۔

میرے دوستو! میں نے دس سال پڑھ کر میٹرک کرلیا، ماسٹرز بھی کرلیا اور Ph.D بھی کرلیا۔ کاروبار سیٹ ہو گیا، بچوں سے فارغ ہو گیا۔ اب میں کہتا ہوں مجھے روحانیت سیکھنی چاہیئے۔ غور کریں! تیس سال مسلسل آپ روحانی شعور سے دور رہتے ہیں اور دنیاوی شعور غالب رہتا ہے۔

اگر آپ کو بچے کے پہلے دن کا شعور چاہیئے تو آپ کو کیا کرنا ہوگا؟

آپ کو تیس سال پیچھے جانا ہوگا......

تیس سال پیچھے جانے کے لیے آپ کو اپنے ماحول کی نفی کرنی پڑے گی۔ ماحول میں جو چیزیں رائج ہیں ان کی حقیقت کو جاننا ہوگا۔ بچہ پہلے دن سے جب تیس سال تک آگے بڑھا اس کے ساتھ دنیا کی ہر چیز نے تعاون کیا۔ غصے میں تعاون کیا، حسد میں تعاون کیا، لالچ میں تعاون کیا، خاندانی وجاہت میں تعاون کیا۔ اگر کسی بندے کو ماضی میں جانا ہے تو اسے تیس سال پیچھے جانا ہوگا۔ اگر تیس سال کا وقفہ نہیں گزارے گا تو بچے کے پہلے دن میں داخل نہیں ہوگا۔

جب آپ دنیاوی شعور حاصل کرتے ہیں۔ مثلاً آپ پڑھتے ہیں تو پڑھنے میں آپ آٹھ سے بارہ گھنٹے روز صرف کرتے ہیں۔ تب آپ ماسٹرز کی ڈگری حاصل کرتے ہیں اور ماسٹرز کی ڈگری میں تو پندرہ پندرہ، سولہ سولہ گھنٹے پڑھنا پڑتا ہے۔ خصوصاً انجینئرنگ اور ڈاکٹری میں تو پندرہ پندرہ، سولہ سولہ گھنٹے عام پڑھائی ہوتی ہے۔

جب آپ روحانیت سیکھنے جاتے ہیں تو آپ کے پاس وقت نہیں ہے۔ بارہ گھنٹے پندرہ گھنٹے تو چھوڑیئے آپ کے پاس تو بیس منٹ کا وقت نہیں۔ بہت زیادہ ہوا رات کو سونے سے پہلے روحانیت سیکھنے کے لیے آپ آدھا گھنٹا آنکھیں بند کر کے بیٹھ گئے۔ بارہ گھنٹے روزانہ پڑھ کر آپ نے جو شعور حاصل کیا اس کے برعکس روحانی شعور آپ آدھے گھنٹہ میں کیسے بیدار کر سکتے ہیں؟ اس میں کون سی ایسی سمجھ میں نہ آنے کی بات ہے۔ ایک علم آپ بارہ گھنٹے پڑھ کر سیکھتے ہیں،

ایک علم آپ پندرہ منٹ خرچ کر کے پڑھتے ہیں۔ حساب لگایئے آدھا گھنٹہ پڑھ کر آپ کو وہ علم کتنے سال میں حاصل ہوگا؟

پندرہ بیس منٹ میں کوئی علم آپ سیکھ نہیں سکتے۔ اس سے زیادہ بے وقوفی کی بات دنیا میں کوئی نہیں ہوگی کہ میں پندرہ منٹ یا آدھا گھنٹا روز پڑھوں گا اور دس سال میں میٹرک کرلوں گا۔ میں آدھا گھنٹا روز پڑھوں گا، ایک سال میں پہلی جماعت پاس کرلوں گا۔ میں آدھا گھنٹہ روز پڑھوں گا اور آٹھ سال میں بی اے کرلوں گا، ایم اے کرلوں گا۔

آپ نے دس سال میں میٹرک پاس کیا ہے، ایک گھنٹہ صرف کر کے آپ اتنی مدت میں روحانی علوم کیسے سیکھ سکتے ہیں؟

روحانیت میں سترہ کلاسیں پڑھائی جاتی ہیں بندہ جس قدر محنت کرتا ہے، دلچسپی اور ذوق وشوق کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اسی مناسبت سے بندہ روحانی علوم سیکھ لیتا ہیں۔

سوال:- فقراء کے پاس لوگوں کا ہجوم رہتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

لوگ فقراء کے پاس اس لیے آتے ہیں کہ انہیں نئی نئی باتیں سننے کو ملتی ہیں۔ کیونکہ فقراء ماورائی سفر میں ہوتے ہیں اس لیے وہ جب بھی بات کرتے ہیں اس میں کوئی نئی بات ہوتی ہے۔ فقراء کے اندر ایک کشش ہوتی ہے۔ مقناطیسیت ہوتی ہے، اللہ کا نور ان کے اندر کام کرتا ہے۔ وہ لوگوں سے محبت کرتے ہیں، شفقت سے پیش آتے ہیں، وہ کسی سے غرض نہیں رکھتے، کسی سے لالچ نہیں رکھتے، کسی سے نفرت نہیں کرتے۔ بغیر غرض کے محبت کرتے ہیں۔

آپ حضرات کا بہت شکریہ۔

السلام علیکم

☆------☆------☆

نسبت سے کیا مراد ہے؟

بسم الله الرحمن الرحیم۔

سوال:- تصوف میں نسبت کا بہت زیادہ تذکرہ کیا جاتا ہے۔بتائیے! نسبت سے کیا مراد ہے؟

جواب:- آدمی کا کسی دوسرے آدمی سے روحانی تعلق قائم ہونے کو نسبت کہتے ہیں یعنی ایک یا زیادہ آدمی کسی ایک آدمی سے اتنے متاثر ہو جائیں کہ وہ اس کی طبیعت، اس کے افکار اور اسکی طرز فکر کو قبول کر لیں۔

نسبت سے مراد یہ ہے کہ کسی بزرگ سے آپ کا روحانی تعلق قائم ہو جائے آپ کی طرز فکر انکی طرز فکر کے مطابق ہو جائے۔اللہ والوں کا ہر عمل اور ہر کام اللہ کے لیے ہوتا ہے۔وہ اللہ کی معرفت سوچتے ہیں۔اللہ کے لیے سوتے ہیں۔اللہ کے لیے جاگتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کے لیے جیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مرتے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ

''ہمارا یقین ہے کہ ہر امر اللہ کی طرف سے ہے۔''

حضور پاک ﷺ کے زمانے میں صحابہ کرامؓ وہی کچھ کرتے تھے جو حضور پاک ﷺ کرتے تھے۔صحابہ کرامؓ حضور ﷺ کی سوچ سے آگاہ تھے۔وہ حضور ﷺ کے مزاج شناس تھے۔حضور ﷺ کو جو اعمال ناپسند تھے صحابہؓ ان کاموں سے اجتناب کرتے تھے۔حضور ﷺ کے لیے جو اعمال پسندیدہ تھے، انھیں ذوق وشوق سے انجام دیتے تھے۔

نسبت کا ایک مفہوم یہ ہے فیض حاصل ہونا یا طرز فکر کا منتقل ہونا۔

ہمارا تجربہ ہے کہ بچے وہی زبان بولتے ہیں جو ماں بولتی ہے۔کھانا اسی طرح کھاتے ہیں جس طرح ماں کھاتی ہے۔وہی کرتے ہیں جو ماں کرتی ہے۔اگر ماں کے اندر غصہ ہے تو بچے بھی غصہ کرتے ہیں آپ نے دیکھا اور سنا ہوگا کہ بچے ہاں بولتے ہیں تو ماں کہتی ہے بیٹا ''جی'' بولو لیکن بچہ پھر بھی ہاں بولتا ہے۔

میں نے اپنے گھر میں تجربہ کیا ہے، جب دلہن کہتی ہے میرے پوتے سے ہاں نہیں جی بولو، جبکہ دلہن بیگم خود ''ہاں'' بولتی ہیں۔اگر ماں خود ''جی'' بولتی تو بچہ لفظ ''ہاں'' سے واقف نہ ہوتا۔لفظ ''ہاں'' ادب کے لحاظ سے شرافت کے معیار پر پورا نہیں اترتا اس لیے ماں کو برا لگتا ہے۔لیکن ماں خود ''ہاں''...... بولتی ہے۔

استاد کہتا ہے جھوٹ نہ بولو وہ خود جھوٹ بولتا ہے۔جب شاگرد دیکھتا ہے کہ استاد جھوٹ بولتا ہے، تو شاگرد پر اثر نہیں ہوگا۔استاد غصہ کرتا ہے اور شاگرد سے کہتا ہے کہ غصہ کرنا بری بات ہے۔شاگرد پر یہ نصیحت اثر نہیں کرے گی کیونکہ استاد کے قول وفعل میں تضاد ہے۔لیکن اگر استاد کے اندر غصہ نہیں ہوگا تو شاگرد غصے سے واقف نہیں ہوگا۔جب غصے سے واقف ہی نہیں ہوگا تو غصہ کیسے کرے گا؟

نسبت کا مطلب ہے بڑوں کی سوچ منتقل ہونا۔سوچ اس طرح منتقل ہو جائے کہ وہ سوچ آپ کا مزاج بن جائے۔آپ وہی کام کرنے لگیں جو آپ کے بزرگ کرتے ہیں۔بچے وہی بول بولتے ہیں جو بزرگ بولتے ہیں۔

روحانی اساتذہ اس بات کا اہتمام کرتے ہیں کہ وہ خود عمل کرتے ہیں۔شاگردوں کے لیے ان کا عمل مشعلِ راہ ہوتا ہے۔شاگرد ان کی سوچ کے مطابق عمل کرتے ہیں۔روحانی استاد کی طرز فکر اور عمل کو قبول کرنا فیض یا نسبت ہے۔بیوی شوہر کا احترام کرتی ہے، بچے از خود باپ کا احترام کرتے ہیں۔میاں بیوی آپس میں احترام کریں گے تو بچے بھی آپس میں نہیں لڑیں

گے۔ باپ بیوی کو کنیز بنا کر رکھے گا بچے بھی یہ سمجھیں گے کہ میری ماں کی کوئی عزت نہیں ہے۔ وہ ماں کی عزت نہیں کریں گے۔

بزرگوں کی عادات، بزرگوں کی سخاوت اور علم منتقل ہونے کو ''نسبت'' کہتے ہیں۔

کسی امتی کو رسول اللہ ﷺ سے عشق ہو جائے۔ اس کو نسبت عشق کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا علم حاصل ہو جائے تو اس کو نسبت علمی کہتے ہیں۔ ایک آدمی پر سکون ہے، اسے یکسوئی حاصل ہے وہ ہر بات کو من جانب اللہ سمجھتا ہے۔ اس کو کوئی خوشی ہوئی ہے وہ کہتا ہے یا اللہ تیرا شکر ہے۔ کوئی تکلیف ہوتی ہے، اسکو ختم کرنے کی تدبیر کرتا ہے۔

سوال:- روحانیت میں نسبتوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ آپ ارشاد فرمائیں کہ روحانی طرز فکر حاصل کرنے کے لیے کتنی نسبتیں ہیں؟

اگر کوئی شاگرد استاد کے علوم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اسکی طرز فکر اور طرز عمل کے مطابق زندگی گزارتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ شاگرد کو استاد کی نسبت حاصل ہے۔

میری سوچ کے مطابق اگر میرا شاگرد زندگی گزارے گا تو اسے میری نسبت حاصل ہو جائے گی۔ میں نے اپنی ماں کے جذبات، تاثرات، اخلاص، ایثار، احترام و محبت، خدمت خلق مہمان نوازی اور ان کی سوچ کو قبول کر لیا تو مجھے اپنی ماں کی نسبت حاصل ہوگئی۔ نسب نامے میں بھی یہی ہوتا ہے۔ میرے باپ کا نام یہ ہے، دادا کا نام یہ ہے، پردادا کا نام یہ ہے اور نسب نامہ کسی بزرگ تک پہنچ جاتا ہے۔ جیسے ''صدیقی'' لوگوں کو حضرت ابو بکر صدیقؓ کی نسبت حاصل ہے۔ جس کو حضرت عمر فاروقؓ کی نسبت حاصل ہے، وہ فاروقی کہلاتے ہیں۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی نسبت اگر حاصل ہے تو وہ انصاری ہیں۔

سوچ اچھی یا بری ہوتی ہے۔ اللہ سب کو محفوظ رکھے کوئی چو۔ بن جاتا ہے، یہ اچھی نسبت

نہیں ہے۔ اگر اچھے لوگوں میں بیٹھو گے اچھے بن جاؤ گے کوئی برے لوگوں میں بیٹھے گا تو لوگ اسے اچھا نہیں سمجھیں گے۔

سوال: علمی حلقوں میں یہ بات اکثر بیان کی جاتی ہے کہ کائنات کا نظام چلانے کے لیے تکوین کا شعبہ کام کرتا ہے اور تکوین کے کارندوں میں انسان اور فرشتے ان کے معاون ہوتے ہیں۔ آپ بتائیں کہ تکوین کیا ہے؟

جواب: زندگی گزارنے کے لیے ضروری ہے کہ اصول، قاعدے اور ضابطے متعین ہوں۔ جب تک کہ قاعدے اور ضابطے نہیں ہوں گے، زندگی کی تکمیل نہیں ہوگی اور زندگی میں نئی نئی دشواریاں پیش آتی رہیں گی۔ ایک مرد، ایک عورت اس بات کا عہد کرتے ہیں کہ ہم ایک دوسرے کو قبول کرتے ہیں، ہم ساتھ رہیں گے اور ایک دوسرے کے جذبات واحساسات کا خیال کریں گے۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق ہم ایک دوسرے کو قبول کرتے ہیں۔ پھر ہم ایک دوسرے کی پاسداری کرتے ہیں اور اپنا گھر بناتے ہیں۔ اپنے بچوں کو اچھی تربیت دیتے ہیں، ان کی بہترین پرورش کرتے ہیں اور ان کو اچھا شہری بناتے ہیں۔

شادی کے بعد اس بات کی ضرورت ہے کہ گھر ہو۔ گھر میں ضروریات کا سارا سامان ہو۔ مثلاً کچن، باتھ روم، کمرے، کمروں کے اندر بیڈ ہوں، بجلی، گیس ہو اور کھانے پینے سے متعلق اشیاء ہوں اور ان اشیاء کو پکانے کے لیے برتن ہوں۔ بات صرف اتنی ہے کہ دو افراد نے ایک دوسرے کو قبول کر لیا ہے۔ لیکن نکاح کے بعد کی ضروریات کا پورا ہونا ضروری ہے۔ حقوق کا تعین بھی ضروری ہے، مثلاً بیوی کے کیا حقوق ہیں؟ شوہر کے کیا حقوق ہیں؟ پھر جب اللہ تعالیٰ اولاد عطا کر دیتا ہے، اولاد کی تربیت کے لیے بھی ضروری ہے کہ School، کالج، یونیورسٹیاں ہوں۔ وسائل بھی اولاد کی تربیت کے لیے ضروری ہیں۔ زندگی گزارنا محض یہ نہیں ہے کہ دو

بندوں نے آپس میں عہد و اقرار کرلیا اور زندگی گزر گئی۔ زندگی گزارنے کے لیے بہت سارے عوامل درکار ہیں۔

محض شادی ہونا کافی نہیں ہے، شادی کے بعد انتظامی امور کا پورا ہونا بھی ضروری ہے اور انتظامی امور کے لیے اپنی اپنی خدمت، اپنی اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنا بھی ضروری ہے۔

دنیا میں کوئی کام ایسا نہیں ہے کہ جس کی تکمیل انتظام و انصرام کے بغیر ہوسکے۔ یہ ایک Routine Work ہے۔ مثلاً فیکٹری میں ایک Director ہے، فیکٹری بنا کر Director کا صرف کرسی پر بیٹھ جانا، فیکٹری کو نہیں چلا سکتا۔ اس کے لیے قاعدے ضابطے بنیں گے کہ کون کون سے شعبے فیکٹری میں ہونے چاہئیں۔ ان شعبوں کے لیے کتنے آدمی ملازم رکھنے چاہئیں اور فیکٹری میں کتنے مزدور کام کریں گے۔ Raw Material کہاں سے آئے گا۔ جب چیزیں فیکٹری میں تیار ہوجائیں گی، ان کی سپلائی کس طرح ہوگی۔ اس سپلائی کے لیے آپ کو ٹرک چاہئیں، بازار ہونا چاہیئے، دکانیں ہوں۔ یہ سب چیزیں اگر نہیں ہوں گی تو Factory نہیں چلے گی۔

آپ باغ لگاتے ہیں۔ باغ لگانے کے لیے مالی کی ضرورت ہے، پانی کی ضرورت ہے، گوڈی کی ضرورت ہے، چھوٹے درختوں کو پالے سے بچانے کی ضرورت ہے۔ چھوٹے درختوں کو گرمیوں میں تیز ہواؤں اور لو سے بچانا ضروری ہے۔ کھاد بھی ڈالنی ہوگی۔ کوئی درخت، جب تک اس کے پیچھے ایک مکمل انتظام نہ ہو وہ درخت نہیں بنتا۔ یہ پورا ایک System ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جب کائنات بنائی تو ''کن'' کہا۔ کائنات وجود میں آگئی۔ لیکن کائنات وجود میں آنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو چلانے کا کوئی انتظام نہیں کیا۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرشتے بنائے۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی Administration کے

کارندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے لیے زمین بنائی۔ زمین کو اللہ تعالیٰ نے Grow کرنے کی صلاحیت دی۔

اس دنیاوی نظام کو چلانے کے لیے حضرت آدمؑ کا انتخاب کیا اور فرشتوں سے اللہ تعالیٰ نے کہا کہ میں زمین میں اپنا نائب اور خلیفہ بنانے والا ہوں۔ فرشتوں نے کہا کہ آپ جس کو نائب اور خلیفہ بنانے والے ہیں یہ زمین میں فساد برپا کردے گا، خون خرابہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی اس بات کو رد نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اطمینان دلانے اور یقین کی تکمیل کے لیے آدمؑ کو علم الاسماء سکھایا اور آدمؑ کو علم الاسماء سکھانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے آدمؑ! ہم نے تجھے جو علم الاسماء سکھایا ہے۔ فرشتوں کے سامنے بیان کر۔ حضرت آدمؑ نے فرشتوں کے سامنے علم بیان کیا۔ فرشتوں نے کہا..... کہ اے پروردگار عالم! آپ نے جتنا علم ہمیں سکھا دیا ہے، بس ہم اتنا ہی جانتے ہیں۔ اس اعتراف کے بعد فرشتوں نے سجدہ کیا۔ سجدہ کرنے کا مطلب ہے کہ فرشتوں نے حضرت آدمؑ کی حاکمیت کو تسلیم کرلیا۔

انتظام و انصرام چلانے والے فرشتوں نے جب یہ دیکھا کہ آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے Administration سے متعلق علوم سکھا دیئے ہیں انہوں نے آدمؑ کی حاکمیت کو قبول کر لیا۔ کائنات کو وقت مقررہ تک قائم رکھنے، کروڑوں دنیاؤں کا نظام چلانے والے شعبہ کا نا ''تکوین'' ہے۔

کروڑوں دنیاؤں میں انتظام و انصرام کرنے والے بندے اور فرشتے ہیں۔ ان کے نام بالترتیب اس طرح بیان کئے جاتے ہیں۔ اخیار، ابرار، نجبا، نقبا، مخدوم شاہ ولایت، صاحب خدمت، عامل، غوث، قطب (اقطاب کے کئی شعبے ہیں۔ قطب ارشاد، قطب تعلیم، قطب تفہیم، قطب الاقطاب تسب تکوین) کو چک ابدال، ابدال، ممثل، صدر الصدور، .... پھر ان کی الگ الگ سلطنتیں

ہیں اور الگ الگ ان کے علاقے ہیں۔ جس طرح دنیاوی نظام میں Administration کا سلسلہ ہے، اس طرح روحانیت میں تکوین کا سلسلہ ہے۔

ہماری دنیا اور دوسری دنیاؤں کا نظام دراصل تکوین کے شعبوں کا عکس ہے۔ یعنی دنیا کا نظام اللہ تعالیٰ کے نظام کا عکس ہے۔ اللہ کے حکم کے بغیر درخت کا ایک پتا بھی نہیں ہلتا۔ حضرت موسیٰؑ کے واقعے میں بیان ہوا ہے۔ حضرت موسیٰؑ حضرت خضر کے پاس تشریف لے گئے، ان کے ساتھ رہے۔ اس بندے نے کشتی میں سوراخ کر دیا، پھر ایک بچے کو قتل کر دیا، ایک گرتی ہوئی دیوار کو بنا دیا۔۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر حضرت موسیٰؑ کچھ دیر اور صبر کرتے تو اللہ تعالیٰ کے اور راز کھلتے۔ح ت موسیٰؑ کے اس قصہ میں تکوین کی نشاندھی کی گئی ہے۔

واللہ ھو العلم با الصواب

☆------☆------☆